(جلد دوم)

جس میں شہر کی ابتدائی تاسیس سے لے کر نویں صدی تک کے بزرگوں کے حالات مذکور ہیں۔

تالیف

قطب الاقطاب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کے خلیفۂ اجل

مولانا محمد یوسف ابن سلیمان مُتالا

PUBLISHER

AMREEN BOOK AGENCY

105, Block-8, Municipal Quarters, Nr. Kanch Ki Masjid
Jamalpur, Ahmedabad-380022
(Mobile : 8401010786)
amreen.book.agency@gmail.com

Mashaikh-e-Ahmedabad (Part-2)

by

Maulana Mohammed Yusuf Mutala

Year of Edition January 2013

Price: Rs. 750/- (Per Set)

نام کتاب .... مشائخ احمد آباد (جلد دوم)

نام مصنف .... مولانا محمد یوسف ابن سلیمان متالا، خادم دار العلوم
بری انگلینڈ

سن اشاعت .... ربیع الاول ۱۴۳۴ھ جنوری ۲۰۱۳ء

صفحات ۴۹۶

قیمت .... ۷۵۰/- روپے (مکمل سیٹ)

PUBLISHER

AMREEN BOOK AGENCY

105, Block-8, Municipal Quarters, Nr. Kanch Ki Masjid
Jamalpur, Ahmedabad-380022
(Mobile : 8401010786)
amreen.book.agency@gmail.com

فہرست مضامین مقدمہ

فہرست مضامین کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَصَلّی اللہُ علٰی نُور کزو شُد نورہا پیدا

حق تعالیٰ شانہ نے سرور کائنات فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت وعلم وعرفان کے جس نور کا مخزن بناکر مبعوث فرمایا تھا۔ اسی نور کا کرشمہ تھا کہ جاہلیت کے عربوں کو لات وعزیٰ کی پرستش اور اس کی ظلمتوں سے نجات دیکر وہ صفاء قلب عطا کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں انہیں جنت جہنم ایسی نظر آتی گویا نگاہوں کے سامنے ہے۔ پکے ہوئے کھانے سے وہ تسبیح کی آواز سنتے۔

چونکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اوّل ہیں اور خاتم بھی۔ فرماتے ہیں اول ماخلق اللہ نور نبیک یا جابر۔ [۱] نیز ارشاد نبوی ہے وانا العاقب الذی لیس بعدہ احد۔ [۲]

اس لئے اصحابِ طلب ہر زمانہ میں نور نبوی سے اپنا نصیب ومقدر پاتے رہے اس سلسلہ میں روحانیت کے سلاسل اربعہ اور دیگر سلاسل معروفہ وغیر معروفہ کو اس خدمت کے لئے اس قدر قبول کیا گیا یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ بارگاہِ احدیت ونبوّت سے متعلق خاص ان سلاسل سے وابستگی کے بغیر ممکن نہیں

[۱] مصنف عبدالرزاق شرح مواہب ص ۴۶ ج ۱ ۔ [۲] بخاری، مسلم ص ۲۶۱ ج ۲

حالانکہ ایسا نہیں البتہ مشکل ضرور ہے اسی لئے دورِ نبوی سے لے کر آج تک جہاں علم ظاہری کی تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف کو سلف نے شغلِ حیات بنایا وہاں یہ حضرات روحانی سلاسل سے وابستگی کے بغیر نرے علم کو غیر نافع بلکہ مضر سمجھتے تھے۔

راقم کا مقصد مشائخ کے احوال جمع کرنے سے یہی ہے کہ ہم طلبہ اور علم سے وابستگی رکھنے والے اپنے احوال کا ان حضراتِ اکابر کے حالات سے موازنہ کریں تاکہ پتہ چلے کہ آج مراکزِ علم و تدریس اور اصحابِ علم کی اس قدر کثرت کے باوجود ہر طرف عوام اور خواص میں مردنی سی چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ہر طرف اضطراب و بےچینی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

ان اکابر کے حالات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات ظاہر و باطن، شریعت و طریقت کے جامع ہوتے تھے۔ ہمارے ہاں صرف رسمی علوم پر اکتفا کر لی گئی۔ جس روحانیت کے سبب علم میں برکت نورانیت اور تاثیر معلوم ہوتی تھی وہ مفقود ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ صدیوں کے مشائخ و علماء نہ صرف عوام اور ان کے قلوب پر حکمرانی کرتے تھے بلکہ اس زمانہ کے بڑے بڑے سلاطین ان مشائخ کی نظر پر اثر اور صحبت بابرکت سے جنیدِ زمان اور شبلی وقت معلوم ہوتے تھے۔

یہاں پر احمد آباد کے سلاطین میں سے صرف سلطان محمود بیگڑہ اور سلطان مظفر حلیم کے چند واقعات اور ان کے کچھ احوال ذکر کئے جاتے ہیں، جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے خانوادہ کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جب ان مشائخ کرام کی محبت سے سلاطین کا یہ حال تھا تو عوام اور علماء جو ان حضرات کی خدمت میں زیادہ وقت گذارتے تھے انہیں اسی قدر زرِ خالص بنا چھوڑتے ہونگے۔

سلطان محمود بیگڑہ

شیخ سراج الدین کی خدمت میں

سلطان محمود بیگڑہ اپنے روحانی علاج کے لیئے اس زمانہ کے ایک بزرگ شیخ سراج الدین کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ شیخ سراج الدین شیخ علی خطیب کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ قطب الاقطاب برہان الدین کے خلیفہ تھے۔ شیخ سراج الدین کے سالکوں کی بڑی تعداد تھی جنہیں شیخ نے عین الیقین کے مقام تک پہونچا دیا تھا۔

سلطان محمود کا ایک امیر امین الملک شیخ سراج الدین کا معتقد تھا۔ محمود نے اپنے امیر سے شیخ کے متعلق دریافت کیا چنانچہ اس نے آپ کے مناقب و فضائل بیان کیئے جس سے محمود بیگڑہ بہت متاثر ہوئے اور شیخ سے ملاقات کا شوق ہوا چنانچہ ایک رات محمود نے اپنے امیر کے ہمراہ شیخ سراج الدین کی خدمت میں پہنچے سلام و مصافحہ کیا۔ پھر سلطان نے ان سے عرض کیا کہ اپنی توجہ سے مجھے ظلماتِ نفسانی سے نکال کر مقامِ ہدایت تک پہونچا دیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر واقعی کسی کو اس کی تلاش ہو تو درویش بھی اس کے لیئے بابِ ہدایت کھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا کہ محمود کو واقعی ایک دردمند سمجھیں اور اس کا علاج کریں اور اس کو صحیح راستہ پر لگا دیں۔ شیخ نے فرمایا کہ آپ کے آپ کے سر پر امارت ہے اور کندھوں پر ذمہ داریاں ہیں۔ راہِ سلوک میں ان تمام چیزوں سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے۔

سلطان نے کہا کہ اس راہ کے لیئے میں اپنی مسندِ سلطنت چھوڑ کر آپ کی ملازمت کا احرام باندھنے کے لیئے تیار ہوں۔ یہ سنکر شیخ بڑے خوش ہوئے

اور فرمایا کہ اگر بادشاہت عدل و انصاف کے ساتھ کی جائے تو اس سے بادشاہ کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا۔ پھر شیخ نے سلطان سے فرمایا کہ آج تو آپ واپس جائیں کل جو کچھ کہلا بھیجوں اس کو قبول کریں اور اس میں چوں و چرا نہ کریں۔ محمود نے دوسرے دن امین الملک کو شیخ کی خدمت میں یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ جو کچھ کہیں اس کو واپس آکر بے کم و کاست دہرانا۔ امین الملک شیخ کی خدمت میں پہونچا تو انہوں نے فرمایا کہ سلطان کو میں نے ایک اچھا مرد اور فقیر دوست پایا۔ میرا دل سلطان کی صحبت چاہتا ہے میری خواہش ہے کہ میں سلطان کے یہاں نوکری کروں۔ میری اس خواہش کو سلطان تک پہنچا دو اگر سلطان منظور کر لیں تو مجھے کسی خدمت پر مامور کر دیں۔ امین الملک ان کے یہاں سے چلا تو وہ پریشان تھا کہ میں نے سلطان کے سامنے شیخ کی بہت تعریف کی تھی اور اب یہ پیام پہونچاؤنگا تو معلوم نہیں سلطان کیا سوچیں گے لیکن شیخ کا حکم تھا۔ اس لئے اس نے ساری بات بیان کر دی۔ سلطان نے سنکر کہا کہ مجھے منظور ہے لیکن شیخ سے دریافت کرو کہ وہ کون سا عہدہ قبول کریں گے۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ فن حساب میں ماہر ہوں لہذا مجھے استیفائے ملک کے منصب پر مقرر کر دیں۔ سلطان نے منظور کر لیا دوسرے روز شیخ نے اپنی کمر میں تلوار باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سلطان کے یہاں پہونچے اور مستوفی کی خلعت پہنی۔ پھر اپنے گھر واپس آئے شہر کے لوگ شیخ کو قطب اور غوث سمجھتے تھے لیکن ان کی ملازمت سے ان سے بدظن ہو گئے اور شیخ کو متہم سمجھنے لگے کہ انہوں نے اپنے زہد کو مال اور دنیا کی خاطر بیچ ڈالا اور انکی ساری ریاضت سلطان کو اپنا معتقد بنانے ہی کے لئے تھی۔

شیخ اس طعنہ کے باوجود روزانہ سلطان کے پاس تشریف لاتے۔ کچھ دنوں کے بعد امین الملک سے شیخ نے کہا کہ سلطان سے کہو کہ میں بوڑھا آدمی ہوں آنے جانے

ہیں مجھے تکلیف ہوتی ہے اگر اپنے محل کے پاس مجھ کو جگہ دے دیں تو ہر وقت سلطان حاضر رہوں۔ سلطان نے اپنے پاس ہی ان کو رہنے کی جگہ دے دی چنانچہ انہوں نے وہاں قیام کر لیا اور لوگوں سے چھپ کر سلطان کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اور چند ہی دنوں میں سلطان فیضیاب ہو گئے۔ اور ان کے دل کا غنچہ کھل گیا اس کے بعد شیخ نے فرمایا اب مجھے جانے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ آپ واپس اپنے مستقر پر لوٹ آئے اور سلطان سے کہا کہ اب مجھ سے ملاقات نہ کرنا کوئی ضرورت ہو تو لکھ کر پیغام بھیج دینا۔ [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

ایک رات سلطان محمود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو طبق مرحمت فرمائے۔ اس کی تعبیر یہ قرار پائی کہ سلطان کو دو بڑی نعمتیں حاصل ہونگی۔ چنانچہ اس کے بعد سلطان نے دون اور کرنال کو فتح کر لیا۔ [2]

حفظ قرآن مجید کی قدردانی

سلطان محمود ایک مرتبہ شب قدر میں علماء وصلحاء کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے علماء کے درمیان باہم فکر آخرت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک عالم دین نے بیان کیا کہ قیامت کے دن آسمان سے آفتاب نیچے آئے گا۔ گناہ گاروں کے سروں پر آفتاب سوا نیزے کے برابر ہوگا اور اس کی تپش سے وہ جل رہے ہونگے۔ اگر ان میں کوئی حافظ قرآن ہوگا تو اس کے اسلاف کی سات پشتیں رحمت کے سایہ میں ہونگی۔ اور آفتاب کی گرمی کا اثر ان پر نہ ہوگا۔ یہ سن کر سلطان محمود کی زبان سے ایک آہ نکلی پھر کہا کہ میرے لڑکوں میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہے تاکہ میں بھی اس رحمت کا امیدوار ہوتا۔

---

[1] مرآۃ سکندری ص ۱۰۵ [2] بزم رفتہ کی سچی کہانیاں۔

سلطان کے صاحبزادے خلیل خاں اس مجلس میں موجود تھے جو آگے چل کر سلطان مظفر کے لقب سے تخت نشین ہوئے اس نے باپ کی بات سن لی کچھ دنوں کے بعد اس کو بڑودہ کی جاگیر دی گئی اور وہ یہاں چلے آئے۔

بڑودہ آکر قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے حفظ کرنے کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہوئے۔ اسی محنت اور اہتمام سے انہوں نے ایک سال میں تمام کلام مجید حفظ کر لیا۔ رمضان المبارک میں باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حکم ہو تو تراویح میں قرآن سناؤں۔ سلطان محمود یہ سن کر بے حد مسرور ہوئے بیٹے کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔

بیٹے نے رمضان المبارک میں کئی بار کلام پاک تراویح میں سنایا۔ سلطان نے کہا کہ اپنے بیٹے کا شکر کس طرح ادا کروں کہ اس نے اپنے اسلاف کو قیامت کے دن آفتاب کی گرمی سے نجات دلائی۔ اس کا بدلہ صرف یہی ہے کہ میرے ہاتھ میں بادشاہت ہے اس کو دیدوں۔

سلطان نے اپنے بیٹے کے قرآن پاک حفظ کرنے کی خوشی میں ایک دعوتِ عام کی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسی دعوت کبھی نہیں ہوئی۔ [1]

علماء و مشائخ سے محبت

سلطان محمود کو علماء کرام و مشائخ عظام سے بڑی محبت و عقیدت تھی اپنی وفات سے قبل نہروالہ گئے وہاں کے تمام علماء و صلحاء سے ملاقات کی، ان کو انعام و اکرام سے نوازا۔ جب رخصت ہونے لگے تو کہا اب اجل مہلت نہ دیگی کہ آپ لوگوں سے پھر مل سکوں۔

نہروالہ پٹن، مشائخ کے مزاروں پر حاضری دی اسلاف کے قبرستان میں اپنے لئے قبر کھدوائی، کبھی کبھی اس کو دیکھنے کے لئے جاتے۔ ایک روز قبر کا دہانہ

---

[1] مرآۃ سکندری۔

کھلوا کر دیکھا اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر فرمایا۔

اللھم ان ھذا اول منازل الآخرہ فسھلہ واجعلہ من ریاض الجنۃ ؎	اے اللہ یہ آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے سو اسکو آسان کر دے اور اسے جنت کی کیاریوں میں سے بنا دے۔

خوفِ خدا آخر عمر میں عبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے تھے۔ اور رقت قلب کیوجہ سے برابر روتے رہتے ان کا ایک امیر ملک سارنگ عرف قوام الملک تھا۔ احمدآباد سے باہر سارنگپور اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اس نے سلطان محمود کو کثرت سے روتے ہوئے دیکھکر دریافت کیا کہ دولت بھی ہے شہنشاہی بھی پھر رونے کی وجہ؟ سلطان نے جواب دیا کہ تمہیں کیا بتاؤں میرے مرشد شاہ عالم قدس سرہٗ نے میرے لئے دعا ضرور کی تھی کہ محمود کی عاقبت محمود ہو عمر کی نہر بہتی چلی جاتی ہے اور جو بہہ گئی وہ واپس نہیں آتی۔ دل حسرتوں سے بھرا ہوا ہے۔ ؎ ایک مرتبہ قبر کا گڑھا چاندی سے پُر کر کے خیرات کر دیا۔

فیاضی:- خدا تعالیٰ نے سلطان محمود کو سخاوت کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ روزانہ ان کے حکم سے کھانے کے وقت نقارہ بجایا جاتا اور منادی آواز دیتا کہ جس کا جی چاہے دسترخوان پر آکر شریک ہو۔ دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے پینے کی چیزیں ہوتیں۔ آخر میں شرکا کو پان اور عطریات دیئے جاتے۔

ان کے یادگار کارناموں میں سے سب سے بڑا کام نامہ یہ ہے کہ انہوں نے دل کھول کر علم اور اہلِ علم کی سرپرستی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب و عجم کے مشاہیر علماء گجرات میں جمع ہو گئے اور گجرات رشکِ بلاد یمن ہو گیا۔ اور پھر یہاں حدیث کا خوب چرچا ہوا۔

علامہ جلال الدین محمد بن محمد مالکی مصری تشریف لائے تو موصوف کو ملک المحدثین کا

خطاب دیا۔ علامہ مجدالدین محمد بن محمد ایجی تشریف لائے تو انہیں رشید الملک کے خطاب سے نوازا، انہی کے دور میں ابوالقاسم ابن احمد بن محمد شافعی کا ورود ہوا۔

عادات وخصائل

سلطان محمود نہایت پاک دامن، خوش اخلاق، کثیر الاحسان والکرم تھے۔ ان کے اچھے اوصاف کا ذکر حضرمی نے "النور السافر" میں اور گجراتی نے "مرآۃ سکندری" میں کیا ہے۔

آصفی نے لکھا ہے کہ محمود بیگڑہ ۹۱۶ھ میں نہروالہ پٹن تشریف لے گئے۔ یہاں کے علماء کی زیارت کی، متوفین کے قبروں پر دعا پڑھی اور تفسیر وحدیث کے لئے ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد کی، علماء کے لئے عطایا و وظائف میں اضافہ کیا۔

سلطان مظفّر حلیم

سلطان مظفر علوم دین سے اچھی طرح واقف تھے۔

نہایت سلیم الطبع اور حاضر جواب تھے۔ فنونِ حرب میں خصوصاً تیراندازی نیزہ بازی، شمشیر زنی، گھڑسواری میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، خطاطی میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھ کر حرمین شریفین بھجواتے، جوانی ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اتباعِ رسولؐ کا خاص اہتمام تھا۔ جب موت یاد آتی تو زار و قطار روتے علمائے کرام سے بڑی عقیدت تھی۔ اکابر ومشائخ سے محبت کا اظہار کرتے۔

شریعت کی سختی سے پابندی کرتے ہمیشہ باوضو رہتے۔ باجماعت نماز ادا کرتے کبھی کسی کی اہانت نہ کرتے۔ اسراف سے بچتے لیکن سخاوت کا دامن نہ چھوڑتے تمام رعیت کے احوال کی خبر رکھتے۔ بعض اوقات لباس بدل کر رات میں اپنے

محل سے نکلتے۔ اور رعایا کے حالات معلوم کرتے۔

فکر آخرت

ایک روز سلطان مظفر قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ قیامت کی آیتوں کو پڑھ کر رونے لگے۔ ان کے ایک خادم نے عرض کیا بادشاہ سلامت میرے علم میں آپ سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا بلکہ اکثر آپ کو عبادت میں مشغول پایا ہے لہذا مغفرت کی بڑی امید ہے یہ سن کر سلطان نے اس خادم سے کہا کہ میری گردن پر بار گراں ہے اس لئے روتا ہوں۔ تم نے سنا نہیں کہ نجا المخففون وھلک المثقلون۔ ہلکے بوجھ والے نجات پا جائیں گے اور گراں بار ہلاک ہوں گے۔

شراب سے نفرت

سلطان مظفر نے شہزادگی اور بادشاہت کے زمانہ میں کوئی نشہ آور چیز استعمال نہیں کی۔ ایک روز ایک درباری امیر قوام الملک نے پوچھا کہ آپ نے کبھی مسکرات کا استعمال کیا ہے۔ جواب دیا کہ جب پانچ سال کا تھا تو ایک دن بالاخانہ سے اتر رہا تھا کہ زینہ پر پاؤں پھسلا اور زمین پر آ گرا۔ شدید چوٹ آئی۔ اس وقت میری دادی میری پرورش کر رہی تھیں۔ انہوں نے بطور علاج مجھے شراب پلادی۔ میں نے اسی وقت قے کر دی اور طبیعت خراب ہو گئی اس کے بعد میری دادی نے خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ تم نے شہزادے خلیل خاں کو شراب پلادی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس شخص نے کہا توبہ کرو آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ بیداری پر دادی نے استغفار کیا اور پھر میری طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھکو شراب کی آلودگی سے محفوظ رکھا۔

بعد میں سلطان کو شراب سے اس درجہ نفرت ہو گئی کہ سلطان کے پاس ایک گھوڑا تھا اپنی چال اور خوش رفتاری میں منفرد تھا سلطان کو سواری کے لئے وہ گھوڑا بہت پسند تھا۔ ایک دن اس گھوڑے کے پیٹ میں درد

ہوا۔ ہر طرح کی دوا کی گئی کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک حاذق طبیب نے بتایا کہ اگر خالص شراب پلائی جائے تو اس سے فائدہ ہوگا چنانچہ اس کو شراب پلائی گئی اور اس کا درد جاتا رہا۔ سلطان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو بڑے افسوس کا اظہار کیا اور اس گھوڑے کی سواری ترک کردی۔ ؂

شریعت کا لحاظ

سلطان مظفر نے جب مانڈو فتح کیا تو وہاں سلطان محمود نے بڑی عظیم الشان دعوت کی تھی اس دعوت میں بعض چیزیں شریعت کے خلاف ہوئیں۔ مظفر شاہ کے متنبہ کرنے پر فوراً اصلاح کی گئی ؂

اجابتِ دعا

ایک مرتبہ سلطان مظفر حلیم دعائے استغفار کے لئے نکلے۔ فقرار اور مساکین میں خوب خیرات کی اور ان سے بارش کے لئے درخواست کی خود مصلی پر آکر نماز پڑھائی۔ بعد میں دعا کرائی جس کا آخری حصہ یہ تھا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی عَبْدُکَ وَلَآ اَمْلِکُ نَفْسِیْ شَیْئًا فان تک ذنوبی حبست المطر عن خَلْقِکَ فھا انا جبتھی بیدک فا غثنا یا ارحم الراحمین۔

یا اللہ میں تیرا بندہ ہوں میں کسی چیز کا بھی مالک نہیں اگر میرے گناہ بارش کو روک رہے ہیں تو اے پروردگار یہ میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ اے ارحم الراحمین ہماری فریاد رسی فرما۔

انہی کلمات دعائیہ کے ساتھ ہی اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیا اور بار بار ارحم الراحمین پکارنا شروع کیا۔ ابھی سر نہیں اٹھایا تھا کہ بارانی ہوائیں چلنے لگیں۔ بجلی کوندی بادل گرجا اور بارش شروع ہوگئی۔ ؂

علالت

نماز استسقاء کے کچھ عرصہ بعد مظفر شاہ کی طبیعت خراب ہوگئی بدن کمزور ہوگیا۔ اسی علالت کے دوران ایک مجلس

قائم کی جس میں سربرآوردہ افراد کے ساتھ علماء و مشائخ کو بھی دعوت کی گئی۔ ان علمائے کرام سے درخواست کی گئی کہ وہ آخرت کے موضوع پر گفتگو کریں۔ اسی درمیان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے احسان کی بات ہونے لگی۔ مظفر شاہ نے اپنے اوپر اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر بطور تحدیث بالنعمۃ کیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ مجھے اپنے استاذ شیخ مجدالدّین نے اپنے مشائخ سے جو احادیث بیان کی تھیں وہ مجھے محفوظ ہیں اور میں ان روایات کو راویوں کی نسبت اور ثقاہت کے ساتھ ان کے حالات و سوانح اوّل تا آخر جانتا ہوں۔

اسی طرح آیات قرآنی کا معاملہ جن کے حفظ، تفسیر، شانِ نزول اور علم قرأت کی دولت سے نوازا گیا ہوں۔ علم فقہ بھی مجھے مستحضر ہے۔

اللہ کے فضل سے چھ ماہ صوفیاء کے اشغال کئے ہیں جس سے مقصود تزکیۂ نفس تھا۔ میں نے تفسیر معالم التنزیل کا مطالعہ شروع کیا تھا امید تھی کہ پوری کتاب بالاستیعاب پڑھ لونگا مگر اب صورت یہ ہے کہ اس تفسیر کو جنت ہی میں جاکر پورا کرسکوں گا۔

اے صاحبو! اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھنا۔ اب میرے اعضا کمزور ہو چکے ہیں جن کی دوا صرف اللہ سبحانہ کی رحمت ہے۔

اس کے بعد حاضرین مجلس نے سلطان کی درازی عمر کے لئے دعا کی ۹۳۲ھ میں سلطان مظفر چاپانیر سے نکلے۔ اپنا سب گرد و پیش بدل ڈالا۔ خیرات میں کثرت کردی احمدآباد پہونچنے کے بعد مقدس مزاروں پر بار بار جانے لگے۔

یوم رحلت

جمعہ کا دن تھا۔ سلطان مظفر اپنے دربار سے محل میں گئے اور دن ڈھلنے تک ایک ہی پہلو پر آرام کرتے رہے۔ پانی طلب کیا اور وضو کرکے دو رکعت ادا کیں۔ پھر زنانہ خانے میں گئے جو آہ و بکا کررہے تھے سلطان نے انہیں صبر کی تلقین کی۔ پھر راجہ محمد حسین اشجع الملک سے ملاقات کی

اوران سے سورۂ لیسٰین پڑھنے کی درخواست کی۔ پھر ان سے معلوم ہوا کہ اذان جمعہ کا وقت ہے۔ سلطان کی عادت نماز جمعہ کے لئے قبل از وقت مسجد میں جانے کی تھی مگر آج انھوں نے کہا کہ میں نماز ظہر پڑھونگا۔ اور عصر کی نماز جنت میں ادا کروں گا انشاء اللہ۔

اس کے بعد شرکائے مجلس کو نماز کے لئے جانے کی اجازت دی اور اپنے لئے مصلی طلب کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ان کی آخری دعا یہ تھی رب قد اٰتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین[1] اس کے بعد اپنے بستر پر لیٹ گئے چہرہ قبلہ رخ تھا زبان پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری تھا، آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

وفات سلطان مظفر کی وفات ۱۲ر جمادی الاولی ۹۳۲ھ کو ہوئی سرکھیج میں مدفون ہیں۔

سلطان شاہ غزنیؒ

سلاطین گجرات کے رشتہ داروں میں سے ایک تھے۔ شروع جوانی میں ڈاکہ زنی اور ظلم میں مشہور تھے۔ سلطان کی قرابت اور رشتہ داری کے سبب کوئی روک ٹوک کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ شیخ احمد جو میاں مخدوم کے لقب سے مشہور تھے جو حضرت شاہ عالم کے خادم خاص تھے اور حضرت کی ضروریات کا انتظام ان سے متعلق تھا۔ وہ ایک مرتبہ ۸۴ تنکہ زر سرخ یعنی ۸۴ سونے کی گنیاں لیکر جارہے تھے۔ جن میں سے ہر ایک گنی سترہ سولہ کی تھی جو حضرت شاہ عالم

[1] سورۂ یوسف۔

کے بارگاہ کا روز مرّہ کا خرچ تھا۔ شاہ عالم کی طرف سے آپ کو آپ کو حکم ہوتا کہ فلاں فلاں جگہ سے اس کو لے لو فلاں کام میں صرف کرو۔ یہ سونا لے کر احمد آباد کے بازار سے وہ گزر رہے تھے کہ سلطان شاہ عزنی اور ان کے ساتھی زبردستی میاں مخدوم سے چھین کر لے گئے۔ میاں مخدوم نے حضرت شاہ عالم سے آکر قصہ عرض کیا حضرت مسکرائے فرمایا کہ محبت الہٰی کا بیج عزنی کے دل میں بو دیا گیا اور دوسرا سونا دوسری جگہ سے حضرت نے عنایت فرمایا کچھ عرصہ کے بعد حضرت شاہ عالم گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے اور میاں مخدوم بھی حضرت شاہ عالم کے ساتھ تھے کہ اس راستہ میں میر سید پیچھے سلام اور قدم بوسی سے مشرف ہوئے اور بھی کوئی گذرتا تو سلام اور قدم بوسی سے مشرف ہوتا اگر سوار ہوتا تو پیادہ پا ہو جاتا ادھر اب محبت الہٰی کے بیج کے سرسبز ہونے کا وقت آچکا تھا۔ شاہ عزنی بھی آپکے سامنے سے گزرے مگر جوانی کے غرور کی بنا پر اور سلطان سے قرابت داری کے زعم میں سواری سے نیچے بھی نہیں اترے اور سلام بھی نہیں کیا یہاں مخدوم نے حضرت شاہ عالم سے عرض کیا کہ ملاحظہ کیجئے کہ یہ جوان اس طرح غرور کے ساتھ گذر گیا۔ حضرت شاہ عالم نے ہندی زبان میں ارشاد فرمایا۔

جو راجن جی کا نہایا ہوئے تو تجھ جیسے   فقیروں کی پرسوں تین کنا سی کرے

یہ فرماتا تھا کہ شاہ عزنی نے ادھر اپنے آپ کو گھوڑے پر سے نیچے پھینکا اور ترک علائق کر کے حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ حضرت شاہ عالم نے تزکیہ نفس کی خاطر باورچی خانہ کی دیگ کے دھونے کی خدمت ان کے سپرد فرمائی اور انکی ارشاد و تربیت کی ذمہ داری میاں مخدوم کو سونپی شاہ عالم کے انتقال کے بعد دس سال تک میاں مخدوم کی آپ تربیت کرتے رہے۔ یہاں تک

حضرت شاہ عالم کی پیشین گوئی شاہ عزنی کے متعلق صحیح ثابت ہوئی اور خود ان سے بہت سے خرقِ عادت واقعات اور کرامات ظاہر ہوئیں اور ان کے خلفا میں شاہ فضل اللہ کاشانی مشہور ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری اس مایۂ گم گشتہ سے ہمیں بھی بہرہ ور فرمائے اور راہ سلوک پر گامزن ہونے کی توفیق دے۔

وَصَلَّی اللہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ عَلیٰ خَیرِ خَلقِہٖ
محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین برحمتک یا
ارحم الراحمین

نوٹ عزیزم مولوی خلیل احمد بن حضرت مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ تقریباً دو سال سے مشایخ احمدآباد کی کتابت وطباعت کا مسئلہ تعویق میں پڑا ہوا تھا عزیز خلیل احمد کی کوشش سے مشایخ احمدآباد (ابتداء تاسیس سے لیکر نویں صدی ہجری) کی تصحیح کتابت اور طباعت مکمل ہونے پر اس کے بعد والی جلد کے متعلق بھی آں عزیز کی رائے فوری طباعت کی ہوئی اسلئے بطور مقدمہ وتمہید کے سطور بالا لکھدی گئیں اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے اسلافِ حقہ کی راہ حق پر چلنے اور انکے مشرب پر گامزن ہونے کی توفیق بخشے اور احمدآباد کے علاوہ گجرات کے دیگر مواضع کے مشایخ کے حالات جو مرتب ہیں جلد زیور طبع سے آراستہ فرمائے تاکہ ان مشایخ کرام کے اسوہ اور نمونہ کے اتباع کی توفیق میسر ہو۔ واللہ الموفق وھو المیسر۔

یُوسُفْ مُتَالا

۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

شیخ محمود راجن چشتی

سنہ ۹۰۱ھ

شیخ محمود راجن بن شیخ سراج الدین بن شیخ علم الدین۔ آپ کی پیدائش پٹن کی ہے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد کی نگرانی میں ہوئی اور پھر والد ہی کے زیر سایہ باطنی فیض حاصل کیا اور والد نے خلافت سے نوازا۔

والد ماجد کے علاوہ شیخ قاضن نے سہروردیہ اور شطاریہ سلسلہ میں اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت گیسو دراز نے سلسلہ چشتیہ میں خلافت عطا فرمائی۔ شیخ احمد کھٹو اور شیخ عزیز اللہ متوکل نے بھی خرقہ خلافت پہنایا۔ [1]

وفات آپ نے بروز جمعہ سنہ ۹۰۱ھ کو اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی احمد آباد میں سپرد خاک کئے گئے۔ بعد میں آپ کے صاحبزادے شیخ جمال الدین جمن شاہ نے احمد آباد سے نقل کر کے نہروالہ میں حوض اعظم خاں جہاں پر دفن کیا۔

حضرت شیخ جمال الدین جمنؒ

م ۲۰ ذی الحجہ ۹۴۰ھ مطابق ۲ جولائی ۱۵۳۴ء

آپ کا نام جمال الدین ہے اور لقب جمن۔ آپ اپنے والد ماجد شیخ محمود راجن کے مرید و خلیفہ ہیں۔ نیز شیخ نصیر الدین ثانی رح ابن شیخ مجد الدین رح بن شیخ سراج الدین رح بن شیخ کمال الدین علامہ عرف شیخ خواجہ سے بھی خلافت رکھتے ہیں، جیسا کہ شیخ محمد کی تصنیف

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ انوار العارفین۔

مجالس حسینیہ میں ہے۔ نیز آپ خاندانِ مغربیہ کی خلافت شیخ احمد کھٹو رحؒ سے بھی رکھتے ہیں، جن سے آپ کو محبت تھی۔ شیخ جمال الدین جمنؒ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی درملک جو د تھا، جو شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کی بیٹی تھیں آپ ولیہ کاملہ تھیں جیسا کہ مجالس چشتیہ میں ہے۔

وصال آپ کا وصال ۲۰ ذی الحجہ ۹۴۰ھ مطابق ۲ جولائی ۱۵۳۴ء کو احمد آباد میں ہوا۔ فخر الاولیاء میں ہے کہ آپ کا مزار مبارک نور پورہ شاہ پور میں دریا کے کنارے پر ہے۔ مگر "مراتِ ضیائی" میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار مبارک خانقاہِ چانپانیر میں ہے۔ ایک رات کفار آئے اور آپ کو شہید کردیا۔ اور اسی جگہ مدفون ہوئے۔ اس کتاب میں آپ کی تاریخ شہادت ۲۹ ربیع الاول ۹۸۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۵۷۴ء لکھی ہوئی ہے۔ گلزار ابرار میں یہ مصرع آپ کی تاریخ وصال میں لکھا ہے۔ سہ شہید خنجر تسلیم عمر جاوداں دارد۔

آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور صاحب وجد و سماع تھے۔ ایک دیوان بھی چھوڑا ہے، جس میں دیوان مغربی کی طرح کی غزلیں ہیں۔ مؤلفِ مناقب نے آپ کے دیوان سے تین غزلیں دی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک غزل کا ایک ایک شعر یہاں تبرکاً درج کیا جاتا ہے۔ سہ

چوں بدریائے جمالش غوطہ خورد
دید جمنؔ دنیا و عقبےٰ بکیست

گاہ پوشی دلقِ صوفی گہ قبائے سلطنت
منظہرے سازی و گاہ از بہر اظہار دگر!

فی الجملہ ہر چہ ہست ہمہ حسنِ روئے تست
گر بنگرم بدیدۂ دل در تعینات

مؤلف مناقب نے آپ کے دیگر سلاسل کو بھی درج کیا ہے۔

خلفاء:۔ آپ کے بہت سے خلفاء تھے۔ مگر آپ کا سلسلہ حضرت شیخ حسن محمدؒ سے جاری ہوا۔ [1]

شیخ ابراہیم برہانپوری

م سنہ ۹۰۱ھ مطابق سنہ ۱۴۹۵ء

آپ احمدآباد کے رہنے والے تھے۔ قرأت وتجوید کے ماہر تھے احمدآباد میں درس وتدریس میں مشغول رہے بعد میں برہانپور چلے گئے اور وہاں بھی درس وتدریس کو اپنا مشغلہ رکھا۔ ۹۰۱ھ میں وفات ہوئی۔ [2]

شیخ راجح بن داؤد

م سنہ ۹۰۴ھ مطابق سنہ ۱۴۹۸ء

شیخ عالم محدّث راجح بن داؤد بن محمد بن عیسیٰ ابن احمد حنفی، یکے از علمائے باعمل۔ سخاوی نے انکا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ صفر ۸۱۱ھ بمطابق ۱۴۰۸ء کو احمدآباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے شہر ہی میں علی محمود ابن محمد المقری الحنفی سے صرف ونحو وغیرہ پڑھ کر علی مخدوم ابن برہان الدّین سے معانی وبیان اور علی ابن محمد تاج حنفی سے ہیئت وکلام پڑھکر جملہ علوم میں ممتاز ہوئے آپ نے اپنے ذہن کی رسائی سے شعر گوئی کے اندر بھی قدم رکھا۔ سخاوی لکھتے ہیں کہ مجھ سے ان کی ملاقات مکہ مکرمہ میں ہوئی جب کہ وہ اپنے بھائی قاسم اور چچا کے ہمراہ حج کے لئے آئے تھے۔ حج کے بعد زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گئے اور واپس آکر مجھ سے الفیہ در حدیث پڑھا جس پر میں نے انہیں

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۲۰۰،۴۵ [2] تذکرہ قاریان ہند

سند لکھدی جس سند کے اندر بدر دمامینی کا ترجمہ بھی تھا جس کی انہوں نے درخواست کی تھی کیونکہ دمامینی کا انتقال ہندوستان ہی میں ہوا تھا ۔ اس سند کے اندر میں نے علاء الدین بخاری حنفی کا ترجمہ بھی لکھدیا تھا ۔ اور علماء نے ابن عربی اور ان کے معتقدین کی جو تکفیر کی ہے بلکہ ابن عربی کے مصنفات کے مطالعہ سے جو لوگوں کو منع کیا ہے اس پر بھی میں نے اس سند پر علماء سے انہیں بیدار کر دیا تھا ۔

آپ کی وفات ۹۰۲ھ بمطابق ۱۴۹۶ء میں ہوئی احمد آباد میں مدفون ہوئے۔[1] نور اللہ مرقدہٗ

شیخ جمال الدین بن محمود

۹ ربیع الاول ۹۰۴ھ یا ۹۰۸ھ میں

شیخ جمال الدین بن محمود بن علم الدین بن سراج الدین عمری ۔ مولد و منشا گجرات ہے اپنے والد اور عم زاد نصیر الدین ابن مجد الدین گجراتی سے پڑھا ۔

آپ نے المذاکرہ تصنیف فرمائی جس میں حقائق و معارف کو فارسی زبان میں بیان کیا ۔ نیز فارسی ہی میں دیوان شعر بھی ہے ۔

۹ ربیع الاول ۹۰۴ھ یا ۹۰۸ھ میں ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے ۔[2]

شیخ نصیر الدین رح

م ۲۷ رجب ۹۱۰ ھ مطابق ۲ جنوری ۱۵۰۵ء

فقیہہ نصیر الدین بن مجد الدین بن سراج الدین بن کمال الدین عمری ۔ یکے از مشائخ چشتیہ مولد و منشار احمد آباد اپنے شہر کے اساتذہ سے پڑھا بعد ازاں اپنے

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ص۱۲۴ ج۴، ۱۹۶ عربی ص۱۹۹ ص۱۱۱ [2] اعیان الحجاج ، نزہۃ الخواطر اردو ص۱۳۲ عربی ص۱۳۵ ص۳۷ ج۴ ۔

والد سے طریقت میں مستفیض ہوئے اور ان کی رحلت کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور سلسلۂ بیعت شروع کیا۔ اپنے اسلاف کے انداز پر ترک دنیا و تجرد پر عمل پیرا رہے ۲۷ رجب ۹۱۱ھ بمطابق ۱۵۰۵ء کو آسودۂ لحد ہوئے۔[1] نور اللہ مرقدہٗ۔

شیخ بہاؤالدین شاہ باجن

ولادت ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء وفات ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء

فقیہہ بہاؤالدین بن معزالدین بن علاؤالدین بن شہاب الدین خطابی عملی تصوف اور شعر کو جمع کرنے والے شعراء میں ہیں حضرت نفیل[2] بن خطاب برادر امیر المومنین عمر بن الخطاب کی اولاد سے ہیں۔ مولد و منشاء احمد آباد ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ابن عزیز اللہ المتوکل الگجراتی کی خدمت میں رہنے لگے۔ اکیس[۲۱] سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ ان سے حصول طریقت کے بعد گھر سے نکلے۔ متعدد شہروں میں آئے۔ برسوں یہ شغل رہا آٹھ سال بعد لوٹ کر گجرات آئے مگر کچھ عرصہ بعد پھر نکلے اور برہان پور قیام فرما ہوئے۔

جہاں ایک خانقاہ اور جامع مسجد تعمیر کرائی۔ شیخ علی متقی ابن حسام الدین نے اپنی جوانی کے زمانے میں ان کی بیعت کی۔ گلزار ابرار کے مصنف مولانا غوثی لکھتے ہیں کہ آپکے سلسلہ نسب کے چوتھے دادا مولانا احمد مدنی کے حالات لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ابو مدین کے مریدوں میں سے تھے۔ رسمی علوم میں تبحر حاصل تھا۔ علم حدیث کے اکثر مشکل مقامات میں صاحب حدیث علیہ السلام سے حل کر لیا کرتے تھے۔ ہمیشہ آدھی رات کے وقت جب روضۂ منورہ کی آستانہ بوسی کے واسطے حاضر ہوا کرتے تھے تو آپ کے واسطے حرم محترم کے دروازے کشادہ ہو جایا کرتے تھے۔ یکایک دل میں سیر و سیاحت

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ص۳۹۵ ج۵۴۸ عربی ص۳۷۴ ج۴ ۵۵۲۔ [2] سہیل بن خطاب

کی آواز پیدا ہوئی تو اپنے فرزند شیخ ملک کو ہمراہ لیا۔ کچھ سفر دوست طلبہ بھی ساتھ ہو گئے اور چل نکلے۔ عراقین، خراسان، ماوراء النہر اور سندھ کی سیر کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ یہاں پر آپ سے بڑے بڑے لوگ محبت کرنے لگے۔ نیز نوشتہ تقدیر دامن گیر ہوا۔ اور والی ملک نے کمال عجز و دلداری اور نہایت خواہش کے ساتھ جشنِ عروسی ترتیب دیکر شیخ ملک کو اپنا داماد بنایا۔ شیخ ملک مولانا احمد خطابی کے صاحبزادے ہیں۔

بہر حال شیخ بہاؤالدین 'احجن' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۹۱۲ھ میں رحلت فرمائی۔ خوابگاہ برہانپور خاندیس ہے۔ نوراللہ مرقدہٗ [1]

قدیم اردو میں شیخ باجن غیر معمولی اہمیت کے مالک ہیں؛ 'خزائن رحمت اللہ' کے نام سے فارسی نثر میں انکی ایک یادگار تصنیف ہے۔ جس میں صوفیائے سلف کے کلمات کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ اپنے پیر و مرشد شیخ رحمت اللہ کے ملفوظات واقوال جمع کئے گئے ہیں۔ کتاب فارسی میں ہے۔ لیکن شیخ باجن نے جا بجا اپنا اردو کلام بھی دیا ہے۔

شیخ باجن نے لکھا ہے کہ:

در ذکر اشعار کہ مقولہ این فقیر است، بزبان ہندوی، جکری خوانند و قوالان ہندآں را در پردہ ہائے سرود می نوازند و می سرایند۔ بعضے در مدح پیر دستگیر و وصفِ روضۂ ایشاں و وصفِ وطن خود کہ گجرات است و بعضے در ذکر مقصد خود و مقصوداتِ مریداں و طالبان و بعضے در ذکرِ عشق و محبت

سیو یجے شیخ رحمت اللہ — شیخ سوین پائے اللہ
روشن گنبد برسے نور — حاجتمند کی حاجت پور

---

[1] گلزار ابرار ص۲۱۳ - نزہۃ الخواطر ص ۴۲/۳۷ ج ۱۱۱

باغ سہاوا ہے دربار واک چنبیری ہور انار
سابھر کنارے تمہارا تھانا زیارت آوے شاہ شہانہ
شیخ عزیز اللہ تن قطب جہانگیر باجن کو تمہیں ہو دستگیر
شاہ رحمت اللہ ہے سانچا پیر

کھولو کھولو ری بار دکھلاؤ مکھو
جس مکھو دیکھیں میری نینو جی سکھو
جس مکھو دیکھیں دکھ دلندر جاوے
شاہ رحمت اللہ کا درسن باجن پاوے

مولوی عبدالحق نے قدیم اردو، مطبوعہ کراچی صہ ۹۴ میں سال وفات ۹۱۲ھ دیا ہے۔ [1]

شاہ باجن کا خاندان

صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں!
شیخ عزیز اللہ متوکل قدس سرہٗ پیر شیخ باجن است کہ پیر شیخ علی متقی است۔

لیکن شیخ باجن باربار اپنے رسالہ میں شیخ رحمت اللہ کو اپنا پیر بیان کرتے ہیں آپ ایک نہایت عالی شان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد معز الدین سات مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ جن میں سے پہلے تین حج انہوں نے تنہا ادا کئے۔ باقی چار حج اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں کئے۔ اس کے علاوہ بیت المقدس و دیگر مقامات متبرکہ کی بھی زیارت کی اور آخر میں شہادت پائی۔
شیخ باجن نے اپنے ایک بھائی کا بھی ذکر کیا ہے ان کا نام شیخ میاں تھا اور شیخ رحمت اللہ سے ارادت رکھتے تھے۔ شیخ باجن نے دور دراز علاقوں کی

---

[1] تاریخ ادب اردو صہ ۱۰۶۔

سیاحت بھی کی، ہندوستان کے جنوب میں جزیرہ سیلان تک اور شمال میں سرحدِ ایران تک سفر کیا کہتے ہیں !

"این فقیر تا طرف سندھ و قریب خراسان وطرفِ دکن تا قریب سرحد سیلان مسافر بود"[1]

تاریخ ادب اردو میں لکھا ہے کہ شیخ باجن برہانپور کے رہنے والے تھے۔ مگر مولانا شیرانی لکھتے ہیں کہ : شیخ باجن متوفی ۹۱۲ھ باوجودیکہ گجراتی تھے۔ دہلی کی زبان سے بھی واقف تھے۔[2]

نیز دکن ادب کی تاریخ میں ہے کہ :

بہاؤالدین باجن اور شاہ علی گاؤدھنی۔ ان دونوں نے بہمنی دور میں دکن کا سفر کیا ہے۔ اور یہاں کی فضا سے متاثر ہوئے لیکن یہ دونوں گجرات کے رہنے والے تھے اور ان کے اردو کارنامے گجرات کے ادیبوں اور شاعروں کے سلسلہ میں شامل ہوئے ہیں۔[3]

شیخ بہاؤالدین باجن ہندوی اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے اپنے پیر شیخ رحمت اللہ بن عزیزاللہ متوکل مانڈوی کے حالات وملفوظات پر مشتمل جو تصنیف "خزائنِ رحمت" کے نام سے لکھی ہے اس میں آپ کے ہندوی اشعار بھی نظر آتے ہیں۔ علاوہ بریں بعض دوسرے بزرگوں کے ہندی ابیات اور فقرے بھی آپ نے اس کتاب میں درج کیے ہیں آپ نے شیخ حمیدالدین صوفی ناگوری کا ایک فقرہ۔ "ہاں بابا کچھ کچھ" درج کیا ہے۔

---

[1] مقالات شیرانی ص ۱۲۴/۱ ۔ [2] ایضاً ص ۴۳/۲ ۔ [3] دکنی ادب کی تاریخ ص ۲۵۔

اور شیخ فرید الدین کا ایک ہندی دوہرہ بھی لکھا ہے اور اپنے اشعار کی زبان کو دہلوی کہا ہے۔ خزانۂ رحمت کا آخری باب اس قسم کے ہندی اشعار اور دوہوں سے بھرا پڑا ہے۔ سے

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مندل من میں دھمکے!
رباب رنگ میں جھمکے؛
صوفی ان پر ٹھمکے

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے سلہ

شیخ باجن پہلے شخص ہیں جو زبانِ دہلوی کا نمونہ دیتے ہیں، وہ اس کو ہندوی کے نام سے بھی پکارتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ہندی اور زبان دہلوی ایک ہی چیز ہے۔ شیخ باجن کی ایک چھوٹی سی نظم "صفت دنیا بہ زبان دہلوی گفتہ" درج ذیل ہے۔

یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آں چھل بہت چھلائے آں چھوہری بہتی کھائے
آں رو کر بہت رولائے
یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

(دوہین دوم)

جے اس کارن تپنہ ترسنہ جے جکہ ملے تو اس سنہ بلسنہ

سلہ تاریخ ادبیات ص۲۱۴۔

یہ فتنی انہوں تپا دے — جکہ پاس انہوں نہ آوے
جے اس کدھی نہ نوریں — جے جکہ ملے تو بھی اس چھوڑ نہ
جے دیکھ اس نٹھے بھاگے — یہ نیلج اُن سنہ لاگے
تخلص، دیکھ باجن یہ تو جھوٹی — مکہ میٹھی چت نیٹھی!!

باجن اپنے کلام کو صریحاً کبھی ہندوی (اردو) اور کبھی دہلوی کہہ رہے ہیں. مثلاً کہتے ہیں ۔ ؎ واین مناجات بہ زبان ہندوی گفتہ شدہ است ؛

ترے پنتھ کوئی چل نہ سکھے — جو چلے سو چل چل تھکے
پڑھ پنڈت پوتھی دھویاں — سب جاناں سدہ بدہ کھویاں
سبہ جوگیوں جوگ بسارے — سب تپئی تپ بکارے
ایک ورسنی ورسن بھولی — سرنا نگے بالوہ کھلی
ایک سیوڑی ہوئی سیو کرنہ — ہوئی برتیئی کیا درو کہہ دھرنا
ایک درویش ہوئی کرآئے — ہوئی قلندر روپ بھرائے
ایک ابدال ہوئی اب دھوتی — ایک باندہ ہا ہا ہوتی!
ایک کھلی ہوئی دوانی — ایک بادل سہندرانی!
ایک راتی ماتی ہوئی اررواہ — بہی بے سدہ ہو ہو جاونہ
ایک اپاسی راتنہ جاگن — ہوئی بھکاری تجھ مانگہ!
یوں ٹولی ٹولی ہوئی کرے — سبہ رل رل کھل کھل کھوئی کرے
وے ملت منے ایوسے دیکھے — آرسے باجن توں کس لیکھے ؎۲

؎۱ تاریخ ادبیات ج۴ ص۹۹ ؎۲ نزہۃ الخواطر ج۳ ص۱۱۱ ؎۳ مقالات شیرانی ج۱ ص۳

اور فارسی و ہندی میں بھی نظم لکھتے تھے ۔ اپنی ایک تالیف میں جو مریدوں کو ہدایت اور اپنے مرشد کے حالات میں تصنیف کی ہے ۔ ذیل کا ریختہ دیتے ہیں۔

یہ صوفی سرا لہی　　ایں مرثیہ دارد شاہی
یہ مظہر عین خدائی
درآں مجلس کہ مظہر عین خدا باشد　　آں جا عین شین خدا باشد
آجاں بار در رحمتہ اللہ
آں جا ساقی رسول اللہ　　آں جا روئے نوشین اللہ
آں جا ہمہ اللہ باشد نہ غیر اللہ

کلام سے ایک اور مثال ۔
باجن یہ وہ روپ نہ ہوئے جو کوئی بکھانے
بکھانے آپ کو جیوں سب کوئی جانے
آں نہ ولیست کہ من وصف جمالش دانم
ایں حدیث از دگراں پرس کہ من حیرانم
باش تا جاں برود در سر آں یار لطیف
کہ بکارے بہ ازیں کار نیاید جانم [1]

شیخ عبداللطیف
صاحب مبارق الازھار
وفات ۹۱۵ھ / ۱۵۰۹ء

مبارق الازھار فی شرح مشارق الانوار ۔ اس کے مصنف عبداللطیف بن

---

[1] مقالات شیرانی صہ۲ ۔

عبدالعزیز المشہور بہ ابن الملک ہیں۔ احمد آباد کے باشندے تھے، حدیث کے ماہر اور دینیات کے عالم تھے۔ مشارق کی شرح عربی میں ہے، حاشیہ میں حدیثوں کی تعداد ہندسوں میں لکھی ہے۔ احمد آباد کے قاضی محمد صالح ابن شیخ نورالدین نے اس پر فارسی میں حاشیہ لکھا ہے اس کا ایک نسخہ قاضی نورالدین صاحب بھروچ کے کتب خانہ میں بھی تھا۔

مصنف کا سن وفات ۹۱۵ھ/ ۱۵۰۹ء ہے۔

مرآۃ احمدی کے مصنف نے خاتمہ میں ایک محمودی امیر ملک عبداللطیف محمودی داورالملک مشہور بہ شاہ داول کا جن کے والد کا نام محمود (ملک محمود) تھا ذکر کیا ہے۔ وہ صوفی منش ایک امیر تھے جو ایک سپاہی سے ترقی کرتے کرتے محمود بیگڑہ کے امرا میں شامل ہو گئے تھے۔ ۹۰۷ھ میں ایک دشمن کے ہاتھ شہید ہو گئے۔ قصبہ آمرون میں ان کا مزار ہے۔

امیر ملک عبداللطیف شاہ عالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔

قاضی نورالدین صاحب نے معارف ج ۴۲ ص۵۹ میں اس کتاب کے زیر عنوان مصنف کا نام عبداللطیف بن عبدالملک المعروف بہ داورالملک متوفی ۹۱۵ھ امیر کبیر سلطان محمود بیگڑہ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اس نام کے تین بزرگ ہیں ایک تو وہی ملک عبداللطیف داورالملک بن ملک محمود اور دوسرے عبداللطیف بن عبدالملک، جو عالم فاضل تھے۔ اور تیسرے عبداللطیف بن عبدالعزیز المعروف بہ ابن الملک۔ جو فن حدیث کے بڑے ماہر تھے۔ مشارق الانوار کے شارح یہی بزرگ ہیں۔ [1]

---

[1] گجرات کے تمدنی کارنامے ص۲۳۔

قاضی جگن حنفی

م سنہ ۹۲۰ھ مطابق سنہ ۱۵۱۴ع

قاضی جگن گجرات کے بہت بڑے عالم تھے مگر ان کا نام ونسب تک معلوم نہیں۔ فاضل چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ قاضی جگن گجرات کے قصبہ کن میں رہتے تھے حیف ہے کہ ایک شخص قسطنطنیہ میں بیٹھ کر یہ بتائے کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے اور خود گجرات والے اتنا بھی نہ جانتے ہوں۔ فقہ حنفی میں انکی کتاب "خزانۃ الروایات" بہت مشہور کتاب ہے مگر علمائے احناف اس کی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے۔ تقریباً ۹۲۰ھ میں انہوں نے رحلت فرمائی۔

خزانۃ الروایات[1]

یہ کتاب جگن الہندی گجراتی (م ۹۲۰ھ - ۱۵۱۴ء) نے مرتب کی ہے۔ حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب حنفی فقہ کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے اور مرتب نے ان کتابوں کا اکثر حوالہ دیا ہے۔ اسکی ترتیب بھی اس قسم کی دوسری کتابوں جیسی ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔

مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ فقہ کے مطالعے اور دینی مسائل کی تحقیق سے ان کو تمام عمر گہری دلچسپی رہی اور اس کے نتائج کو انہوں نے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔

---

[1] انڈیا آفس، ۱۶۰۳-۴، آصفیہ ۲/۱۰۸۴، بنگال ۲/۲۵۲۔

کتاب العلم میں انہوں نے علم اور علماء کی فضیلت بیان کی ہے، وہ خود حنفی تھے اس لئے امام ابو حنیفہ رح کے اوصاف و فضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے۔ انہوں نے فتاویٰ اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے اور اصولِ فتاویٰ کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شرط اولین یہ ہے کہ فتاویٰ قرآن اور حدیث سے اخذ کردہ قطعی دلائل پر مبنی ہوں۔ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر فتاویٰ امام ابو حنیفہ رح کے فیصلوں اور اس کے بعد امام ابو یوسف اور امام محمد کے فیصلوں کے مطابق ہوں اگر امام ابو حنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کی ّ ا میں اختلاف ہو تو پھر مفتی کو یہ اختیار ہے کہ وہ جو رائے چاہے وہ پسند کرے لیکن اگر کسی شاگرد کی رائے استاذ کی رائے کے مطابق ہو تو پھر انکی رائے کو ترجیح دیجائے۔ سوا اس صورت کے کہ مستند فقہار نے استصلاح کے پیشِ نظر دونوں شاگردوں میں سے کسی ایک کی رائے کو قبول کیا ہو۔ اگر مفتی کو کوئی مستند حدیث مل جائے اور وہ اس کے اطلاق کے بارے میں مطمئن ہو تو پھر امام ابو حنیفہ کی رائے نظر انداز کردی جائے کیونکہ خود ان کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ اگر میری رائے مستند حدیث کے خلاف ہو تو اس کو نظر انداز کردو۔

التنانہ فی حرمۃ الخزانہ
خزانہ کے متعلق مولانا عبدالحی کی رائے

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے "النافع الکبیر" صد ۱۲ پر اس کتاب کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ غیر معتبر کتابوں سے ترتیب دی گئی ہے اور اس میں رطب و یابس کو جمع کر دیا گیا ہے۔ بعض گھڑی ہوئی احادیث بھی شامل ہیں، اسی ضعف کے سبب علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی نے اس کے تمام غیر معتبر و غیر مستند مواد کو خارج کرکے مفیدِ بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ کرکے "التنانہ فی حرمۃ الخزانہ" نام کی کتاب لکھی، یہ کتاب مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی کے

ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ لجنۃ احیاء الادب السندی کراچی سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی ہے ،

شاہ غزنیؒ

م ۲۰ رصفر ۹۲۰ھ مطابق ۱۴ راپریل ۱۵۱۴ء

آپ کی شخصیت مظاہر قدرت عجیبہ میں سے ایک تھی ۔ کہ چوروں ، ڈاکوؤں کے سرداروں میں کسی زمانے میں آپ کا شمار ہوتا تھا ۔ اسی اثنا میں حضرت شاہ عالمؒ کے ایک ارادت مند کے یہاں آپ کے گروہ نے چوری کی ۔ صبح شاہ عالم سے جب اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو مسکراتے ہوئے حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ اس گروہ کا سردار جلد ہی تائب ہو کر آئے گا ۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد اس کی تصدیق ہوئی اور آپ حضرت شاہ عالم کے ارادت مندوں میں داخل ہو گئے ۔ اور خانقاہ کی صفائی وغیرہ کا کام اپنے ذمہ لیا ۔ اور باحسنِ خوبی اس کو انجام دیتے رہے ۔ اس خدمت کے صلے میں اس قدر مجاہدہ کی توفیق مقدر ہوئی کہ حقائق و معارف کی واقفیت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے ۔

۲۰ رصفر ۹۲۰ھ کو انتقال ہوا اور احمد آباد کے دروازہ رائے گڑھ کے قریب دفن کئے گئے ۔ [1]

---

[1] اکابرین گجرات ص ۵۵۲ ۔

شیخ بہاؤالدین انصاری جنیدی

م ۹۲۱ھ / ۱۵۱۵ء

شیخ بہارالدین ابن ابراہیم بن عطاء اللہ انصاری شطاری جنیدی مولد و منشار شہر جنید۔ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ تمام علوم کو حاصل کیا پھر کئی مشائخ کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ سفر حج میں حرم میں شیخ احمد شریف شافعی جیلانی سے بیعت کی۔ واپس وطن تشریف لائے تو سلطان غیاث الدین حکمراں مالوہ کی حکومت تھی۔ شہر مندو میں اقامت فرما ہوئے اور کچھ عرصہ بعد احمدآباد تشریف لے گئے۔
اذکار و اشغال میں آپ کا ایک رسالہ ہے جسے شیخ ابراہیم بن معین ایرجی نے قلمبند فرمایا ۹۲۱ھ میں دولت آباد میں آسودۂ لحد ہوئے۔ [۱]

حضرت سید یحییٰ حسینی

م ریکم محرم ۹۲۲ھ مطابق ۴ر فروری ۱۵۱۶ء

حضرت غیاث الدین ثانی قادری کے خلفاء میں سے تھے۔ اور جذب کے غلبہ کے باوجود نہایت صبر و تحمل کے ساتھ مریدان باصفا کی رشد و ہدایت تعلیم و تلقین کے فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ اور یکم محرم ۹۲۲ھ کو عالم جاودانی کی طرف کوچ فرماکر احمدآباد میں آسودۂ لحد ہوئے۔ [۲]

---

[۱] نزھۃ الخواطر صفحہ ج۴ ص۱۰۶ [۲] اکابرین گجرات ص۵۵

ابوالقاسم بن احمد المعروف بہ ابن فہد
(م ۹۲۵ھ)

محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن فہد الشرف محمد بن محب ابوبکر بن نقی ہاشمی مکی شافعی جو اپنے بزرگوں کی طرح ابن فہد سے معروف تھے۔
آپ کی ولادت ۸۴۷ھ ۱۲ ربیع الاول سینچر کی رات عشاء کے وقت ہوئی تھی، آپ نے قاہرہ اور دمشق کا سفر کیا تھا وہاں سے اجازت اور روایت حدیث کی اجازت لے کر لوٹے اور ہندوستان کا سفر کیا ان کے ساتھ فتح الباری کا نسخہ تھا جو ان کے والد اور ان کے چچا کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، یہاں کے بادشاہ کی خدمت میں اس کو پیش کیا۔ اور سلطان محمود شاہ بیگڑا کے انتقال کے بعد منڈو چلے گئے۔ اور آپ نے منڈو میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر اسی سے متجاوز تھی ۹۲۵ھ میں آپکا انتقال ہوا۔

محمد بن محمد مصری مالکی معروف بہ ابن سعید
(م ۹۲۹ھ)

آپ اپنے وطن مصر میں ۸۵۶ھ ۶ رشعبان المکرم کو پیدا ہوئے۔ آپکی والدہ اُم ولد تھیں۔ اپنے والد کے سایہ عاطفت میں تربیت پائی۔ قرآن حفظ کیا اور کافیہ اور شروح کافیہ پڑھیں، الفیۃ النحو پڑھی۔ باپ کے انتقال کے بعد ان سے بہت کچھ میراث میں پایا تھا۔ مگر جلد ہی سارا اِدھر اُدھر خرچ کر کے جب تنگدست ہو گئے تو مصر کی طرف چلے گئے وہاں سے مکہ مکرمہ گئے۔ اور علامہ

حافظ شمس الدین سخاوی سے مؤطا پڑھی اور انہی سے مسند امام شافعی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، پڑھیں۔ اسی طرح ان سے ان کی شرح الفیہ پڑھی۔ اور اس کے علاوہ دوسری تصانیف ان سے حاصل کیں، اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر ان سے استفادہ کرتے رہے۔ اسی لئے علامہ سخاوی نے ان کا اپنی تاریخ میں بڑے شاندار الفاظ سے تذکرہ کیا ہے کہ وکان صاحب ذکاء و فضیلۃ فی الجملۃ واستحقار وتشدق فی الکلام مگر انہوں نے آپ پر تنقید کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ وکانت سیرتہ غیر مرضیۃ۔

اس کے بعد وہ یمن چلے گئے۔ زبید پہنچے۔ وہاں درس حدیث دیتے رہے۔ وہاں سے ہندوستان کا سفر کیا، اور بندر کھنبایت اترے وہاں کا حاکم آپ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کی بڑی آؤ بھگت کی۔

ابن فہد آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ صاحب ترجمہ ہندوستان میں رہے۔ ہندوستان (گجرات) کے بادشاہ محمود شاہ کے مقربین خاص میں سے تھے۔ جس نے آپ کو ملک المحدثین کا لقب دیا تھا۔ اس علاقہ میں سب سے پہلے آپ کو یہ لقب دیا گیا۔ اس لئے اکابر علماء آپ کے مطیع و منقاد ہوئے اور آپ کا مکان طلباء کے لئے ماوی و منزل بن گیا۔ اہل حکومت سے روابط کی بنیاد پر حرمین والوں کو عطایا برابر بھیجتے رہے۔ اور سلطان محمود شاہ کی حیات تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اگرچہ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے سلطان مظفر شاہ کے دور میں یہ بات نہیں رہی کہ بعض وزراء کے حسد کی بناء پر یہ وظائف آپ سے واپس لے لئے گئے مگر پھر بھی انتقال تک برابر دینی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی آپ کے انتقال پر آپ کے متبنّٰی لڑکے اور بیوی نے آپ کا ورثہ پایا آپکی صاحبزادی جو قاہرہ میں تھی اسکو میراث میں سے کچھ نہ مل سکا۔[1]

[1] النور السافر صد ۹۶۔

مقالات عرشی میں ہے کہ !

آپ ابن سوید نام سے مشہور ہیں۔ محدث سخاوی کے شاگرد تھے اور اُن سے موطا مسند شافعی، سنن ترمذی، اور سنن ابن ماجہ حدیث میں، اور خود امام سخاوی کی شرح الفیہ اصول حدیث میں پڑھکر مصر سے یمن چلے گئے تھے اور وہاں درس حدیث دیتے تھے۔ اس کے بعد یمن سے کھنبایت آئے اور پھر گجرات پہنچکر سلطان محمود بیگڑہ کے دربار سے منسلک ہوگئے۔ بیگڑہ نے انہیں "ملک المحدثین" کا خطاب دیا تھا۔ انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اسی فن شریف کی تدریس میں گذارا۔ اور ۹۲۹ھ میں احمد آباد میں انتقال کر گئے۔

ظفر الوالہ میں ابن سوید کے متعلق لکھا ہے کہ !

۹۲۹ھ میں ملک المحدثین محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن بن حسن جلال الدین مصری مالکی۔ انتقال کر گئے۔ اپنے اسلاف کی طرح وہ بھی ابن سوید کے لقب سے معروف تھے، آپ کا انتقال گجرات میں احمد آباد میں ہوا۔ آپ کی ولادت ۸۵۲ھ ۱۲ رشعبان کو ہوئی تھی۔ علامہ سخاوی رح فرماتے ہیں کہ ان کے متعلق اتنا معلوم ہوا کہ وہ یمن پہنچے زبیلع میں درس دیتے رہے حدیث پڑھاتے رہے پھر وہاں سے کھمبایت چلے گئے۔ ابن فہد کہتے ہیں کہ سلطان محمود شاہ کے مقربین میں سے بن گئے۔ سلطان محمود شاہ نے آپ کو ملک المحدثین کا لقب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا پایہ حدیث میں کتنا بلند تھا۔ اور یہ سب سے پہلا لقب ہے جو آپ کو دیا گیا۔ ابن فہد کہتے ہیں کہ میں نے ان کی چالیس حدیثیں جو الگ الگ بیس مشایخ سے مروی ہیں کو جمع کیا ہے اور میں نے ان کا نام رکھا ہے "الفتح المبین"، ان احادیث کی سند بڑی عالی ہے۔ سلطان محمود کے انتقال تک وہ اس منصب پر فائز رہے اس کے بعد ان کے صاحبزادے سلطان مظفر شاہ حاکم بنے[2]۔

[1] مقالات عرشی ص۔ [2] ظفر الوالہ ص ۱۱

شیخ محمد بن بحرق حضرمی

(م / ۹۳۰ھ)

شیخ جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک بن عبداللہ بن علی حمیری حضرمی شافعی مشہور بہ بحرق یکے از علمائے محققین و فضلائے راسخین ۔ آپ ۸۶۹ھ / ۱۴۶۴ء میں پیدا ہوئے آپ نے قرآن مجید حفظ کیا، اور رسائقہ الحاوی، منظومۃ البرماری اور الفیۃ النحو حفظ کر لی۔ [1]

"حضرموت" کی ایک جماعت فقہاء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ پھر یہاں سے آپ عدن چلے گئے اور امام عبداللہ بن احمد مخرم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا موصوف سے فقہ اصول اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ نیز الفیہ ابن مالک سیرۃ ابن ہشام بھی ان سے پڑھی۔ امام عبداللہ کے علاوہ شیخ محمد بن احمد ابا فضل سے استفادہ کیا۔ پھر آپ زبید تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے علوم میں تعمق پیدا کیا۔ چنانچہ زبید میں زین الدین محمد بن عبداللطیف شرجی سے علم حدیث حاصل کیا اور شیخ جمال الدین محمد بن ابی بکر الصائغ سے علم اصول تفسیر، نحو وغیرہ حاصل کئے سید شریف حسین بن عبدالرحمن الاھدل کی خدمت میں رہ کر خرقہ پہنا۔ نیز شیخ ابوبکر العیدروس کی صحبت میں بھی رہے۔ پھر جب ۸۹۴ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں حافظ شمس الدین سخاوی سے سلوک و تصوف کی منزلیں طے کیں۔ [2]

اوصاف و کمالات:۔ خداوند قدوس نے آپ کو بڑے محاسن سے مالا مال کیا تھا۔ طلبہ پر احسان کرتے ضرورت مندوں پر خرچ کرتے، مقام شحر

[1] النور السافر [2] ایضاً

میں منصب قضاء پر فائز ہوئے مگر پھر آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ پھر عدن پہنچے۔
یہاں کے امیر مرجان نے آپ کے کمالات کو دیکھ کر آپ کو مقرب بنالیا مرجان
کا جب انتقال ہوا تو آپ نے ہندوستان کا رخ کیا تو گجرات میں سلطان محمود بیگڑہ
نے بھی آپ کے محاسن کی بنا پر عظمت بخشی۔ [1]
آپ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جب زبید میں چلّہ کشی
کی تو ابھی چلّہ پورا نہیں ہوا تھا کہ ہر عضو سے اللہ اللہ کی آواز آنے لگی۔
سلطان محمود کا بہت قرب حاصل تھا جس کی وجہ سے بعض وزراء کو آپ سے
حسد ہوا، انہوں نے آپ کو زہر پلا دیا چنانچہ اس سے آپ نے شہادت پائی۔
تاریخ شہادت ۹۳۰ھ ہے۔
شیخ بحرق حضرمی کی عظمت کا یہ حال ہے کہ سخاوی جیسے ثقہ محدث بھی اپنے
اس شاگرد کی تعریف کرتے ہیں اور العیدروس انہیں علماء حضرموت میں سب سے
ممتاز اور بہتر قرار دیتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ شیخ الحضرمی اللہ کی آیات میں سے
ایک آیت تھے۔ ان کی کتابیں ان کے تبحر علمی اور کثرت مطالعہ پر دلالت کرتی
ہیں اور وہ تحقیق، جودتِ فکر اور باریک بینی میں بلندیوں پر پہنچے ہوئے تھے۔
مولانا شیخ جمال الدین بحرق الحضرمی نے تاریخ، سیرِ نبوی، عقائد، علم الکلام
فقہ، ادب، موسیقی، نحو، لغت، تفسیر، اور حدیث کے مختلف موضوعات پر
کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ ایک عمدہ ادیب اور نثر نگار تھے۔ شیخ
عیدروس کی طرف سے انہوں نے والیٔ یمن عامر بن عبدالوہاب کو جو رسائل لکھے
تھے وہ اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ایک فصیح اللسان اور
قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ اور آپ کے قصائد کتب تراجم میں پائے جاتے
ہیں۔

[1] النور السافر۔ نزہۃ الخواطر اردو ۲۶۶/۴۔

تاریخ ادبیات عربی میں آپ کی علمی خدمات ذکر کی گئی ہیں لکھا ہے کہ ! شیخ بحرق حضرمی کی جو نظم و نثر دستیاب ہے اس سے آپ کے علمی مرتبہ کا یقین مشکل نہیں آپ دیگر ہندی علماء کے برعکس اہلِ زبان تھے۔ لغت، ادب، نحو اور بلاغت پر کامل عبور تھا۔ اور تمام عمر ان موضوعات پر لکھنے پڑھانے صرف کی تھی۔ اس لئے ان کا اسلوبِ نظم و نثر دلکش اور سلیس ہے۔ گو انہوں نے کہیں کہیں اپنے عہد کے پرتکلف اسلوب قافیہ و سجع کو بھی اپنایا ہے مگر اس میں تصنع اور بناوٹ کا عنصر نہیں ہے ان کے منتشر اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عربی شاعری کے مروجہ اصناف میں سے اکثر پر طبع آزمائی کی ہے، مدح، ہجو، غزل اور دیگر اصناف کے نمونے انکے ہاں پائے جاتے ہیں۔ ایک موقع پر کہتے ہیں۔

أظَنَنتَ أنّ الشعر یصعب صوغه   عِندِی وقد اضحیٰ لدیّ مذللاً

ابدی العجائب اَن برزت مفاخرًا   او مادحًا للقوم او متغزلاً

ترجمہ : (۱) کیا تیرا خیال یہ ہے کہ شعر کا ڈھالنا میرے لئے مشکل ہے حالانکہ وہ تو میرا مطیع و فرماں بردار ہو چکا ہے۔

(۲) میں جب فخر کرنے لگوں، یا کسی کی مدح کر دوں یا حدیث حسن و عشق کی ترجمانی کے لئے غزل کہوں تو بڑے عجائب کا اظہار کرتا ہوں !

شیخ بحرق کے کمالِ علم اور ذہانت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ گجرات آنے کے بعد ایک سال کے مختصر عرصے کے دوران نہ صرف یہ کہ انہوں نے سیرتِ نبوی ؐ پر ایک عمدہ کتاب لکھ کر اپنی قابلیت کا سکہ منوایا بلکہ بادشاہ کی نظروں میں وہ مقام بھی حاصل کر لیا جس پر وزراء گجرات کو بھی حسد آنے لگا اور ان کی جان لے کر چھوڑی۔ [1]

---

[1] النور السافر ص۱۴۲ ص۱۴۶ ص۱۴۹ بحوالہ تاریخ ادبیات ص۲/۲۰۱۔

شیخ الحضرمی ایک بسیار نویس مصنف تھے اور چھوٹے رسائل سے لے کر بڑی علمی تصانیف ان کی یادگار رہیں۔ شیخ کے مختصر رسائل میں سے ایک رسالہ فی اثبات رسالۃ ہارون علیہ السلام وکفر فرعون، لکھی ہے جس میں انہوں نے دو اہم سوالات یعنی حضرت ہارون کی رسالت اور فرعون کا کفر کی حالت میں مرنا کے جوابا دئیے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ بعض خود ساختہ علماء کا دعویٰ ہے کہ حضرت ہارون کو رسالت کا مرتبہ حاصل نہ تھا، اسی طرح بعض متصوفین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ کا مد مقابل فرعون ایمان لاکر مرا لیکن یہ قرآن کریم کی آیات سے لاعلمی یا بعض آیات سے صَرفِ نظر کا نتیجہ ہے، ورنہ خود آیاتِ قرآنی سے یہ صراحۃً ثابت ہے کہ حضرت ہارونؑ کو رسالت کا مرتبہ حاصل تھا اور یہ کہ فرعون کفر کی حالت میں مرا تھا۔ شیخ کے الفاظ ہیں۔

اعلم ان القرآن کلہ کسورۃ واحدۃ یصدق بعضہ بعضًا وتفسّر الاٰیۃ من الاٰیۃ الاُخریٰ فمن استدل بمفہوم اٰیۃ معارضًا بہ صریح اٰیۃ اخریٰ فقد امن ببعضہ وکفر ببعضہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلك سبیلًا اُولئك ھم الکافرون حقا۔ فلا بد من الجمع بین اٰیاتہ ورد متشابہاتہ الی محکماتہ کل من عند ربنا۔

سن لے کہ سارے کا سارا قرآن ایک سورت کی مانند ہے جس کے بعض حصے دوسرے حصوں کی تصدیق و تفسیر کرتے ہیں۔ پس جس نے ایک آیت کے مفہوم سے استدلال کرتے ہوئے دوسری آیت کی مخالفت کی تو وہ گویا بعض آیات پر ایمان لایا اور بعض سے کفر کیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے اور بعض سے کفر کیا اور وہ چاہتے یہ ہیں کہ ایک بین بین راستہ اختیار کریں، یہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں۔ بس ضروری ہے کہ تمام آیات قرآنی پر

مجموعی نظر ہو اور متشابہات کو محکمات کے حوالے سے سمجھا جائے کیونکہ سب آیات ہمارے پروردگار کا کلام ہے ؛)

شیخ بحرق الحضرمی کی تصانیف میں سے یہ قابلِ ذکر ہیں ۔

۱۔ تبصرۃ الحضرۃ الشاہیۃ الاحمدیۃ بسیرۃ الحضرۃ النبویۃ الاحمدیۃ۔
سیرتِ نبوی ؐ کے موضوع پر یہی وہ نادر کتاب ہے جو انہوں نے احمد المظفر بن محمود گجراتی کے لئے تصنیف کی تھی ۔ شیخ بحرق الحضرمی کی یہ کتاب سیرتِ نبوی کے موضوع پر متقدمین کی کتب سیرت کا ملخص اور نچوڑ ہے ۔ مصنف نے چونکہ یہ کتاب احمد شاہ گجراتی کے لئے لکھی اور اسی کے نام سے معنون ہے اس لئے قدرتی طور پر انہوں نے بادشاہ کو سیرتِ رسول ؐ پر عمل کرکے اسم بامسمیٰ بننے کی تلقین بھی کی ہے ۔

۲۔ الاسرار النبویۃ فی اختصار الاذکار النبویۃ ، مختصر الترغیب والترھیب للمنذری ۔ جو امام ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی المنذری الشافعی (م ۔ ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) کی کتاب "الترغیب والترھیب" کا خلاصہ ہے ۔

۳۔ الحدیقۃ الانیقۃ فی شرح العروۃ الوثیقہ ۔ (یہ ان کے اپنے ایک قصیدے کی شرح ہے جس میں انہوں نے شریعت و حقیقت کے درمیان موافقت و تطبیق میں کمال کر دیا ہے ۔)

۴۔ عقد الدرر فی الایمان بالقضاء والقدر ۔ (جو مسئلہ قضا و قدر کے موضوع پر ہے ۔)

۵۔ العقد الثمین فی ابطال القول بالتقبیح والتحسین ۔

۶۔ الحسام المسلول علی مبغضی (منتقصی) الرسول ؐ (اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ؐ سے نفرت کرنے والا مرتد ہے ۔)

۷۔ العقیدۃ الشافعیۃ۔

۸۔ مختصر المقاصد الحسنۃ۔

۹۔ حلیۃ البنات۔

۱۰۔ ذخیرۃ الاخوان۔

۱۱۔ النبذۃ المنتخبۃ۔ من کتاب الاوائل للعسکری۔ (ابو ہلال العسلوی کی کتاب الاوائل کا خلاصہ ہے۔)۔

۱۲۔ ترتیب السلوک الی ملک الملوک۔

۱۳۔ متعۃ الاسماع باحکام السماع (موسیقی کی شرعی حیثیت کے بارے میں)۔

۱۴۔ السماع۔

۱۵۔ مواہب القدوس۔

۱۶۔ شرح الملحۃ للحریری۔

۱۷۔ شرح لامیۃ ابن مالک مختصر شرح الصفدی علی لامیۃ العجم۔

۱۸۔ رسالۃ فی الفلاح۔

۱۹۔ ارجوزۃ فی الطلب۔

۲۰۔ فتح الرؤف فی معانی الحروف۔

۲۱۔ مختصر الترغیب والترہیب

۲۲۔ الحواشی المفیدۃ علی ابیات الیافعی فی العقیدۃ۔ (۲۳) رسالہ فی الحساب۔

ان کے علاوہ بھی تصانیف ہیں جن کا ذکر حضرمی نے النور السافر میں کیا ہے۔[1]

صاحب النور السافر صـ۱۲۲ پر فرماتے ہیں کہ آپ بڑے زبردست امام النحو، امام اللغۃ اور امام الادب، بلکہ تمام فنون کے ماہر تھے علماء راسخین فی العلم میں سے

---

[1] نزہۃ الخواطر صـ۲۰۶ ج۴ یادِ ایام۔ اکابرین گجرات صـ۵۵۹۔ النور السافر صـ۱۹۱۔ تاریخ ادبیات صـ۲۰۳ ج۴

تھے اور تمام علوم میں تبحر حاصل تھا۔ نظم و نثر دونوں پر کامل قدرت تھی۔
آپ نے مختلف فنون میں تصانیف فرمائیں جیسا کہ حدیث، تصوف، نحو، صرف حساب، طب، ادب اور فلکیات وغیرہ۔
صاحب النور السافر فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرموت کے علما میں سے آپ سے بہتر لکھنے والا نہیں دیکھا۔ آپ کے اشعار بھی بہت عمدہ ہوتے تھے منجملہ ان کے یہ ہے۔

لَوکُنتُ مُفتَخِرًا بِنَظمِ قَصِیدَۃٍ　　لَبَنَیتُ فِی ھَامِ الْمَجَرَّۃِ مَنزِلًا
مِن کُلِّ قَافِیَۃٍ تَرُوقُ سِمَاعُھَا　　وَتُعِیدُ سَحبَانَ فَصَاحَۃً بَاقِلًا
وَیُرِیْ لَبِیدُ فِیھَا بَلِیدَ قَلْبِہٖ　　حَسْرًا وَیَنقَلِبُ الفَرَزْدَقُ اَخطَلًا
اَظَنَنتَ اَنَّ الشِّعرَ یَصعَبُ صَوْغُہٗ　　عِندِی وَقَد اَضحَی لَدَیَّ مُذَلَّلًا
اَبَدًا العُجَابَ اِذَا بَرَزتُ مُفَاخِرًا　　اَوْمَادِحًا لِلقَومِ اَوْ مُتَغَزِّلًا

اور یہ بھی آپ کا شعر ہے۔

وَلَولَا الشِّعرُ بِالعُلَمَاءِ یُزْرِیْ　　لَکُنتُ الیَومَ اَشعَرَ مِن لَبِیدٖ

غرض صاحب النور السافر نے آپ کو آیۃ من آیات اللہ لکھا ہے۔ اور آپکی تصانیف آپ کے کثرت اطلاع اور غزارتِ علمیہ پر دلالت کرتی ہیں اور آپ بڑے زبردست محقق و مدقق تھے۔

حضرمی نے النور السافر میں آپ کی طالب علمی کا مفصل حال اس طرح لکھا ہے کہ آپ نے حضرموت میں پرورش پائی اور قرآن کریم حفظ کیا۔ آپ نے الفیۃ النحو اصل میں منظومۃ البرماوی اور الحاوی کا اکثر حصہ حفظ کیا۔ حضرموت کے جن فقہاء سے علم حاصل کیا ان حضرات مشائخ میں فقیہ محمد بن احمد باجرفی وغیرہ شامل ہیں۔
پھر آپ نے حضرموت سے عدن کی طرف سفر کیا اور عبداللہ بن احمد مخرم

کی صحبت میں رہے، ان سے فقہ واصولِ فقہ اور نحو حاصل کیا یہاں تک کہ ابتدائی علوم میں اکثر حصہ آپ نے انہیں سے پڑھا۔ نیز ان سے الفیہ بن المالک سیرت ابن ہشام ساری پڑھی اور فقہ میں حاوی صغیر کا خاصہ حصہ ان سے پڑھا اور ان سے علوم مختلفہ حاصل کئے۔ اسی طرح آپ نے فقیہ صالح محمد بن احمد بافضل سے علم حاصل کیا، اس کے بعد آپ زبید پہنچے وہاں کے علماء سے پڑھتے رہے اور علم حدیث زین الدین محمد بن عبداللطیف شرجی سے پڑھا اور علم اصول فقہ جمال الدین محمد بن ابی بکر الصائغ سے پڑھا نیز ان سے تفسیر و حدیث اور نحو بھی پڑھی اُن سے شرح باجہ وردیہ، جو ابوزرعہ کی ہے بھی پڑھی۔ اسی طرح سید حسین بن عبدالرحمن اہدل سے آپ نے باطنی علوم حاصل کئے اور انہوں نے آپ کو خرقۂ تصوف عطا کیا۔ اور شیخ ابوبکر عیدروس کی صحبت میں رہے ان سے فیض حاصل کرتے رہے اور رجب ۸۹۴ھ میں حج کو پہنچے تو وہاں حافظ شمس الدین سخاوی سے فیض یاب ہوئے اور تصوف میں بھی ان کے سلسلے سے وابستہ ہوئے خود آپ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے زبید میں چلہ کشی کی میں نے ابھی چالیس دن پورے نہیں کئے تھے کہ میں نے اپنے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔

آپ کی دینی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرمی لکھتے ہیں کہ۔ آپ نے علم و عمل دونوں کے لئے انتھک کوشش کی اور تعلیم و تدریس افتاء تصنیف کے ذریعے خلق کی نفع رسانی میں ہر وقت مشغول رہے۔ آپ کو نظم و نثر اور خطبول (تقریر) میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔

طلبہ کے ساتھ بہت زیادہ احسان کرنے والے، اھلِ خیر سے محبت کرنے والے تھے۔ انصاف سے متصف، بہت زیادہ رجوع الی الحق والے۔ سخی،

قوی النفس، افعالِ خیر پر مداومت کرنے والے تھے۔

جن دنوں شہر کی قضا آپ کو سونپی گئی تو آپ نے حق کو ببانگِ دہل کہا پھر کسی وجہ سے آپ نے اپنے کو اس سے الگ کر لیا اور عدن چلے گئے وہاں آپ کو قبولِ عظیم حاصل ہوا۔ وہاں کے امیر مرجان آپ کو بہت چاہنے لگے جب امیر مرجان کا انتقال ہو گیا تو آپ نے ہندوستان کا سفر کیا اور سلطان مظفر شاہ کے پاس پہنچے اور ان کے مقربین میں سے ہو گئے۔ سلطان مظفر شاہ آپ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے اور جیسے جیسے ان کو آپ کے علم و فضل پر اطلاع ہوتی گئی آپ کی تعظیم و تکریم ان کے یہاں اور بڑھتی چلی گئی۔

علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے حمزہ الناشری کی صاحبزادی سے نکاح کیا اور ان سے اولاد ہوئی۔ آپ نظم کے بہت زیادہ دلدادہ تھے اور آپ نے عامر بن عبدالوہاب کی مدح کی اس لئے کہ انہوں نے زبید میں مدارس کی تعمیر شروع کی تھی اور اس کی طرف خصوصی توجہ کی تھی۔

اسی طرح آپ نے شیخ احمد بن ابی بکر عیدروس اور شیخ ابو بکر بن عبد اللہ عیدروس کا مرثیہ کہا نیز آپ کا ایک عظیم قصیدہ ہے جس کا نام ہے

"العروۃ الوثیقۃ فی الجمع بین الشریعہ والحقیقۃ" بعد میں اس کی آپ نے شرح لکھی "الحدیقۃ الانیقۃ" جس پر خود صاحب النور السافر نے شرح لکھی "الحواشی الرشیقۃ علی العروۃ الوثیقۃ"

علامہ محمد بن عمر بحرق حضرمی فرماتے ہیں کہ آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ ہندوستان کے کسی وزیر کی مجلس میں آپ موجود تھے اس مجلس میں ایک جادوگر بھی تھا۔

اس دوران اچانک وہ جادوگر اُڑا اور معلق ہوا میں بیٹھ گیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا اور اس کے بعد اپنے جوتوں کو اشارہ کیا تو وہ فضا میں جا کر اس کی پٹائی کرنے لگے یہانتک کہ زمین پر واپس اپنی جگہ لوٹ آیا۔

آپ کے انتقال کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ کی موت زہر کے ذریعے واقع ہوئی کہ آپ کی بادشاہ نہایت تعظیم کرتا تھا، اس سے بعض وزراء نے حسد کیا اور یہ آپکی شہادت کا موجب بن گیا۔

آپ کا لقب بحرق تھا اس پر کسی نے یہ شعر کہا ہے۔

فانتَ بَحرٌ و قَافٌ مَالہ طَرَفٌ　　مُحَمَّدٌ اسیلتَ المَعروفَ مَوصوفًا

سَمِيُّ خَيرِ الانَامِ اَطْهَرَ مَن مَضیٰ　　يَهْنَاكَ يَهنأكَ هٰذا الفخرُ تشريفًا[1]

آپ کے شاگردوں میں سے حضرموت میں فقیہ محمد بن احمد باجرفیل ہیں۔

آپ کے مقاطیع اور رباعی بھی مشہور ہیں منجملہ ان کے!

اَنا فی سلوۃٍ علیٰ کلِّ حَالٍ!　　اِن اَباحَ الحبیبُ اَو اِن اَتَانی

اِغتنم الوصلَ اِن دَنانی اَمانی　　واذا ما نأیٰ اَعش من اَمانی[2]

---

[1] النورالسافر صفحہ ۱۳۳ [2] ظفرالوالہ صفحہ $\frac{118-119-120}{1}$ ۔

شیخ محمد بن خواجہ تاج الدین

(م ۹۳۱ھ / ۱۵۲۴ء)

علامہ محمد بن تاج الدین عمری حنفی ۔ یکے از محققین عصر و ائمہ عہد۔ آپ کا شمار مشہور علمار میں ہوتا تھا ۔ طریقت میں بھی ایسا عالی مرتبہ پایا تھا کہ اپنے جد بزرگوار حضرت فریدالدین گنج شکر رح کی یادگار شمار کئے جاتے تھے ۔

احمدآباد میں سلطان مظفر گجراتی کے مصاحب تھے انہوں نے آپ کو تاج العلمار کا خطاب دیا ۔

نہروالہ میں شیخ حسام الدین ملتانی کے مزار کے متصل ایک مدرسہ تھا جس میں آپ اور آپ کے والد مولانا تاج الدین درس دیتے تھے ۔ آپ کا شمار ممتاز اساتذہ میں ہوتا تھا ۔ آپ کثیر الدرس والافادہ تھے بے شمار علمار آپ سے مستفیض ہوئے ۔ ۹۳۱ھ میں آپ کی رحلت ہوئی احمدآباد میں آپ مدفون ہیں ۔ [1]

شیخ شرف الدین

(م ۱۰ ربیع الاول ۹۳۴ھ)

شیخ کبیر شرف الدین بن عبدالقدوس ۔ مشہور بہ شہباز مولد احمدآباد پانچ سال

---

[1] یادایام ، نزہتہ الخواطر اردو ص ۲۲۶ عربی ص ۲۵۰ ص ۲۹۱ ، گلزار ابرار ص ۲۳۳ ۔

کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ خاندیس پہونچے۔ آپ اس وقت مکتب میں پڑھتے تھے جوں جوں آپکی عمر بڑھتی گئی اسی قدر درسیات سے (رسمی علوم سے) دلچسپی زیادہ ہوتی گئی۔ وہاں کے اساتذہ سے علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کے بعد احمد آباد واپس لوٹ آئے۔

والد محترم کی رحلت کے بعد حاکم وقت نے آپ کو والد کے منصب پر فائز کرنا چاہا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اور یہاں پیر و مرشد کی تلاش شروع کی ان دنوں شیخ احمد کھٹو اور قطب زماں شاہ علی خطیب احمد آباد میں تھے۔ آپ نے چاہا کہ ان میں سے کسی ایک سے اپنے درد کی دوا طلب کریں۔ اس ششں و پنج میں تھے ایک رات خواب دیکھا کہ شاہ علی خطیب نے آپ کو اپنا مرید کر کے اور خرقہ خلافت پہنا کر فرمایا کہ جو خرقہ بے صحبت ہوتا ہے وہ بے پھل کا درخت ہوتا ہے۔

چنانچہ صبح کو سب کچھ چھوڑ کر پیر و مرشد کی خدمت میں چلے گئے اور ان سے معرفت میں استفادہ میں مصروف ہو گئے۔ چند سال بعد شیخ نے آپ کو خرقہ خلافت سے عنایت فرما کر برہانپور کی طرف جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

چنانچہ آپ برہانپور تشریف لے آئے۔ اور یہیں شادی کی۔ خواب میں شیخ نے دو بیٹوں کی خوشخبری دی تھی۔ لہٰذا آپ کے دو فرزند ہوئے۔ عبدالرحیم۔ عبدالکریم۔ آپ زاہد قانع اور متوکل تھے۔ دنیا والوں کے ہاں نہ جاتے۔ اور نہ ان کے مطبخ کا کھانا تناول فرماتے جب کوئی اہم کام پیش آتا تو جنگل کی طرف چلے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھ کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔ چھیاسٹھ سال تک آپ مسند مشیخت پر سرفراز رہے۔

آپ نے اپنے آخری سفر کی خبر اپنے دوستوں کو نو (۹) دن قبل دیدی تھی۔ آپ نے ۱۰ ربیع الاول ۹۲۴ھ کو دار جاودانی کی طرف سفر فرمایا۔ [۱]

---

[۱] گلزار ابرار ص ۱۵۲، نزہۃ الخواطر اردو ص ۱۵۰ ۲۲۵ عربی ص ۱۲۶ ج ۴ ص ۲۲۹۔

محمود

(م ۱۰ ربیع الثانی ۹۳۴ھ / یکم جنوری ۱۵۲۸ء)

محمود شمال سے دکن گئے تھے، وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے جنہوں نے اردو کے علاوہ، فارسی، افغانی اور پنجابی میں بھی شاعری کی تھی لیکن ان کی اصل شہرت اردو کلام کی وجہ سے تھی۔

محمود کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ شہباز کے مرید تھے۔

کہے شاہ شہباز محمود کوں!
قدم رکھ توں ہر فن میانے ثبوت؛
محمود کوں شہباز بولے صریح کھول
نن خصلتاں کوں چھوڑ جو پاوے وصال کولا

ایک "جھولنا" میں جو گجری کی ایک صنف ہے۔ شاہ شہباز کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

"تیرے نین سدا ہیں مست لالا میرے دلکوں مار بیہوش کیئے، میرے حال کوں دیکھ بے حال ہوئے لوگاں دیکھ کے مجھ خروش کیئے دیکھو پیر شہباز تک دیکھنے ہیں یاراں سب سگل مدہوش کیئے محمود دیکھ بنجا دل دل منیں تیرے جیوکوں پیوے نوش کیئے۔"

شاہ شہباز جن کا اصل نام ملک شرف الدین بن ملک عبدالقدوس تھا۔ شہر احمد آباد میں رہتے تھے اور شاہ علی خطیب (خلیفہ مخدوم قطب عالم بخاری) کے مرید تھے۔ احمد آباد کا حاکم آپ سے ناراض ہوگیا تو آپ

برہانپور چلے آئے اور بادشاہ خاندلیس عینا عادل خاں نے قلعہ اسیر کے قریب آپ کو رہنے کے لئے جگہ دی۔ انہوں نے ۱۰ ربیع الآخر ۹۳۴ھ/ ۱۵۲۸ء میں وفات پائی۔

؛مضامین حقائق ومعارف میں ارشادات ان کے بہت ہیں، پہلے دو شعروں میں محمود نے اپنے پیر کے ارشادات کا ذکر کیا ہے۔

؛سب رس، کے ایک قلمی نسخے کے ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہی کا سلسلہ بھی ایک داسطے سے پیر شہباز سے ملتا ہے۔ ترقیمے میں لکھا ہے کہ ؛مولانا وجہی چشتی کے پیر شاہ علی متقی کے پیر میاں شہباز ایں ہمہ چشتی گزراست؛ اس ترقیمے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بادشاہ علی متقی ملتانی (م ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء) اور محمود کم وبیش ہم عصر تھے اور ملّا وجہی سے ایک نسل پہلے تھے۔

محمود کا بیشتر کلام غزلوں پر مشتمل ہے لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے ؛جھولنا؛ مرثیہ، قصہ، کبت، اور دوہرے بھی لکھے ہیں۔ کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی سے اس کا گہرا تعلق ہے اور وہ فارسی اسلوب، مضامین رموز وکنایہ کو قادر الکلامی کے ساتھ اردو شاعری میں استعمال کر رہے ہیں۔[1]

---

[1] تاریخ ادبیات اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۔

مولانا شہیدی قمیؒ ملک الشعراء

(م ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۸ء)

شہیدی قمی شاعر معروف ہیں۔ آپ کو والئ تبریز یعقوب نے اپنے تقرب کا اعزاز بخش کر ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز فرمایا ایک طویل مدت انکے ساتھ گذارنے کے بعد ہندوستان آکر گجرات میں اقامت فرما ہوئے۔ یہاں برسوں رہے اور یہاں کے رؤساسے بیش بہا تحائف حاصل ہوئے۔

محمد بن قاسم لکھتے ہیں کہ جب اسماعیل عادل شاہ بیجاپوری نے ۹۲۷ھ میں ایک علاقہ فتح کیا جس میں اسے بے حساب مال غنیمت حاصل ہوئی۔ تو حضرت شہیدی بادشاہ ممدوح کے پاس آئے۔ بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ مولانا شہیدی جس قدر اشرفی اٹھا سکیں انکی نذر کردی جائیں۔

مولانا نے فرمایا، جب میں گجرات سے چلا تو مضبوط و توانا تھا۔ مگر سفر کی کلفت نے کمزور کر دیا ہے، بادشاہ نے فرمایا کہ آپ ایک مرتبہ کچھ لے جائیے اسکو پہنچانے کے بعد دوسری مرتبہ تشریف لائیے اور پھر لے جائیے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ ؛ دزنا خیر آفتہا است و طالب راز یاں دارد ؛

یہ کہنے کے بعد آپ خزانہ میں دو مرتبہ تشریف لے گئے اور اشرفی کی بوری دو مرتبہ اٹھائی جب انہیں الٹ کر گنا گیا تو پچیس ہزار تھیں بادشاہ نے ہنس کر فرمایا مولانا نے سچ فرمایا تھا کہ ان میں قوت نہیں ہے!!

زمانہ بر سر آزاد ما است خوئے تو دارد
اپنے تذکرے میں انہیں سزا است کے راکہ آرزدئے تو دارد ،
سام مرزا نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۹۲۵ھ میں ہوا مگر یہ صحیح نہیں۔ مُلاّ قاطعی نے لکھا ہے کہ آپ سرکھیج (احمد آباد) گجرات میں آسودۂ لحد ہوئے۔ [1]

حضرت سیّد عبدالوہابؒ بن سیّد غیاث الدین قادری

م ربیع الاول ۹۳۵ھ بمطابق نومبر، دسمبر ۱۵۲۸ء

سیرامتی ضلع احمد آباد آپ کی جائے ولادت ہے۔ آپ شیخ علم الدین حسینی کے نواسے ہیں آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بشارت دی کہ آپ کا بچہ ولی کامل ہوگا۔ والد ماجد سید غیاث الدین سے آپ نے تعلیم حاصل کی اور صرف پندرہ سولہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہرہ پر آپ نے عبور حاصل کرلیا اور والد ماجد کی کیمیا اثر صحبت سے باطنی علوم سے بھی بہرہ ور ہوئے۔

آپ نہایت حسین وجمیل تھے۔ ظاہری و باطنی حسن خلاق ازل نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ آپ کے چہرۂ انور کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۵۷ جزو ۴ ، دکنی ادب کی تاریخ ص ۲۹

والد صاحب کے انتقال کے وقت آپکی عمر پچیس سال تھی ۔ اس وقت احمدآباد منتقل ہو گئے اور سید یعقوب چشتی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو کر خلافت کے منصب تک پہنچے مرشد روحانی آپ پر اس قدر مہربان ہوئے کہ اپنی صاحبزادی کو آپ کے عقد نکاح میں دیا شاہ گجرات نے آپ کے لئے مسجد و خانقاہ تعمیر کرائی ۔ جہاں سے ہزاروں فیض یافتگان آپ کے فیوضِ روحانی سے سرشار ہوتے رہے ۔

بالآخر ماہ ربیع الاوّل ۹۲۵ھ میں آپ نے اس عالم سے کوچ فرمایا ۔ اور احمدآباد محلہ خانپورہ میں آسودۂ لحد ہیں ۔

قاضی محمود بن حامد بن محمد علوی ربانیؒ

(م ۱۳ ربیع الثانی ۹۴۱ھ بمطابق ۲۰ دسمبر ۱۵۳۴ء)

عارف باللہ قاضی محمود بن حامد بن محمد علوی بیرپوری۔ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نواسے حضرت حمزہ بن فاطمہ بنت حضرت علی رضؓ کی نسل سے ہیں اور آپ ننھیال کی طرف سے عباسی ہیں۔ اس لئے کہ قاضی محمود کی والدہ قاضی عبدالملک عباسی کی صاحبزادی ہیں جو معتصم بن ہارون خلیفہ عباسی کی نسل سے ہیں۔ قاضی محمود قاضی جامکڈھ کے نام سے مشہور تھے، اور آپ کے والد قاضی جاملندہ کے نام سے مشہور تھے، آپ نے یا اپنے والد محترم سے علم حاصل کیا، یا قاضی حماد سے علم حاصل کیا اور یہ دونوں شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کے شاگرد ہیں۔ یا شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کے شاگرد شیخ عبداللطیف بن جمیل نہروالی کے آپ شاگرد ہیں۔

سلسلہ تصوف میں آپ کو متعدد طرق کی اجازت حاصل تھی۔ ان میں سے بعض سید احمد کبیر رفاعی تک پہنچتے ہیں اور بعض شیخ شہاب الدین عمر سہروردی تک پہنچتے ہیں۔

آپ خود بھی کبار مشائخ میں سے تھے۔ بڑی مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی آپکے کشوف وکرامات کا بڑا تذکرہ تھا۔ اور آپ کے حلقۂ ارادت میں آپ کے عجائب وغرائب مشہور تھے۔

۹۲۰ھ میں آپ احمد آباد سے بیرپور کی طرف منتقل ہو گئے جو احمد آباد کے قریبی دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے۔ وہاں مخلوق سے تنہائی میں

رہنے لگے، ۱۴ ربیع الثانی ۹۴۱ھ کو وہیں پر آپ نے انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۶ برس تھی۔

شیرانی صاحب لکھتے ہیں: قاضی محمود بیرپور کے باشندے تھے۔ خرقہ انہیں اپنے والد سے ملا تھا، ایک عرصے تک احمدآباد میں رہے ۹۲۰ھ میں بقول مرآۃ احمدی وہ اپنے وطن بیرپور لوٹ گئے جہاں ۹۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ لیکن مجمع الاولیاء اور خزینۃ الاصفیاء میں انکی تاریخ وفات ۹۲۰ھ ہے۔

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے کہ آپ نے ۶۷ برس کی عمر پائی ۱۴ ربیع الثانی ۹۴۱ھ میں انتقال کیا۔ آخری گھڑی اشعار سن رہے تھے کہ زمین پر سر رکھدیا اور سجدہ ہی میں جاں بحق ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ کی قبر قصبۂ بیرپور میں ہے۔ [1]

قاضی محمود دریائی کی آخری عمر کا حال خاتمہ مرآۃ احمدی میں اس طرح لکھا ہے کہ: کہتے ہیں کہ عماد الملک جو گجرات کے امراء میں سے تھے قاضی صاحب کے ارادت مندوں میں سے ایک دفعہ سخت خطرناک مرض میں مبتلا ہوئے اپنے پیر کی خدمت میں احوال عرض کئے قاضی صاحب نے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں ان کے لئے دعائیں کیں جواب ملا کہ انکی عمر ختم ہوچکی ہے اس مرض سے وہ جانبر نہیں ہونگے، قاضی صاحب نے الحاح و اصرار کیا الہام ہوا کہ بارہ سال آپکی عمر میں سے باقی ہیں اگر انہیں وہ دیں تو اتنی دیر وہ زندہ رہ سکے گا۔ قاضی صاحب نے قبول کرلیا سنکر مریدین و متعلقین آہ و زاری کرنے لگے کہ آپ کی عمر شریف تو سب کے لئے باعث برکت ہے سارا عالم آپ سے فیضیاب ہورہا ہے ایسا نہ کریں فرمایا جو میں قبول کرچکا ہوں اس کو دوبارہ رد نہیں کرسکتا۔ چنانچہ

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۱۲۲۔ مقالات شیرانی ص۱۔

آپکی عمر میں سے بارہ سال عماد الملک کو دیدئے گئے۔ اور نئے سرے سے عماد الملک نے زندگی پائی۔ مگر عماد الملک اخیر عمر تک پریشانیوں اور حوادثات میں گرفتار رہے چند روز جو شیخ کے عمر میں سے باقی رہے گئے تھے مریدین کو وصایا اور معتقدین کے ارشاد و تلقین میں آپ مشغول رہے۔

قاضی محمود صاحب کا قلم عشقیہ مضامین ریز اور گہر بار ہوتا تھا۔ بیرپور آپکا وطن اصلی ہے جوانی میں آپ احمد آباد میں آکر مقیم ہوگئے اور ۹۲۰ھ میں قصبہ بیرپور واپس چلے گئے۔ ایک دفعہ آپ کو اسقدر جوش الہیٰ اور طلب الہیٰ کا جوش و جذبہ پیدا ہوا کہ والد محترم کی اجازت سے خلوت نشینی اختیار کی اور پھر صحرا نوردی شروع کردی اور زاویہ کے اندر خلوت اور تنہائی میں عبادتِ الہیٰ میں مصروف رہے اس کے کچھ عرصہ بعد پھر والد کی خدمت سے مشرف ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔

نقل ہے کہ جب آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کے والد بزرگوار نے آپ کے روئے مبارک پر سے گوشۂ کفن اٹھا کر ایک نگاہ سے آپ کی جانب دیکھا۔ آپ نے بھی آنکھیں کھولکر تبسم فرمایا۔ والد نے کہا بابا محمود یہ کیا بچوں کی سی ادائیں ہیں آپنے پھر اسی طرح آنکھیں بند کرلیں۔

روایت ہے کہ آپ کے جدامجد کا نام قاضی محمد تھا جب قاضی جی کی صالحہ بی بی کے علی الاتصال چھ لڑکیاں ہوئیں تو قاضی جی کو لڑکے کی خواہش ہوئی تاکہ نسب پدری محفوظ رہے قاضی جی کی اہلیہ نے قبل اسکے کہ یہ ذکر دوسرے شخص کی زبان سے سنے خود اپنی دلی خوشی کے ساتھ بالمشافہ شوہر کو اجازت دی کہ دوسرا نکاح کرلیجئے۔

قاضی جی نے جواب دیا آج رات میں اس بات کا استخارہ کرکے خاتم النبوۃ

علیہ السلام کے حضور میں عرض کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا محمد تم کو مبارک ہو اسی پاک دامن بیوی سے تمہارے تین صاحب کمال لڑکے ہونگے دوسری شادی کی ضرورت نہیں اور حرف ح علیحدہ علیحدہ تین جگہ قاضی جی کے کف دست پر لکھدیا اس بنیاد پر پہلے لڑکے کا نام حامد دوسرے کا نام حماد اور تیسرے کا نام حمید رکھا۔ ؎۱

قاضی محمود دریائی کا خاتمہ مرآۃ احمدی میں مفصل تذکرہ ہے لکھا ہے کہ قصبہ بیرپور کے ایک بزرگ قاضی محمود دریائی بیرپوری ہیں۔ انکے والد بزرگوار قاضی حمید ہیں۔ جن کا عرف شاہ جائلندا تھا۔ آپ حضرت شاہ عالم سے ارادت رکھتے تھے اور ان کے جد امجد قاضی محمد قطب عالم کے مرید تھے۔ لیکن سادات بخاریہ کہتے ہیں کہ قاضی محمود جو حضرت شاہ عالم کے مرید ہیں وہ قطب عالم کے فرزند سید محمود کے مرید تھے لیکن کہتے ہیں کہ یہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا۔ بلکہ آپ اپنے والد بزرگوار کے مرید تھے جب شاہ جائلندا کا آخری وقت آیا تو قاضی محمود نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ حضرت پیران پیر رح فرماتے ہیں کہ اگرچہ آپ مقام محبوبیت پر ہو اور میرے ہم درجہ ہو مگر مناسب یہ ہے کہ اپنے والد بزرگوار سے بیعت ہو کر خلافت لے لو کہ یہ چیز اہل سلسلہ کے لیے لازم ہے قاضی صاحب نے یہ واقعہ صبح کے وقت پدر بزرگوار کے خدمت میں عرض کیا تو فرمانے لگے مجھے بھی پتہ ہے کہ یہ میرا آخری وقت ہے اور وقت موعود پہ آپکا ہاتھ پکڑ کر آپ کو خلعت خلافت دینی چاہیئے۔ دوسرے حضرات نے بھی یہ گفتگو سنی وہ بھی ارادت کے لیے مستعد ہو کر بیٹھ گئے۔ وقت موعود مقررہ دن کو آپ نے پہلے قاضی صاحب کے صاحبزادہ کو بلا کر مرید کیا اس کے بعد دوسرے لوگوں کو بیعت کیا اور آخر میں

؎۱ مرآۃ احمدی، نزہۃ الخواطر ص ۲۳۵ جلد ۵، گلزار ابرار ص ۲۳۶۔

قاضی محمود کو بلا کر مرید کر کے خلعتِ خلافت عطا فرمائی اس کے بعد فرمایا کہ اب اس پر ہمارا معاملہ ختم ہے۔ دوسرے دن آپ نے آخرت کا سفر فرمایا، قاضی محمود اپنے والد بزرگوار کی رحلت کے بعد ارشاد و تلقین کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور ان سے خرق عادات بھی ظاہر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ عالم آب و سمندر کی خدمت آپ کے سپرد تھی اسی لئے بار ہا جہاز اور کشتی والوں کی مدد ان کے متعلق سنی گئی۔ اور اسی مناسبت سے آپ کا لقب دریائی تھا۔

صاحب مرآۃ احمدی کی طرح "دریائی" لقب کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب "تحفۃ الکرام" نے لکھا ہے کہ:

"قاضی محمود بعد از رحلت پدر بر مسند ارشاد تمکن جست، بزرگی و خوارقِ ایشاں عالم را فرو گرفت و خدمت عالم آب ہم بایشاں تعلق داشت۔ اکثر درکشتیہائے تباہی کہ یاد ایشاں می نمود بساحل مراد میرسیدند ازیں سبب "دریائی" لقب خاص مقرر گشت۔"

قاضی محمود پر حضرت شاہ عالم کی نظرِ عنایت تھی ایک دفعہ فرمایا کہ:

"قاضی شملہ دراز دارد" اس سے اس طرف اشارہ تھا کہ ان سے عالم میں بڑی کرامات مشہور ہونگی۔ اور درجۂ عالیہ حق تعالیٰ شانہٗ عطا فرمائیں گے چونکہ مولد و منشا یہ قصبہ تھا اور قصبائی لوگ فصیح زبان نہیں رکھتے محاورہ میں بول چال میں شاہ عالم کے بجائے منجھن میاں کہہ کر پکارتے تھے اتفاقاً ایک روز شاہ عالم کی رحلت کے بعد مجلسِ خاص منعقد تھی۔ حضرت شاہ سلطان شاہ شیخ جیو اور سلطان مظفر حلیم وغیرہ دیگر بزرگ مجلس میں موجود تھے اور محققانہ و عارفانہ گفتگو ہو رہی تھی اس درمیان میں قاضی محمود کی زبان پر یہ آیا کہ منجھن میاں یہ فرماتے تھے۔ ایک شخص معترض ہوا کہ قاضی کیا بات ہے

کہ آپ کا اسم گرامی شاہ عالم کیوں نہیں کہتے تو وہ کہنے لگے میں دیہاتی آدمی ہوں۔
فصاحت جانتا نہیں ہوں، شاید یہ بے ادبی میری طرف سے آنجناب کی بارگاہ
میں قبول کی جائیگی۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ محمود اپنے والد قاضی حمید/حامد
عرف شیخ جالندرہ کے مرید تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی 'اخبار الاخیار فی اسرار الابرار' میں قاضی محمود دریائی
کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سلطان مظفر بن سلطان محمود کے زمانے میں احمدآباد
(گجرات) میں بڑے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۵۱۴ء/۹۲۰ھ اپنے
آبائی وطن بیرپور تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ اخبار الاخیار
میں ان کا سالِ وفات ۱۵۱۹ء/۹۲۵ھ لکھا ہے، لیکن نوراحمد فریدی نے تذکرہ
شاہ رکن عالم اور محمد سخاوت مرزا نے تذکرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت
میں ان کی وفات کا سن ۱۵۳۴ء/۹۴۱ھ بتایا ہے آپ بیرپور میں مدفون ہیں۔

قاضی محمود دریائی سلسلۂ قادریہ میں مرید تھے لیکن صاحب سکر و ذوق
تھے۔ اور عشق و محبت آپ کا مشرب تھا۔ ان کی ہندی دانی اور ہندوی گوئی کی
متعدد تذکرہ نگاروں نے شہادت دی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے
اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ہندوی زبان میں آپ نے جکریاں (ذکریاں) کہی ہیں جو
اس علاقے کے قوال اکثر گاتے رہتے ہیں۔ یہ لوگوں کو بے انتہا پسند ہیں۔
ان میں اثر کے ساتھ بے تکلفی ہے اور عشق و وجدان کے اثرات ظاہر ہیں
مولوی عبدالحق نے اپنی تصنیف 'اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام
کا حصہ' میں لکھا ہے کہ قاضی محمود دریائی کی شاعری کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس
موجود ہے۔ پروفیسر ابراہیم ڈار نے اپنے ایک مضمون بہ عنوان 'گجرات کا ایک

قدیم شاعر، میں لکھا ہے کہ قاضی محمود دریائی کا ایک ہندی دیوان ہے۔ جس کا ایک نسخہ احمد آباد کے ایک کتب خانے میں محفوظ ہے۔ دیوان سارے کا سارا ہندی زبان اور صوفیانہ رنگ میں ہے۔ جکری (ذکری) طرز کے اشعار نفس مضمون کے علاوہ اپنی راگ راگنیوں کی تاثیر کی وجہ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ قاضی محمود دریائی تو اپنی نظموں کے شروع میں راگ راگنیوں کے نام بھی لکھ دیتے ہیں۔ اس صنفِ سخن میں جو اثر انگیزی ہوتی ہے اس کا حال شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اس بیان سے مترشح ہے جس میں ان کے لوگوں میں مقبول ہونے اور قوالوں کے گانے کی طرف اشارہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیاء کو مولانا وجیہ الدین سے ایک جکری سن کر وجد آگیا تھا۔ سماع کی اس تاثیر وکیفیت کی بنا پر صوفیہ کے ہاں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ [1]

شیرانی صاحب نے اپنے ایک دوسرے مقالہ میں لکھا ہے کہ قاضی محمود دریائی گجرات کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ ہندی شعر گوئی میں ان کی شہرت ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ ایک خاص طرز کے نظم کے سلسلے میں جس کو 'جکری' کہا جاتا تھا، ان کا نام زبان زد عام ہے۔ ایک زمانے میں یہ جکریاں گجرات میں مقبول تھیں۔

اخبار الاخیار میں منقول ہے!

جکر ہائے وے کہ بزبان ہندی دارد دستور قوالان آن دیار است بغایت مطبوع و مؤثر وبے تکلف وآثار عشق و وجد از سخنان وے لائح است۔ (اخبار الاخیار ص۱۸۱)

علاؤالدین ثانی برناوی اپنی تصنیف 'کتاب چشتیہ' میں شیخ علاؤالدین کی علائیوں کے ذکر میں (جو ایک خاص قسم کی متصوفانہ و عاشقانہ نظم ہوتی تھی)

[1] تاریخ ادبیات ص۲۱

مثلاً قاضی صاحب کی جکری کا بھی ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ :
"کلام مقبول او بہ مثل جکری قاضی محمود ہر کہ می شنود برحمت او آفرین می شود"
تحفۃ الکرام میں مذکور ہے :
"از غلبات عشق پیوستہ بحسب حال عاشقانہ بہندی بطرز دلبندی
می بست "
صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں :
"اشعار عاشقانہ بزبان ہندی فرمودے کہ قوالان آن دیار بوقت سماع
اشعار آنجناب بمجلس اصفیاء می خوانند و بغایت مؤثر می باشند "
"جکری" دراصل "ذکر" کی بگڑی شکل ہے۔ اس کا اطلاق ایسی نظموں پر ہوتا ہے
جن میں اور مضامین کے علاوہ سلسلے کا شجرہ اور مشائخ کی مدح ہوتی تھی۔
نظام الدین اولیاء (م ۷۲۴ھ) کے عہد میں بھی جکری کا رواج تھا۔ اور
ان کو مولانا وجیہ الدین کی جکری پر حال آیا تھا جو حسب ذیل ہیں۔
"بنیا بن بہاجی ایسا سکھ سے باسوں"
میر علی شیر قانع نے لکھا ہے کہ "ہنگام جوانی از مقام غوثیت درگزشتہ
بمقام محبوبیت در رسیدند"۔
مزاج کی عشقی کیفیت اور عشق کی اس گرمی کا اثر ان کی شاعری پر گہرا ہے۔
یہی رنگ انکی شاعری و شخصیت کا نمایاں رنگ ہے۔ سب تذکرہ نویسوں نے
اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔
مرآۃ احمدی میں یہ الفاظ ملتے ہیں :
"قاضی محمود از غلبات عشق پیوستہ برحسب حال نقش عاشقانہ بعبارت
ہندی در مقامات ہندیہ بطرز دل پسند می بست "

خـزینۃ الاصفیاء سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے :

: صاحبِ ذوق ومحبت وعشق از عظمئے خلفائے شاہ عالم گجراتی است .
اشعارِ عاشقانہ بزبانِ ہندی فرمودے کہ قوالانِ آں دیار بوقتِ سماع
اشعارِ آنجناب بمجلس اصفیاء می خوانند وبغایت مؤثر می باشند :

عشق کی اس شدت کا قاضی محمود دریائی پر یہ اثر تھا کہ ان کے سارے کلام سے اس جذبے کی گرمی کا احساس ہوتا ہے . اس عشق کا اظہار اللہ، اسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مرشد کے ساتھ بھی ہے . کلام میں اپنے والد اور مرشد کا ذکر بار بار کرتے ہیں . ؎

قاضی محمد تن شاہ جا ٹلندہ میرا سب دکھ کرو ہی ادلاوے
محمد سوری سائیاں مجھ اس بن اور نہ بھاوے

سائیں کن ایک بار اکھار ۔ ہوں دکھیا کردں جو بار
تیرے مکھڑے کے بلہار

محمود سائیں سیوک تیرا نوں تو سمرت سائیں میرا
کریں ہماری سار

اسست نبی محمد کی یہ محمود تیرا داس
برکت پیر جا ٹلند ھا : سائیں پورویں من کی آس [1]

مولانا محمد عماد الدین بن محمود طارمی

(م ۹۴۱ھ)

آپ کا مولد ومنشا خـراسان کا ایک قریہ طارم ہے وہاں آپ نے نشوونما

---

[1] تاریخ ادب اردو صـ۱۱۱ ـ

پائی ، اور فنون کی تحصیل میں یہاں مشغول ہوئے ۔جب اس سے فارغ ہوئے تو گجرات کا سفر کیا اور یہاں آکر مقیم ہوگئے ۔ اور اخیر عمر تک انتقال تک یہیں مقیم رہے ملاعماد کے والد محمود طارمی بڑے تاجر تھے ۔ اتفاقاً آپ نے بڑا ہی عظیم الشان خیمہ بنایا جس میں مالِ خطیر خرچ کیا ۔ لؤلؤ و جواہر موتیوں سے اس کو مرصع کیا ۔اور اس کو لے کر ملک الروم کے پاس پہنچے ۔ ایک روایت ہے کہ سلطان دہلی کے پاس لے گئے ۔ وہ اس کی قیمت ادا کرنے سے عاجز رہے تو اس کو گجرات کے بادشاہ سلطان محمود کبیر کے پاس لائے انہوں نے بھی اس کو نہیں خریدا اس کو لے کر اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ کیا اتفاقاً جمعہ کا دن تھا اور کسی مسجد میں تھے اور شاہ عالم احمد آبادی اسی مسجد میں موجود تھے ۔آپ نے شور و ہنگامہ سنا تو پوچھا کہ کس چیز کا شور ہے ۔ آپ سے خیمہ کا قصہ بیان کیا گیا تو آپ نے محمود طارمی کو بلوایا جب وہ آپ کے سامنے پہنچے تو خیمہ منگوایا اور شیخ نے ان سے وہ خیمہ نو لاکھ اشرفی میں خرید لیا ۔ اس شرط پر کہ اس کی قیمت چند دن کے بعد ادا کریں گے ۔ اور اپنے مکان چلے آئے بعد میں لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے کیا کیا کہ یہ خیمہ جس کی قیمت ادا کرنے سے بڑے بڑے بادشاہ عاجز رہے ۔ یہ خیمہ اس شیخ کو آپ نے بیچ دیا ہے وہ اس کی قیمت کہاں سے ادا کر سکیں گے ۔

محمود طارمی فوراً شیخ کے پاس گئے ۔ دیکھا کہ شیخ بیٹھے ہوئے ہیں اور خیمہ سامنے ہے اور لوگ اس خیمہ میں لوٹ مار مچا رہے ہیں سب لؤلؤ جواہر اس میں سے توڑ کر لے جا رہے ہیں ۔جب یہ حال انہوں نے دیکھا تو گھبرا گئے ۔اور شیخ سے مدت پورا ہونے سے پہلے ہی اپنی قیمت کا مطالبہ کیا شیخ نے فرمایا کچھ لوگوں نے تجھے اس بات پر اکسایا ہے ۔ اچھا اب بتاؤ نقدی میں سے کس

جنس ہیں سے اپنی قیمت لینا چاہتے ہو۔ انہوں نے ایک نقد متعین کیا تو شیخ نے اپنا مصلیٰ اٹھایا اور حکم فرمایا کہ اس کے نیچے سے اس خیمے کی قیمت کی مقدار کے موافق نقد وصول کر لو، تو جو جنس انہوں نے نقدی میں سے شیخ سے مانگی تھی بغیر کسی کمی زیادتی کے وہاں پر موجود تھی۔

اس پر شیخ کی قدر و منزلت کے معترف ہوئے، اور شیخ سے اس بات کی دعار کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا کرے۔ تو شیخ نے اپنے منہ سے پان نکالا اور ان کو عطا فرمایا۔ اور ان کو بشارت دی کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اب وہ اپنے شہر لوٹے ان کے واپس جانے کے بعد ملا عماد طارمی کی ولادت ہوئی۔

اور وہاں ملا عماد تحصیل علوم میں مشغول رہے یہاں تک کہ اپنے زمانہ کے علمار سے علوم وفنون میں فائق ہو گئے اور اپنے والد سے شیخ کی کرامت کو سن چکے تھے اس لئے انکی ملاقات ہی کی خاطر انہوں نے گجرات کا سفر کیا۔ مگر یہاں پہنچنے سے پہلے ہی شیخ کی وفات ہو چکی تھی۔ اس لئے کہ ملا عماد طارمی سلطان مظفر بن سلطان محمود کے دور میں گجرات پہنچے تھے ایک روایت ہے کہ آپ نے سلطان محمود کبیر سلطان مظفر اور سلطان بہادر تینوں کا زمانہ دیکھا۔

ملا عماد تمام علوم میں ماہر تھے، بالخصوص عقلیات میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ان کو علم سیمیار میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ مولانا عماد طارمی کے شاگردوں میں سے مولانا وجیہ الدین اور علامہ قاضی عیسیٰ بھی ہیں۔ [1]

ملا عماد گجرات پہنچے اور حضرت ملک قطب الدین کے مرید ہوئے جو حضرت شاہ کے خلیفہ تھے اسلئے کہ شاہ عالم وفات پا چکے تھے مولانا عماد الدین جیسے علوم ظاہری میں بے نظیر تھے علوم باطنی میں بھی یکتائے روزگار بنے اور خلق کی ارشاد

---

[1] المنور السافر صفحہ ۱۹۲۔

ہدایت میں مشغول ہوئے۔ ؎۱

گجرات کی تمدنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ مدرسہ عمادیہ کے نام سے آپ کا احمدآباد میں مدرسہ تھا جس میں طلبہ کا بڑا مجمع رہتا تھا۔ بڑے بڑے لوگ اس سے فارغ ہو کر نکلے۔ حضرت قاضی عیسیٰ اور حضرت شاہ وجیہ الدین علوی انہی کے شاگرد رشید ہیں۔ انہوں نے متعدد سلاطین گجرات کا عہد دیکھا، محمود اعظم، مظفر شاہ اور بہادر شاہ یکے بعد دیگرے انکے سامنے تخت نشین ہوئے۔ حضرت ملک قطب الدین خلیفہ حضرت شاہ عالم کے مرید تھے گجرات پر ہمایوں کے حملہ کرنے سے پہلے وہ پٹن نہروالہ میں تھے۔ دوسری جمادی الاول ۹۴۱ھ/ ۱۵۳۴ء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ؎۲

مولانا طارمی کا کتبخانہ

مولانا محمد بن محمود طارمی علوم عقلیہ کے بڑے ماہر تھے۔ شیراز سے گجرات تشریف لائے۔ تو اپنا کتبخانہ بھی ساتھ لائے۔ یہاں انہوں نے درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا، کتب خانہ بڑا لاجواب تھا، جس میں ایران کی بہت سی نئی کتابیں بھی تھیں۔ ہمایوں کے آنے سے پہلے ہی پٹن میں انتقال ہو گیا۔ ؎۳

ظفرالوالہ میں آپ کے حالات مفصل درج ہیں لکھا ہے کہ ۹۴۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ ابتدا عمر ہی سے مشائخ کے درمیان آپ کو سب سے مقدم کیا جاتا اور آپ نے علم کیمیا، سیمیا مختلف فنون میں اسقدر مہارت حاصل کی کہ آپ کو علم کا سمندر کہا جا سکتا ہے۔ آپ طارم میں پیدا

؎۱ خاتمہ مرأۃ احمدی ص ۱۰۱۔ ؎۲ گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۰۲ ؎۳ ظفرالوالہ ص ۲۴۶ بحوالہ گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۲۲۔

ہوئے جو خراساں کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے ۔ وہیں نشو ونما پائی اور طلب علم میں وہاں کے علمار کے پاس مشغول رہے اور تمام علوم میں مہارت حاصل کی ۔ یہاں تک کہ آپ لوگوں میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ پھر مختلف علاقوں میں آپ نے سفر کیا اور اس طرح آپ کے علوم میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے بعد اپنی تمام کتابیں لے کر گجرات پہنچے اور یہاں پہنچکر آپ تعلیم وعبادت کے لیے فارغ ہو گئے اور آپ کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا اور افاضل علمار آپ کے پاس پہنچکر استفادہ کرنے لگے جن میں خصوصیت کے ساتھ مولانا وجیہ الدین علوی مشہور ہیں اور دوسرے قاضی مولانا عیسیٰ ہیں ۔

آپ نے نہروالہ پٹن میں انتقال کیا کہتے ہیں کہ سلطان بہادر نے آپ کے متعلق سنا تھا کہ آپ کو علم سیمیا حاصل ہے تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ اس کا کوئی کرشمہ دکھائیں اس وقت سلطان بہادر نہر کے کنارے محل میں بیٹھ کر نہر کا نظارہ کر رہے تھے اور وہ بارش کا موسم بھی نہیں تھا کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک گہوارہ ہے جس میں دو بچے ہیں اور وہ پانی کے اوپر تیر رہا ہے ۔ سلطان بہادر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات آپ دیکھ رہے ہیں ؟ تو مولانا عماد الدین طارمی کہنے لگے کہ ہاں ایک گہوارہ ہے اور دو بچے ہیں ان کے باپ کا انتقال ہو گیا یہ دونوں یتیم ہو گئے ان دونوں کے باپ کا نام یہ یہ ہے کیونکہ وہ فلاں فلاں تھے ۔ نہروالہ پٹن میں رہتے تھے اور نہر نے ان دونوں بچوں کو تیرے پاس پہنچایا ہے تاکہ انکے باپ کے نام کا جو وظیفہ مقرر تھا ان بچوں کے لئے مقرر کر دیا جائے ۔ سلطان بہادر کہنے لگے کہ ان کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا گیا ۔ اس کے بعد جب سلطان بہادر نے دوسری نگاہ کی تو وہاں نہ پانی تھا نہ سیلاب تھا اور نہ بچے تھے تو اس سے سلطان بہادر کو بڑا تعجب ہوا کہ بغیر بارش کے

زمانے کے یہاں نہر میں سیلاب کیسے نظر آگیا، گھوارہ اور بچے کیسے نظر آگئے اور کیسے وہ غائب ہو گئے۔

مولانا عماد کے والد کا نام محمود تھا جو تاجر تھے خیمہ بناتے تھے۔ انہوں نے ایک خیمہ بنایا جس میں بہت زیادہ مال لگایا۔ روم پہنچے وہاں جب کوئی خریدار نہیں پایا تو اس خیمہ کو لیکر گجرات پہنچے سلطان محمود بیگڑہ کو پیش کیا تو ان کو قیمت زیادہ معلوم ہوئی یا ایسی شان وٹھاٹھ والا خیمہ ایسے آدمی کے لئے جو ہر وقت ہتھیار میں رہتا ہو اس کے مناسب حال نہیں دیکھا۔ اتفاقاً تاجر محمود جمعہ کی نماز کے لئے مسجد پہنچے تو وہاں مولانا نجھن جیو شاہ عالم نماز میں موجود تھے جب وہ نماز سے فارغ ہو کر چلنے لگے تو تاجر نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور ان سے دعا کی درخواست کی کہ میرا خیمہ بک جائے۔ شاہ عالم نے ان سے ان کا نام، نسبت، پیشہ اور ضرورت پوچھی اور یہ کہ کہاں سے آئے تو یہ تمام تفاصیل انہوں نے بتائی۔ آپ نے اشارہ کیا کہ خیمہ اٹھا کر ہمارے گھر میں نصب کر دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ شاہ عالم نے وہ خیمہ ان سے خرید لیا اتنی قیمت دیکر جتنے میں خریدا نہیں جا سکتا تھا اس کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کو قیمت کی ادائیگی کے لئے آئندہ تک کے لئے وعدہ کر دیا اتفاقاً کسی آدمی نے اس تاجر سے کہہ دیا کہ آپ اتنی بڑی رقم کا معاملہ کر رہے ہیں جو ان کے پاس ہے بھی نہیں اور فتوح غیب سے ان کے پاس کب اکٹھی ہو گی اور رقم سے ان کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ وہ غریب مسافر آدمی تھے اچھی طرح پہچانتے نہیں تھے لہٰذا اس کے کہنے والے کی بات کا ان پر بڑا اثر ہوا اور ان کو وہم و تردد ہو گیا اور وہ سوچنے لگے کہ اب کیا کریں۔ پھر جب وہ شاہ عالم کے مکان کے قریب پہنچے تو وہاں ایک مخلوق کا ہجوم خیمے پر دیکھا جنہوں نے اس میں نوٹ

مار رکھی تھی اور اس شاہی خیمے کو چھریوں سے کاٹا جا رہا تھا اس لئے کہ شاہ عالم نے لوگوں کو اس کے لوٹنے کی اجازت دے دی تھی۔

تاجر ندامت کے مارے اپنے ہاتھ کو کاٹنے لگا اور اس کا سابق وہم یقین میں تبدیل ہوگیا۔ ادھر شاہ عالم نے اپنے کشف سے اس کا باطنی حال معلوم کرلیا اور جس مصلے پر تشریف فرما تھے اس کی طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے کہ جتنی آپکی قیمت ہے وہ اس مصلے کے نیچے سے اٹھا لیجئے۔ اشارہ کرکے مصلے کو موڑا تو کمی زیادتی کے بغیر اتنی ہی قیمت اس جگہ موجود تھی۔ تو اس نے اس مصلے کو بوسہ دیا اور معافی مانگی اور دعا کی درخواست کی کہ میں لاولد ہوں اللہ تعالیٰ مجھے لڑکا عطا فرمائے۔ شاہ عالم نے انکو لڑکے کی بشارت دی۔ طارم پہنچکر اللہ تعالیٰ نے ان کو لڑکا عطا کیا۔

بعضے کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم نے پانی کی ٹنکی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا جس میں سے پانی کی آواز آرہی تھی کہ اس میں سے جتنا تیرا مال ہے کمی زیادتی کے بغیر لے لو۔ بعضے کہتے ہیں کہ شاہ عالم نہر پر تھے تو اشارہ کرکے فرمایا تو اس نے دیکھا کہ سونے کے سکوں میں سب پانی تبدیل ہوگیا اور بہہ رہا ہے اور اس نے ہاتھ مارا اور اپنی رقم لے لی پھر اس نے لالچ کیا اور کچھ زیادہ لیا تو جو پہلے سے لیا ہوا تھا وہ پھر پانی بن گیا کئی دفعہ ایسا ہوا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا خُذْ وَلَا تَزِدْ، کہ جتنا تمہارا حق ہے اتنا ہی لو۔ چنانچہ وہ لے کر مجلس میں واپس لوٹ گیا۔

مولانا عماد الدین طارمی مغلوں کے حادثے والے سال میں اس حادثے کے وقوع سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔[1]

---

[1] ظفر الوالہ ص ۲۶۴ ج ۱۔

مولانا علاؤالدین علیسیٰ

علامہ علاؤالدین علیسیٰ، گجرات کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ علامہ عماد الدین محمد طارمی سے طریقت میں فیض حاصل کیا۔ پھر تدریس کی مسند آراستہ کی۔ آپ کا علم وسیع اور افادہ عام تھا آپ سے شیخ عبدالقادر بن محمد اجینی نے فن کلام کی درسی کتب ۹۶۲ھ/ ۱۵۵۵ء میں پڑھیں اور بھی بے شمار افراد نے آپ سے استفادہ کیا۔ [۱]

شیخ جمالی

م ۱۰ ذی قعدہ ۹۴۲ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۵۳۶ء

آپ کا نام جلال خان یا حامد بن فضل اللہ تھا۔ دہلی کے باشندے اور خاندان کنبوہ کے ممتاز فرد تھے۔ مولانا عبداللہ تلبنی کے شاگرد تھے۔ حضرت شیخ سماء الدین کے قیام کھمبور کے دوران بیعت ہوئے اور انکی وفات تک خدمت میں رہے چندسال بلاد اسلامی کی سیاحت میں گذارے۔ مصر، دمیاط، مغرب، شام، عراق، عرب و عجم اور ایران وغیرہ کی سیاحت کی۔ ایران میں مازندران، گیلان، تبریز، خراسان، تربت، شیراز، سبزوار، ہرات وغیرہ تمام مشہور مقامات کی سیر کی۔ سیاحت کے دوران اکابر علماء و مشائخ سے بھی ملاقات کی۔

حج کی سعادت کے بعد جب ہندوستان واپس آئے تو سلطان سکندر لودھی نے ان کو اپنا خاص مصاحب بنا لیا مگر پھر ابراہیم لودھی کے بجائے بابر

---

[۱] نزھۃ الخواطر عربی ج ۴ ص ۲۵۲۔

سے منسلک ہو گئے اور اس کی مدح میں زوردار قصائد نظم کئے۔ ہمایوں سے بھی شیخ کا تعلق قائم رہا۔

حضرت شیخ سماء الدین سہروردی کے خلیفہ اجل تھے۔ اپنے پیر سے دامادی کا رشتہ بھی رکھتے تھے۔ ذات کے اعتبار سے بھی اپنے پیر کے خاندان یعنی کمبوہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، جلال الدین نام تھا اور اسی نسبت سے اپنا تخلص رکھا۔ لیکن پھر اپنے مرشد کے حکم سے جمالی تخلص رکھ لیا۔ فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اور شاعری کی کسی صف میں بند نہیں تھے۔ مثنوی، قصیدہ، غزل ہر زمین میں طبع آزمائی کرتے رہے۔ سیر و سیاحت کے شوقین تھے۔ جب سفر حجاز کے لئے روانہ ہوئے تو اثناء سفر میں راہزنوں کے ہتھے چڑھ گئے انہوں نے جسم کا لباس تک اتروالیا۔ ایک تہہ بند باندھے ہوئے ہرات پہنچے اور مولانا عبدالرحمٰن جامی سے اسی عالم میں ملے انہوں نے ایک مفلوک الحال اور غبار آلود شخص کو دیکھا تو ازراہ تفنن فرمایا " میاں تو و خر چندیں فرق است " (تم میں اور گدھے میں کیا فرق ہے) مولانا جمالی حاضر جواب غضب کے تھے۔ فوراً اپنا اور مولانا جامی کا فاصلہ ناپا اور کہا " یک بالشت " (صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہے) مولانا جامی چپ ہو گئے۔ پھر پوچھا کون ہو ؟ کہنے لگے " از خاکسارانِ ہند " (ہندوستان کے خاک نشینوں میں سے ہوں) مولانا جمالی کے کلام کی شہرت مولانا جامی تک پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے دریافت کیا " از سخنانِ جمالی چیزے یاد داری " ؟ (جمالی کا کوئی شعر یاد ہے) مولانا جمالی نے تین شعر پیش کئے جو ان کے حسب حال بھی تھے۔ ؎

دو سہ گز بوریا و پوستکے ۔۔۔ و لکے پر ز درد دوستکے

لتگکے زیر و لنگکے بالا ۔۔۔ نے غم دزد و نے غم کالا

این قدر بس بود جمالی را | عاشق رند ولا ابالی را!

مولانا جامی متاثر ہوئے پوچھا "طبع شعر داری"؟ (شعر کا ذوق رکھتے ہو؟)
انہوں نے اپنی غزل کا یہ مطلع پڑھا۔

مارا زخاک کویت | پیراہن است برتن
آں ہم زآب دیدہ | صد چاک تا بہ دامن

یہ شعر پڑھا اور آب دیدہ ہو گئے۔ مولانا جامی سمجھ گئے بڑی عزت و تکریم سے پیش آئے۔

مولانا جمالی اپنے پیر و مرشد کی محبت سے سرشار اور اہل دنیا سے لاتعلق رہے سلطان سکندر لودھی آپ کا بڑا عقیدت مند تھا چنانچہ اس نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا جس کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

اے مخزن گنج لایزالی | وے سالک راہ دین جمالی
در گرد جہاں بسے زدی سیر | در منزل خود رسیدی بالخیر
بودی تو مسافر زمانہ | الحمد کہ آمدی بہ خانہ
در مکہ و در مدینہ گشتی | گوہر بودی خزینہ گشتی
اے شیخ بہ ما برس بہ زودی | بسیار مسافرت نمودی
بکشا بسوئے درگہم کام! | تا دریابی زگلرخی کام!
چشم بہ جمال تو طپاں است | دل مرغ مثالی در فغاں است
منم اسکندر و تو خضر مائی | آں بہ کہ بہ سوئے ما بیائی
و شیخ ز دوستاں نشد سیر | تشریف نمودنش کشد دیر
از مہر کشد دو دیدہ را نور | آں مہ نشود ز دیدہ ام نور

مولانا جمالی کو بھی سکندر لودھی سے خصوصی تعلق تھا تاہم اس تعلق میں

کوئی دنیاوی غرض پوشیدہ نہ تھی جیسا کہ انہوں نے ایک شعر میں اس کا اظہار کیا ہے۔

میان ما وشما دوستی براہ خدا است
نہ از برائے متاع زمانہ غدار

مولانا جمالی کے بعض اشعار کو قبول عام کی سند عطا ہوئی ان کا یہ نعتیہ شعر اہل دل کا سرمایہ ہے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی!

ان کا یہ شعر بھی بے مثال معنوی لطافت کا حامل ہے۔

عشق را طرفہ لسانے است کہ صد سالہ سخن
دوست با دوست بہ یک چشم زدن می گوید

شیخ جمالی کو اپنے پیر شیخ سماء الدین سے بے حد محبت تھی۔ انہوں نے پیر کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔ وفات پر ایک دو مرثیہ بھی نظم کیا۔ جس کے چند ابیات درج ذیل ہیں۔

اے دیدہ خون بریز کہ دلدار غائب است
یعنی جمال آں مہ رخسار غائب است
اے ظلمت ستم رُخ آفاق را بپوش
کاں آفتاب عالم انوار غائب است
شیخے کہ سر حق زلبش می شنود خلق
اکنوں میاں عالم اسرار غائب است [1]

---

[1] معارف ۲؎ ج ۶۷ ص ۱۱۱۔

مولانا جمالی کا یہ قطعہ بھی بڑا مقبول اور زبان زد خواص ہے۔

طَالَ شَوْقِیْ اِلٰی مَنَازِلِکُمْ   اَیُّھَا الْغَائِبُوْنَ عَنْ نَظَرِیْ
روز و شب مونسم خیال شماست   فَاسْئَلُوْا عَنْ خَیَالِکُمْ خَبَرِیْ

مولانا جمالی صاحب تصنیف بزرگ تھے انہوں نے سہروردی بزرگان طریقت کے حالات پر ایک ضخیم کتاب سیر العارفین لکھی جو اس موضوع پر بڑی جامع اور مستند خیال کی جاتی ہے۔ ایک مثنوی 'مہر و ماہ'، کے عنوان سے سپرد قلم کی ہے یہ مثنوی انہوں نے تبریز میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ جس میں شہزادی مہرا اور شاہزادہ ماہ کی داستان محبت نظم ہے۔ مثنوی کا یہ شعر کتنا زوردار ہے۔

مرا نا دل بہ ایمان و یقین است!
محبت مذہب است و عشق دین است

مولانا ۱۰ ر ذیقعدہ ۹۴۲ھ مطابق ۳۰ ر اپریل ۱۵۳۶ء کو گجرات (غالباً احمد آباد) میں فوت ہوئے (وہ ان دنوں ہمایوں بادشاہ کی فوجی مہم میں اس کے ہم رکاب تھے) اور لاکر دہلی میں وہاں دفن کئے گئے جہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قبرستان میں انہوں نے اپنے لئے قبر تیار کر رکھی تھی۔

مولانا کے دو صاحبزادے تھے۔ دونوں شاعر اور اصحاب طریقت میں سے تھے۔ ایک شیخ گدائی سہروردی دوسرے شیخ عبدالحی حیاتی سہروردی دونوں باکمال بزرگ تھے۔ غرض مولانا جمالی صوفی درویش ہونے کے علاوہ بہت اعلیٰ درجہ کے فارسی کے شاعر بھی تھے۔ اور غالباً اس لحاظ سے وہ نہ صرف اپنے ہمعصروں میں سب سے ممتاز تھے بلکہ امیر خسرو کے بعد ہندوستانی شاعروں میں سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں۔ ان کا دیوان خود ان کی زندگی میں مدون ہو چکا تھا۔ خوش قسمتی سے اس کے دو نسخے ہندوستان

میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ دو مثنویاں بھی ان کی یادگار ہیں۔
آپ کی تاریخ وفات ہے خسرو ہند بودہ۔ [۱]

امیرزادہ عرف صدر خاں

(م ۹۴۲ھ مطابق ۱۵۳۵ء)

بہادر شاہ۔ شاہ گجرات کے ممتاز وزراء میں سے تھے۔ ہمایوں کے گجرات پر قبضہ کے بعد جب آپ کو قید کر کے ہمایوں کے سامنے لایا گیا وہ آپ کے فہم سلیم اور کمالات علمیہ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ آپ کو خصوصی مصاحبین میں رکھتے تھے ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء میں وفات پائی۔ [۲]

شیخ بابو چشتی

دسویں صدی ہجری تقریباً

آپ کی خوابگاہ احمد آباد کے قریب مقام کھنبایت میں ہے۔ شیخ شیدا آپ کے مرید تھے۔ آپ اُن کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی خادم نے کہا ایک جولاہا اس قابل کب ہو سکتا ہے کہ اس کا انتظار کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کھانا لاؤ۔ جب دیگ سے ڈھکنا اٹھایا تو دیگ میں کیڑے کلبلا رہے تھے آپ نے فرمایا پھر ڈھک دو اور جب تک شیدا نہ آئے اسکو ڈھکا رہنے دو۔ جب شیدا آئے تو پھر کھانا نکالا گیا جو بالکل صاف تھا۔ [۳]

---

[۱] خطِ پاک اوچ صفحہ ۳۱۰ تا ۳۱۳ [۲] اکابرین گجرات صفحہ ۵۸ یاد ایام صفحہ ۴۵ [۳] گلزار ابرار صفحہ ۱۱

شیخ میاں قطب الدین محبوب بن بابو صدر الدین

م ۲۰ رجمادی الثانی ۹۴۳ھ بمطابق ۳ر دسمبر ۱۵۳۶ء

حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخی کے نسل سے ہیں۔ ۸۵۶ھ میں احمد آباد میں آپ کا تولد ہوا۔ اور یہاں کے علماء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ اور علم و معرفت کے حصول کے لئے شیخ بابو چشتی کے مرید ہوئے۔

ایام طفولیت میں حضرت شاہ عالم نے آپ کے سر پر عمامہ رکھکر خلافت بھی عطا فرمادی تھی اور وہ عمامہ شاہ عالم کے خلیفہ میاں مخدوم کے پاس بطور امانت رکھوا دیا تھا۔ آپ شریعت محمدیہ پر سختی سے کاربند رہنے والے تھے۔

۲۰ رجمادی الثانی ۹۴۳ھ کو عالم فانی سے دار باقی کو منتقل ہو گئے۔ اور خانپور احمد آباد کو دائمی مسکن ٹھہرالیا۔ [۳]

شیخ محمود بن بابو

م ۱۰ رجمادی الاخری ۹۴۳ھ/۲۲ر نومبر ۱۵۳۶ء

شیخ محمود بن بابو بن صدر الدین بن جلال الدین بن الیاس عمری، شیخ قطب الدین محمود (یعنی قطب الدین لقب اور محمود نام ہے) علماء صالحین میں سے تھے۔ ۸۵۶ھ / ۱۴۵۲ء میں گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ اساتذہ میں سید محمد بن عبداللہ بن محمود حسینی بخاری ہیں۔ اپنے مسکن میں ہی مشیخت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا ۱۰ رجمادی الاخری ۹۴۳ھ ۱۵۳۶ء میں رحلت فرمائی اور رجان پور میں آسودۂ لحد ہوئے۔ [۴] (مرآۃ احمدی)

---

[۳] اکابرین گجرات ص ۴۹ [۴] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۳۴ ـ

شیخ وجیہ عبدالرحمٰن بن علی مؤرخ الیمن معروف بہ ابن دیبع

م ۹۴۴ھ بمطابق ۱۵۳۷ء

حضرت ابن دِیبعؒ کے متعلق یمنی مورخ لکھتے ہیں کہ آپ نے زبید کے علماء و مشائخ سے علوم حاصل کرنے کے بعد متعدد حج کئے۔ تیسرے حج میں ۸۹۶ھ میں حرمین میں امام سخاوی سے ملے، انکی صحبت میں رہے۔ انکی شاگردی اختیار کی اور متعدد کتابیں ان سے پڑھیں جن میں حدیث کے متعدد اجزاء اور مسلسلات شامل ہیں۔ اس کے بعد جب اپنے وطن زبید واپس لوٹے تو آپ نے اپنی کتاب ”کشف الکربہ“ تالیف فرمائی اس کے بعد ”بغیۃ المستفید“ اور ”قرۃ العیون باخبار الیمن المیمون“ تحریر فرمائی۔

حدیث و فقہ میں آپ ماہر ہوئے اور آپ نے ”تیسیر الوصول الی جامع الاصول“ تصنیف فرمائی جس میں ابن الاثیر کے جامع الاصول کو مختصر کیا اور وہ ہند میں ۱۲۵۲ھ میں طبع ہوئی اور دوبارہ قاہرہ میں اس کے بعد متعدد بار طبع ہوئی اور آپکا علمی شہرہ عالم اسلام میں پھیل گیا اور علماء نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یمن اور اس کے باہر آپکا طوطی بولنے لگا۔ اور خود علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں آپ کا ترجمہ لکھا ہے۔

دولت طاہریہ کے زمانے میں آپ یمن میں تھے اس لئے آپ نے ۸۵۸ھ سے لیکر ۹۲۳ھ تک کی دولت طاہریہ کی تاریخ لکھی جن کے آخری حاکم عامر بن عبدالوہاب ہیں جو خود آپکی بڑی تعظیم کرتے تھے اور انہوں نے آپ کو منصب تدریس سپرد کیا تھا۔

اسی سلطان کی خواہش پر آپ نے "العقد الباہر فی دولۃ بنی الطاہر" کتاب تالیف کی اور جب سلطان عامر قتل کئے گئے تو ابن الدیبع نے انکا مرثیہ کہا۔

اپنی کتب تاریخ میں آپنے "بغیۃ المستفید فی اخبار مدینۃ الزبید" سب سے پہلی تاریخ کی کتاب لکھی جس کو کئی فصلوں پر منقسم کیا۔ پہلی فصل میں شہر زبید کے بارے میں وارد شدہ احادیث کو ذکر کیا اور اس کے مؤسس اور اس کے بعد سنہ ۹۲۳ھ تک جو بادشاہ ہوئے ان کا حال لکھا اور ساتویں فصل میں آپ نے بنی رسول کو ذکر کیا ہے۔ آٹھویں میں بنو طاہر کا تذکرہ لکھا ہے جس میں المجاہد علی اور الظافر عامر وغیرہ کا ذکر ہے۔ پھر عبدالوہاب پر نویں فصل لکھی ہے اور آخری دسویں فصل عبدالوہاب کے بیٹے سلطان عامر بن عبدالوہاب کے تذکرے میں لکھی ہے جب یہ کتاب سلطان عامر بن عبدالوہاب کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے اسے پسند کیا اور چند چیزیں رہ گئی تھیں انکے متعلق تنبیہ کی اس لئے آپ نے "بغیۃ المستفید" کے لئے ذیلی کتاب "الفضل المزید علی بغیۃ المستفید فی اخبار مدینۃ الزبید" لکھی۔ جن میں ان حوادث اور وفیات کو بھی لکھا جو اس کتاب کی تالیف کے بعد پیش آئے۔

ابن الدیبع کو مؤرخین میں خزرجی پسند ہیں اسی لئے قرۃ العیون فی اخبار الیمن المیمون کے مقدمے میں آپ نے لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب میں خزرجی کی "العسجد المسبوک" کی پیروی کی ہے اور اس کا منہج اختیار کیا ہے اور ان کے ذکر کئے ہوئے فوائد کو میں نے ملخص کیا ہے۔ [1]

ظفر الوالہ میں آپ کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔ اس طرح کہ وجیہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد عمر بن محمد بن عمر بن علی بن یوسف احمد شیبانی، زبیدی شافعی جو ابن الدیبع کے لقب سے معروف ہے اور یہ آپ کے

---

[1] الضوء اللامع۔ البدر الطالع وغیرہ۔

جَدِّ اعلیٰ علی بن یوسف کا لقب تھا، نوبوی زبان میں اس کے معنی ابیض گھوڑے کے ہیں۔ ۸۶۶ھ ۴ محرم بروز جمعرات عصر کے وقت آپ کی ولادت ہوئی زبید میں آپ پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی۔ اور وہاں کے ائمہ علم سے علم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے۔ اور حج و زیارت سے مشرّف ہوئے۔

آپ نے ۸۹۲ھ میں حج کیا۔ علامہ سخاویؒ الضوء اللامع میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے میرے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے جس کو میں نے اپنے قلم سے لکھ لیا تھا۔

اِنَّ امرأً بَاعَ اُخراہ بفاحشۃ	من الفواحش یاتیھا لمفتون
ومن تشاغل بالدنیا وزخرفھا	عن جنۃ مالھا مثل لمغبون
وکل من یدّعی عقلاً وھمتہ	فیما یبعّد عن مولاہ مجنون
احبابنا ان لکم سوّلت ؛	انفسکم امرًا فصبر جمیل
وان اردتم ھجرنا والقلی	فحسبنا اللہ ونعم الوکیل

اسی طرح ان کا یہ قول ہے۔

قل للنصیح اما تخاف غداً اذا	حشر الوریٰ شؤم المعاصی والجرم
قلت استمع منی مقالی یا اخی	الیس من الکریم سوی الکرم

اسی طرح ان کا قول ہے۔

فی علم الحدیث لی ارتیاح	وھا انا فیہ مجتھد وراوی
لعلی ان اکون بہ اماما	فاروبہ علی قدم السخاوی

ابن فہد مکی فرماتے ہیں کہ اپنے شہر میں فنِّ حدیث اور فن تاریخ میں آپ منفرد تھے۔ آپ کی تالیفات میں سے کشف الکربہ فی شرح دعاء ابی حربہ اسی طرح بغیۃ المستفید فی اخبار زبید۔ جس کو ــــــــــ

سلطان ظافر عامر کے لئے آپ نے تیار کیا تھا، اور اسی سے مختصر کر کے لکھا تھا

"العقد الباہر فی تاریخ دولۃ بنی طاہر" جسکو مکمل کر کے سلطان کے پاس لے گئے تو سلطان نے آپ کو انعام و اکرام سے نوازا تھا اور خلعت فاخرہ عطا فرمائی اور کھجور کا ایک باغ عطا فرمایا۔ جامع زبید میں قرأت حدیث پر آپ کو مقرر فرمایا۔ فرماتے ہیں میں نے انکی بہت سی مرویات ان کے سامنے پڑھیں اور ان کی جملہ تالیفات پڑھیں انہوں نے مجھے ان تمام کی روایات کی اجازت لکھ کر دی۔ آپ اپنی جلالت شان کے ساتھ تدریس و تالیف میں برابر مشغول رہے۔ حالانکہ اخیر میں آپکی نظر کمزور ہوگئی تھی۔ اور اسّی سال کی عمر کو آپ پہونچ گئے تھے۔ پھر اس کے بعد آپ نے اپنے مکان میں یکسوئی اختیار کر لی اور ۹۴۴ھ ۱۷ ار رجب بروز پیر آپ نے انتقال کیا اور مسجد اشاعرہ میں عصر کی نماز کے بعد آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور باب سہام کے مقبرہ میں جو آپ کے ننھیال بنی مبارز کے قبرستان کے پاس ہے وہاں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے انتقال کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو مسجد حرام میں نماز غائبانہ پڑھی گئی۔ اور ان کے انتقال پر افسوس خواص و عوام سب نے کیا اس لیے کہ آپ اکابر علماء حدیث کا خاتمہ شمار ہوتے تھے۔ آپ نے علم کا اصل اشتغال اپنے ماموں ابو النجار محمد طیب کے پاس رہ کر کیا۔ [1]

سیّد احمد بن سیّد جعفر شیرازی

م ماہ صفر ۹۴۴ھ مطابق ۱۵۳۷ء

سادات شیرازی میں سے سید احمد جعفر شیرازی ہیں۔ سید احمد بن سید جعفر کا مزار انکا مزار قلعہ کے اندر اسلویہ دروازہ کے پاس واقع ہے۔ صحیح النسب سادات

---

[1] ظفر الوالہ صفحہ ۱۰۴۹ ج ا

شیرازی میں سے تھے۔

آپ کے جدِ بزرگوار سیّد محمود شیراز سے انتقال فرماکر سندھ میں آکر مقیم ہوگئے تھے۔ ان کی اولاد میں سیّد جعفر ہیں جو سندھ سے گجرات تشریف لائے، کچھ عرصہ یہاں اقامت فرمائی۔ اور اس کے بعد اپنے صاحبزادے سید احمد کو جانشین بناکر سندھ واپس لوٹ گئے۔

سیّد جعفر کے صاحبزادے سید احمد گجرات میں مقیم رہے۔ آپ علم قرأت و تجوید میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ جس وقت سید جعفر سید احمد کو چھوڑ کر گئے اس وقت ان کی عمر بارہ برس تھی۔ سید احمد سے بھی بڑے خوارق عادات سرزد ہوئے ہیں۔

آپ نے اکابر سے فیوض و برکات کی نعمتیں پائی تھیں۔ ترک و تجرید آپ کی طبیعت میں ودیعت تھا۔ اس پر ریاضت اور مجاہدہ سے اور ترقی پائی تھی۔ ہر شب صرف دو رکعت میں پندرہ پارہ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ اس ریاضت اور مجاہدہ کو یہاں تک پہنچایا تھا کہ آپ نے خشکی کے راستہ سے حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں بعض اوقات کھانا بھی میسر نہیں ہوتا تھا تو خفیہ طریقہ سے درختوں کے پتے کھاکر گذارا فرماتے۔ اور اپنے حال کے اخفاء کے لئے بہت عمدہ لباس زیب تن فرماتے۔ حکام وقت وظیفہ مقرر کرنے کے لئے اصرار کرتے جب بھی آپ اس کو قبول نہ فرماتے، جب ہمایوں کا گجرات پر تسلط ہوا تو اکثر علماء اور مشائخ جو اس زمانے میں احمد آباد میں مقیم تھے احمد آباد سے دوسری جگہوں میں منتقل ہوگئے۔ مگر آپ اپنے متوسلین سمیت وہیں مقیم رہے اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے موافق غلہ کھانا پینا غیب سے برابر پہنچاتے رہے۔

چالیس سال آپ نے خلوت میں گذارے۔ صرف جمعہ اور عیدین کے لئے باہر تشریف لاتے۔ ورنہ فرض نمازیں نماز باجماعت اپنے گھر میں اپنے حجرے ہی میں ادا فرماتے مگر اس کے بعد ایک واقعہ کی بنا پر آپ نے بارہ سال تک جمعہ و عیدین کے لئے بھی باہر نکلنا چھوڑ دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ رانا سانگا چیتوڑ کے حاکم نے احمد نگر پر حملہ کیا۔ اس کو تخت و تاراج کیا۔ اور سادات کے خواتین کو بجبر قید کر کے لے گیا۔ اور ان کو سرود و رقص پر مجبور کیا۔ جب سیّد احمد کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے نیت کر لی کہ میں خلوت سے اس وقت تک باہر نہیں آؤنگا جب تک کہ سلطانِ گجرات اس سے انتقام نہ لے۔ چنانچہ جب سلطان بہادر نے چیتوڑ کو فتح کیا تو اسی گھڑی آپ خلوت سے باہر تشریف لے آئے۔

ایک دفعہ سلطان محمود بیگڑہ کے متعلق خادم نے سلطان محمود کی یہ خواہش ظاہر کی کہ انہیں آم کھانے کی خواہش ہے۔ اس وقت آم کا موسم بھی نہیں تھا۔ تو بہت سارے آم آپ نے سلطان محمود بیگڑہ کی خدمت میں بھیج دیئے اور حاضرین کو بھی ۲ دو ۲ دو آم عطا فرمائے۔ سنہ ۹۴۴ھ صفر کے مہینہ میں آپکا انتقال ہوا[1]۔

اورنگزیب سید جعفر بخاری کے نام اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

سیادت پناہ و معارف آگاہ، سید عزیز القدر سید جعفر شاہ صاحب عنایتوں سے سر بلند ہو کر معلوم کریں کہ ۱۲ رجب کو دیبال پور کے مقام پر برادر بزرگوار بھائی اورنگزیب سے ملاقات ہوئی اور ہم سب یکجا ہو گئے۔ جمعہ کے روز ۲۲ تاریخ کو دشمن کو (جو بپاس ساٹھ ہزار جرار فوج لیکر جس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا توپ خانہ اور بے شمار ہاتھی تھے۔ بڑے غرور اور تمکنت کے ساتھ اجین سے

---

[1] خاتمہ مرأۃ احمدی صفحہ ۶۳۔

باہر نکلا، شہر سے چار کوس آگے بڑھ کر بہت بڑے رقبے میں اس نے مورچے لگا لیے تھے۔ ان کے چاروں طرف پانی کا نالا ایک قدرتی باڑھ کی طرح تھا۔) دفع کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور ایسی جنگ چھڑی کہ سو سال کی مدت میں ایسی جنگ ہندوستان میں نہیں ہوئی تھی۔ جاں نثار اور دلیر جوانوں نے دونوں طرف سے شیر کی طرح حملے کیے اور دادِ مردانگی دی۔ راجپوتوں نے تو ایسی بہادری دکھائی کہ ان سے اسکی توقع نہیں ہوسکتی تھی انھوں نے نمک حلالی اور جانثاری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی بے دھڑک جان کی بازی لگادی لیکن چونکہ تائیدِ الٰہی اور عنایتِ رسالت پناہی ہمارے شاملِ حال تھی ان کافروں فاجروں کی ایک بھی پیش نہیں گئی۔ آخر کار جسونت سنگھ اور قاسم خاں نے کاری زخم کھائے۔ ان کے بہت سے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ان دونوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور جان بچا کر بھاگے۔ مال و متاع اسپ (گھوڑے) فیل و شتر خیمہ و خرگاہ جو کچھ ساتھ تھا وہ سب کا سب ویسے ہی چھوڑ گئے اور اپنے اور اپنے اسلاف و اخلاف کے لیے شرم و عار کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکے۔

دشمن کے تقریباً پانچ ہزار نامی اور مشہور آدمی مارے گئے۔ ان میں سے اکثر تو بڑے پائے کے نامی سردار تھے۔ ان اس غضب کا پڑا کہ خود ہم کو اپنے بہادروں کی ہمت بڑھانے کے لیے آگے بڑھنا پڑا۔ اور ہم ہراول اور میمنہ کی فوج سے جا ملے۔ خود ہم نے اپنے ہاتھ سے بہت سے دشمنوں کو ٹھکانے لگایا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسی عظیم الشان اور نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ جو زمانے کو ایسی کامیابی نصیب ہوئی۔ اس احسانِ عظیم اور عنایتِ خاص کا شکر ہم پر اور تمام اہل عالم پر واجب ہے۔ پورا پورا شکر ادا کرنا تو انسان کی طاقت اور قدرت سے باہر ہے۔

اس فتح کے بعد تین روز تک ہم نے اجین میں توقف کیا۔ اس کے بعد ہم اکبرآباد روانہ ہو گئے ہیں۔ انشاء اللہ ہم عنقریب کامیاب اور فتح یاب ہونگے امید ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد کی ارواحِ پاک کے ساتھ ــــ ہماری کامیابی کے لئے توجہ فرمائیں گے۔ اور ہم کو توقع ہے کہ جس طرح اس فتح میں جو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور آپ کے خاندان کے بزرگوں کی توجہ سے ہم کو حاصل ہوئی۔ آپ کی توجہ بھی ہمارے شاملِ حال تھی۔ اسی طرح دوسری فتوحات کے لئے آپ دعا اور توجہ فرمائیں گے۔ [1]

شاہ فضل اللہ کاشانی

(م ۱۵ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۴۶ھ بمطابق ۲۷ر ستمبر سنہ ۱۵۳۹ء)

کاشان سے احمدآباد منتقل ہو کر یہیں مقیم ہو گئے۔ اور شاہ غزنی کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہو کر ان کے خلیفہ ہوئے۔ قرآن کریم سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ تجوید کی تعلیم پر خصوصی اہتمام فرماتے۔

کتب تصوف کا درس بھی دیتے جس میں علوم معارف کے بحر ذخار سے طالبانِ حقیقت کو قیمتی موتی نکال کر پیش کرتے۔

پندرہ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۴۶ھ میں آپ کی روح پرفتوح قفس عنصری سے علیین کی طرف کوچ فرما ہوئی۔ اور سابرمتی کے کنارے آپ کی قبر بنائی گئی۔ [2]

---

[1] اورنگزیب خطوط کے آئینہ میں۔ صفحہ ۳۰۲، [2] اکابرین گجرات صفحہ ۹۴۔

شیخ شہاب الدین احمد بن علی حلوی

(وفات ۹۵۱ھ)

شیخ شہاب الدین احمد بن علی حلوی۔ جو شیخ ابو بکر عید روس کے شاگرد ہیں انکی خدمت میں بیس سال رہ کر ظاہری، باطنی علوم حاصل کیے۔ پھر انہوں نے آپ کو ہندوستان کے سفر کا حکم دیا۔ اس لیے ہندوستان پہنچے اور یہاں بڑی مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی۔ یہاں ہندوستان آنے سے پہلے آپ بڑے تجار میں سے تھے۔ مگر آپ نے فقر و درویشی اختیار کی اور اسبابِ تجارت چھوڑ دیا۔

ان کے متعلق حکایت مشہور ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں تھے اس وقت خطاطی سیکھ رہے تھے۔ مسعیٰ میں آپ کو ایک شخص ملے اور آپ سے کہا۔ "اِذْهَبْ فَقَدْ اَعْطَيْنَاكَ الْخَطَّ وَالْحَظَّ"، کہ ہم نے آپ کو خط بھی دیدیا اور حظ بھی دیا، جب شیخ ابو بکر کی خدمت میں پہنچے اور ان کی شاگردی اختیار کی تو خود شیخ ابو بکر نے پوچھا کہ تمہیں یاد ہے کہ اس آدمی نے تمہیں مسعیٰ میں کیا کہا تھا۔ اور اس کی مراد کیا تھی تو خود ہی شیخ فرمانے لگے کہ وہ حضرت ابو العباس خضر تھے اور حضرت خضر نے خط اور حظ دو چیزوں کے متعلق آپ کو بشارت دی تھی خطاطی تو تم سیکھ گئے اور حظ وہ خود تمہاری ذات ہے۔ شیخ شہاب الدین کا ۹۵۱ھ میں احمد آباد میں انتقال ہوا۔ [1]

---

[1] النور السافر صفحہ ۲۱۴۔

میر سیّد رفیع الدّین صفوی رح

م سنہ ۹۵۴ھ بمطابق سنہ ۱۵۴۷ء

آپ حسب ونسب میں صاحبِ فضیلت بزرگ تھے ۔ آپ کے آباؤ اجداد سب کے سب عالم، صالح اور متقی تھے ۔ تفسیر معینی کے مصنف میر معین الدین آپ کے اجداد میں سے تھے جو سالہا سال تک مدینہ منورہ کے مجاور رہے ہیں اور بعد میں بھی آپ کی اولاد میں سے بعض مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے یہ تفسیر معینی جامع اور مفید تفسیر ہے اس کے علاوہ چند رسائل اور ہیں جو جزئی مسائل کی تحقیق میں ہیں ۔

شیخ صفی الدین کی طرف نسبت کرنے والے اپنے کو سادات صفویہ بتلاتے ہیں ۔ یہ بھی آپ کے اجداد میں سے ہیں ، غالبًا شیخ الحدیث، قدوۃ المحققین مولانا جلال الدین محمد دوّانی جن کو سادات اسلامیہ کہتے ہیں یہ بھی آپ کے اجداد میں سے تھے اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کو روضۂ سرورِ عالم سے ان کے سلام علیک کا جواب ملا کرتا تھا ۔

غرضیکہ میر سید رفیع الدین صفوی بڑے دانشمند محدث تھے ۔ جود وسخاوت ، اخلاق اور مہربانیوں کے مجسمہ تھے ۔ آپ معقولات میں مولانا جلال الدین کے شاگرد ہیں جو آپ کے آباؤ اجداد کی بزرگی کے پیش نظر شیراز میں آپ کے گھر آکر آپ کو پڑھاتے تھے ۔ آپ کو علم حدیث میں شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن محقق علم حدیث اور قدوۂ متاخرین سے شرف تلمذ حاصل ہے ۔ کہتے ہیں کہ شیخ سخاوی رح نے میر سید رفیع الدین کی آمد سے قبل تقریبًا پچاس کتابوں سے روایت کرنے کی اجازت دی تھی جس کے بعد میر سید رفیع الدین نے بالمشافہ حدیث پڑھی اور عرصہ دراز تک شاگرد رہے ۔

آپ کا اصلی وطن شیراز تھا اور پیدائش بھی شیراز میں ہوئی ہے اس کے بعد اپنے والدین کے ساتھ حرمین شریفین میں سکونت پذیر ہو گئے ۔

پھر سلطان سکندر کے زمانے میں گجرات سے دہلی روانہ ہوئے اور سلطان سکندر کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ اگرچہ آپ کو مال و دولت بہت ملتا تھا لیکن سب کو اللہ کے راستے میں لٹا دیتے تھے۔ آخر میں سلطان سکندر کی اجازت سے آگرہ میں مقیم ہو گئے۔ اب آپ کے خاندان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہا، جس کو آپ سے معمولی سی بھی رشتہ داری ہو۔ آپ کی نسل بالکل ختم ہو گئی ہے۔ ایک فرد بھی زندہ نہ رہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط۔

آپ نے ۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء میں وفات پائی آپ کا مزار آگرہ میں اسی گھر میں ہے جس میں آپ مقیم تھے۔ [1]

حسن بیگ صلائی

ولادت ۹۵۵ھ بمطابق ۱۵۴۸ء

صلائی ۹۵۵ھ / ۱۵۴۸ء میں پیدا ہوئے ان کا مولد ساحل مرغاب ہے۔ نشو و نما اور تربیت اسفراین میں پائی اور یہی ان کا آبائی وطن ہے۔ نسلاً، چغتائی ہیں اور ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو قدیم زمانے میں طوس میں نہایت معزز اور مکرم مانا جاتا تھا۔ آپ حکمت و فلسفہ، نجوم وریاضی میں ماہر تھے۔

۹۸۱ھ میں جب کہ عمر چھبیس[26] سال تھی سیاحت ہند کا شوق ہوا۔ یہاں پہنچ کر اکبری دربار سے وابستہ ہوئے۔ ۹۸۹ھ کے بعد گولکنڈہ گئے۔ ۹۹۷ھ میں احمد نگر پہنچے۔ اسی سال جب وہاں پردیسیوں کا

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۱۳، ۱۴۔

قتلِ عام کیا جاتا ہے تو صلائیؔ اپنی جان بچاکر احمد نگر سے نکل جاتے ہیں۔ پھر فرزند کی وفات کا صدمہ سہنا پڑتا ہے۔

اس لئے مصائب سے تنگ آکر وطن کا عزم کرتے ہیں اور سندھ پہنچ کر جہاز میں بیٹھتے ہیں مگر جہاز سمندری طوفان میں پھنس گیا بالآخر دو مہینے اور تین دن سمندر کی مسلسل آفتیں سہنے کے بعد یہ ساحل گجرات پر آلگا۔ اور صلائیؔ نے خشکی پر قدم رکھا۔ پھر صلائیؔ عازم بیت اللہ ہوئے اور ۹۹۹ھ میں فریضۂ حج ادا کیا اور دو سال دیار عرب میں قیام کیا پھر ہندوستان واپس لوٹے۔ صوبۂ گجرات کے شہر کھنبایت میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور تجارت میں مصروف ہو گئے۔

گجرات میں ان ایام میں مظفر شاہ آخری تاجدار گجرات (متوفی ۹۷۰ھ) کے فرزند بہادر جسے صلائیؔ ابن ننول کے نام سے یاد کرتے ہیں اپنی یلغار اور لوٹ مار میں کھنبایت/کھمبات کے عوام کو بھی نشانہ بنایا۔ خود صلائیؔ کہتے ہیں کہ میرا تیس سال کا اندوختہ غارت ہو گیا۔

مرزا ابو القاسم محی الدین صدر گجرات کی وساطت سے صلائیؔ نے جہانگیر سے نقصان کی تلافی کی درخواست کی۔ اس پر بادشاہ نے صلائیؔ کو سو بیگھہ زمین کھنبایت میں عنایت کرنے کا فرمان لکھدیا۔ شاہی حکم لے کر صلائیؔ کھنبایت آئے۔ حاکم بندر نے اسی وقت زمین ناپنے اور چک بندی کا حکم دیا۔ لیکن گوبند نے، جو شہر کا پٹیل تھا اور جس کا فرض زمین ناپنا تھا۔ شاعر کو تازہ ولایت سمجھ کر کچھ افتادہ اور کچھ اونچی نیچی زمین بتاکر ٹالنا چاہا۔ ان کا اصرار تھا کہ مزروعہ زمین دیجائے جیسا کہ شاہی حکم میں درج ہے۔ گوبند پر غصہ کے عالم میں آپ نے اس کا مزاج درست کرنے کے لئے قصیدہ ذیل نظم کیا۔

عرضی است بندہ را شنوای معدلت دثار
از قبح فعل را بتر برگشتہ روزگار
سرکش ز حکم شاہ جہانگیر مبرمی
کو را بجز تقلب و تکذیب نیست کار

نواب مستطاب فریدون فراز عطار
دادم وظیفۂ صلہ مدح شہریار
صد بیگہ بہ بندر کمبایتم زمین
مزروع او فتادہ برابر گہ شمار

اس کے برعکس مرزا ابوالقاسم محی الدین کی مدح میں کم از کم دس قصائد کہے ہونگے۔

صلائی ایک قصیدے میں جو مرزا ابوالقاسم کی مدح میں ہے نظیری کی طرف تلمیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس وقت نظیری گجرات میں تھے۔

از آں میان ملک الافصح آنکہ میدانی
کہ شد تصوف او ہجو اہل نیشاپور را

صلائی کے ممدوح اور بھی ہیں۔

(۱) قلیچ خان جو ۱۰۱۴ھ میں صوبہ دار گجرات تھے۔

(۲) مرتضیٰ خان بخاری جو ۱۰۱۵ھ میں صوبہ دار گجرات ہوئے۔ صلائی نے ان کی مدح میں تین قصیدے لکھے ہیں۔

(۳) خان اعظم صوبہ دار گجرات۔

(۴) جہانگیر قلی خان۔

(۵) مقرب خان صوبہ دار گجرات۔

(۶) مصطفےٰ خان، میر ضیاء الدین قزوینی سیفی۔

(۷) خواجہ نظام۔

(۸) مسعود بخشی صوبۂ گجرات۔

آپ کا دیوان تقریباً سات ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ جس کے کئی نسخے مطلا و مذہب تقی اوحدی نے دیکھے ہیں۔

صلائی کا ایک دیوان ۱۰۱۱ھ میں کھمبایت گجرات میں قلم بند کیا گیا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا۔

تذکرہ 'مخزن الغرائب' اور 'روز روشن' میں بھی صلائی کا تذکرہ کیا گیا ہے جو تقی اوحدی کے بیان سے ماخوذ ہے۔ صلائی کی ہندوستان میں تقی اوحدی سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔

صلائی تخلص کا دوسرا شاعر بھی ہے۔ جس کا نام جلال الدین حسن ہے جو عباس ماضی کے ہاں منصب صدارت پر تھا۔ اور ۱۰۲۰ھ میں اسکی وفات ہوئی۔ [۱]

حسن بن محمود انصاری

م ۴ رجب ۹۵۶ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۵۴۹ء

شیراز کے ایک صاحب کمال خوشنویس تھے طہماسپ صفوی کے عہد میں سنی ہونیکے باعث شیراز سے بھاگ کر حجاز گئے۔ وہاں فن حدیث کی تحصیل کی اور سلطان مظفر کے زمانے میں گجرات اور وہاں سے آگرہ آئے ۴ رجب ۹۵۶ھ/ ۲۹ جولائی ۱۵۴۹ء کو آگرہ میں ان کا انتقال ہوا۔ [۲]

---

[۱] مقالات شیرانی ص ۲۴۴ تا ۲۴۶۔ [۲] مقالات عرشی ص ۹۹۔

ابوالفضل خطیب گازرونی

(م ۹۵۹ھ - ۱۵۵۵ء)

مندوی نے آپ کو شیراز کی طرف اور ابن المبارک نے گازرون کی طرف منسوب کیا ہے۔ [1]

شیراز میں پیدا ہوئے، علوم عربیہ کی تکمیل مولانا جلال الدین دوانی وغیرہ اکابر علماء سے کی، سلطان محمود گجراتی کے عہد میں گجرات آئے۔ شیخ مبارک کے استاد خصوصی تھے انہوں نے انہی کے نام پر اپنے بیٹے کا نام ابوالفضل رکھا تھا۔ حاشیہ بیضاوی، اور حاشیہ شرح مواقف اور شرح ارشاد (قلمی) ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔

شیخ ابوالفضل محمد قرشی صدیقی شیرازی کی تصانیف میں سے تین کتابیں موجود ہیں۔ جن میں ایک تفسیر بیضاوی پر حاشیہ (پشاور ۴۸ - رام پور ۲۷)۔ ہے، بیضاوی کی تفسیر ہر دور میں ہر ملک کے اہل علم میں مقبول رہی ہے۔ اور اس پر سینکڑوں علماء نے حواشی لکھے ہیں۔ خطیب گاذرونی بھی ان اہل علم میں شامل ہیں۔ خطیب نے اپنے حواشی میں بیضاوی کے مشکل مقامات کا حل پیش کیا ہے اور عقلی ونقلی علوم کی بنیاد پر توحید، عقائد اور عبادات کے مسائل بیان کرنے کے علاوہ لغت، نحو، اور بلاغت کے مسائل سے بھی تعرض کیا ہے۔ گاذرونی کے یہ حواشی حاجی خلیفہ کی نظر سے گذرے تھے۔ وہ مصنف کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

: ھی حاشیۃ لطیفۃ فی مجلد اورد فیھا من الدقائق والحقائق مالا

[1] نزھۃ الخواطر ص ۳۱/۴ ج -

یحضی، یہ ایک عمدہ حاشیہ ہے جو ایک جلد میں ہے۔ مصنف نے اس میں بڑے باریک حقائق بکثرت جمع کر دیئے ہیں۔

خطیب کے ان حواشی سے ترکی عالم دین حسن آفندی، قاضی رشید نے اپنی کتاب: لوائح الفرح بالطالع السعید المشتملۃ علی الذکر والمدح والبسملہ والتحمید، میں بڑی مدد لی اور علم کلام کے مسائل اور معانی القرآن کے اسرار بیان کیے ہیں۔

خطیب گازرونی کی دوسری کتاب: حاشیہ علی شرح المواقف، (پشاور ۶۵۸۵) ہے جو قاضی عبدالرحمن بن احمد الایجی کی کتاب: مواقف فی علم الکلام، کی بہترین شرح المواقف، للسید الشریف علی بن محمد الجرجانی (۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء) پر حواشی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

شیخ ابوالفضل گازرونی کی تیسری کتاب: شرح الارشاد، (بانکی پور ۲۱۳۲) ہے۔ الارشاد فی النحو، قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی (۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء) کی تصنیف ہے جو ہندی علماء کے ہاں بہت مقبول رہی ہے۔ گازرونی کے حواشی تمام کتاب کو حاوی نہیں بلکہ صرف اہم چیدہ چیدہ مقامات اور مسائل کو لیا گیا ہے۔ وہ ہر مسئلہ کا آغاز: قولہ: کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس پر تفصیل سے کلام کرتے ہیں۔ مثلاً قولہ: الکلمۃ اسم ان استقلت دلالۃ کی وضاحت یوں کرتے ہیں ای یمکن تصور معناہ من غیر ان یکون آلۃ لملاحظۃ شئ آخر۔ یہ کتاب بھی حاجی خلیفہ کی نظر سے گزری تھی اور انہوں نے ان کی تعریف کی ہے ۹۵۹ھ/۱۵۵۲ء میں فوت ہوئے۔[۱]

---

[۱] تاریخ ادبیات ص ۲۳۴۔

شیخ غیاث الدین ثانی ابن شیخ عبدالوہاب معروف بہ شاہ جیو قادری

م ۹ / رمضان سنہ ۹۶۰ھ

حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی کے واسطے سے آپ کا نسب امام جعفر صادق پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت احمد آباد میں ہوئی۔ اور سید والد محترم سے ظاہری و باطنی تعلیم پائی۔ اور خرقۂ خلافت بھی پایا۔ پھر شب و روز مخلوق خدا کی تعلیم و تلقین میں گذارے یہاں تک کہ ۹/ماہ رمضان سنہ ۹۶۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور احمد آباد میں مدفون ہوئے۔[1]

ملا محمد قاسم فرشتہ

ولادت سنہ ۹۶۲ھ بمطابق سنہ ۱۵۵۴ء

فرشتہ کا پورا نام ملا محمد قاسم ہندو شاہ ہے اور تخلص فرشتہ آپ کے والد کا نام مولانا غلام علی ہندو شاہ تھا، بیٹے کی طرح باپ کے حالات بھی پردہ خفا میں ہیں۔ فرشتہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ سنہ ۹۶۱ھ میں جبکہ ایک ہی سال میں تین بادشاہوں برہان نظام شاہ بن احمد شاہ بحری، سلطان محمود گجراتی اور سلیم شاہ سوری نے داعی اجل کو لبیک کہا تو مولانا غلام علی نے ان سب کی ایک ساتھ تاریخ وفات کہی جو یہ ہے۔ ؎

سہ خسرو دراز وال آمد بیک بار | کہ ہند از عدل شاں دارالامان بود
یکے محمود شاہنشاہ گجرات | کہ ہم چوں دولت خود نوجواں بود

[1] اکابرین گجرات صہ۶۰۔

دوم اسلیم شہ سلطان دہلی — کہ در ہندوستان صاحبقراں بود
سوم آمد نظام آں شاہ بحری — کہ در ملک دکن خسرو نشان بود
زمن تاریخ فوت ایں ہر سہ خسرو
چو مے پرسی زوال خسرو آں بود

فرشتہ کا آبائی وطن استرآباد ہے۔ جہاں وہ ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں وہ احمدآباد آ گئے۔ جہاں انہوں نے شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ تعلیم حاصل کی جب یہ نوجوان ہوئے تو مرتضیٰ نظام شاہ کے حلقۂ ملازمین میں شامل ہو گئے۔ حسین نظام شاہ ثانی کے قتل کے بعد یہ بیجاپور چلے گئے اور ۱۵۸۹ء میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے سب سے پہلے اختیارات قاسمی؎ کے نام سے طب کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ فرشتہ ملکی مہمات میں زیادہ تر مشغول رہتے تھے۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی بڑے علم دوست فرماں روا تھے انہیں جب فرشتہ کی علمی صلاحیتوں اور خاص کر علم تاریخ سے دلچسپی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے فرشتہ کو ہندوستان میں اسلامی عہد حکومت کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا جب بادشاہ کا اصرار حد سے بڑھا تو انہوں نے مجبور ہو کر قلم اٹھایا اور نمونے کے چند اوراق لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے۔ ان اوراق میں انہوں نے عمداً ابراہیم کے باپ علی عادل شاہ اول کے حالات لکھے اور اس کے قتل کے شرمناک واقعہ کو بلا کم و کاست بیان کر دیا۔

ابراہیم نے ان اوراق کو پڑھا اور اپنے باپ کی محبت سے زیادہ فرشتہ کی حقیقت نگاری کو ملحوظ خاطر رکھا اور ان کی اس روش کو سراہا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ایسی ہی جرأت سے تاریخ لکھنے کا کام شروع کر دیں۔ اس واقعہ سے جہاں ایک طرف فرشتہ

کی بیباکی اور حق گوئی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں دوسری طرف ابراہیم کی منصف مزاجی کا بھی پتہ چلتا ہے ۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد حکومت کے واقعات فراموش ہو چکے ہیں لیکن اس کا یہ کارنامہ کہ اس نے فرشتہ سے تاریخ لکھوائی اس کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رکھیگا

فرشتہ نے یہ تاریخ ۱۰۱۶ھ سے لکھنی شروع کی اور پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۰۲۱ھ میں اسے مکمل کیا ۔ انہوں نے ۳۲ تاریخی کتابوں سے استفادہ کر کے تاریخ فرشتہ کو مکمل کیا ۔ [۱]

شیخ حسن بن موسیٰ

(م رجب ۹۶۲ھ / ۱۵۵۵ء)

شیخ حسن کی ولادت احمدآباد میں ہوئی ۔ بچپن ہی میں تجوید کے ساتھ حفظ قرآن کر لیا تھا ۔ علوم درسیہ سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور تادم حیات یہی شغل رہا ۔

رجب ۹۶۲ھ میں وفات پائی ۔ احمدآباد میں مدفون ہیں ۔ [۲]

شیخ رحمت اللہ

م ۱۹ر جمادی الاخری ۹۶۶ھ مطابق ۱۵ر فروری ۱۵۶۰ء

شیخ عالم متوکل رحمت اللہ بن عزیز اللہ عمری ۔ یکے از علمائے عاملین و عباد اللہ الصالحین ۔ اپنے والد سے پڑھا ۔ اور آپ ہی سے علم و تربیت حاصل کی ۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ ص ۳۷ [۲] تذکرہ قاریان ہند ۔

ان کے والد مشائخ کبار سے تھے۔ آپ بھی ان کے بعد مرتبہ مشیخت پر فائز رہے صلاح وعفاف و توکل اور گوشہ نشینی میں ممتاز تھے۔ زہد و ورع واستقامت میں ان کا مقام بلند تھا۔ جب پدر بزرگوار سے گجرات کی اجازت ملی تو احمدآباد جاکر اس کے ایک کنارے پر قیام کیا اور یہاں صوف پوشوں سے خانقاہ آباد ہوئی اور اس سبب سے وہ کوچہ شیخ پور کے نام سے مشہور رہا۔

آپ سے شیخ بہاؤالدین کے علاوہ اور بہت سے حضرات نے استفادہ کیا ۱۹ رجمادی الاخری ۹۶۷ھ بمطابق ۱۵ فروری ۱۵۶۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔[۱] نوراللہ مرقدہ۔

اکابرین گجرات میں فرخ شاہی سے نقل کیا ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ گجرات کے علماء، فضلاء سے حصول علم کے بعد علم طریقت والد محترم سے حاصل کیا۔ اور ان کے خلیفہ شمار ہوئے۔ اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ شیخ مجدالدین چشتی سے بھی تعلق ارادت قائم کیا اور ان کی طرف سے بھی خلافت پائی اور ر دوآتشہ ہو گئے۔

سلطان محمود بیگڑہ کو آپ سے ارادت تھی۔ اور شیخو پورہ میں سلطان محمود نے آپ کے لئے خانقاہ اور مسجد تعمیر کروائی اور یہیں پر تادم حیات مخلوق خدا کو فیض یاب کرتے رہے۔ ۲۲ رجمادی الثانی ۹۲۵ھ بمطابق ۱۰ اپریل ۱۵۵۸ء کو شیخو پورہ میں رحلت فرما کر اسی کو حشر تک کے لئے مسکن بنا لیا۔[۲]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں لکھا ہے کہ!

شیخ رحمت اللہ بن شیخ عزیز اللہ صدیقی۔ آپ صاحب ورع وتقویٰ تھے۔ سلطان محمود بیگڑہ آپ کے مرید تھے شیخ پور آپ کا آباد کیا ہوا ہے

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص۲۰۱ جہارم ۱۱۴، گلزار ابرار ص۲۰۴ [۲] اکابرین گجرات ص۴۹ فرخ شاہی۔

شیخ عزیز اللہ متوکل کے صاحبزادے شیخ سعد اللہ تھے ان کے صاحبزادے مخدوم شیخ رفیع اللہ تھے۔ ان کی صاحبزادی خوشترا بی بی خونزا بی بی بڑی عابدہ زاھدہ تھیں اور انہوں نے عمر دراز پائی۔ یہ خاتون حضرت شیخ محمد چشتی رح کی خالہ ہوتی تھیں۔ جب جہانگیر ۱۰۲۰ھ میں احمدآباد تشریف لائے تو آپ نے ان کو ملاقات کے لئے طلب فرمایا بی بی نے جواب دیا کہ ہم گوشہ نشین مستورات میں سے ہیں۔ ہمیں بادشاہوں سے ملاقات سے کیا کام۔ اگر صرف دعا چاہتے ہیں تو ہم صرف غائبانہ دعا کرسکتی ہیں۔

بادشاہ نے ان کو معذور رکھا اور ان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔ ان کی قبر نصیر آباد میں میاں مخدوم عطاء اللہ بن شیخ نصیر اللہ چشتی کی قبر کے نزدیک واقع ہے۔ [1]

شیخ عبدالملک بنبانی عباسی

(م ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء کے بعد)

محدث عبدالملک بنبانی عباسی احمدآبادی۔ اکابر علماء میں سے تھے۔ مولد و منشار احمدآباد ہے اپنے بھائی قطب الدین عباسی سے درسیات و حدیث پڑھی جو حدیث میں شیخ شمس الدین بن محمد سخاوی مصری مولف "الضوء اللامع" کے شاگرد تھے۔

آپ نہایت طباع اور ذہین تھے۔ فقہ و حدیث و تفسیر اور ادب ہر ایک میں یکتا تھے۔ آپ قرآن مجید اور صحیح بخاری کے لفظاً و معناً حافظ تھے۔ ان کے معاصرین میں توکل و تنہائی میں کوئی دوسرا ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔ مولانا کمال الدین مفتی اجین آپ کے شاگرد تھے ۹۷۰ھ کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ [2]

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۸۳ [2] گلزار ابرار، نزھۃ الخواطر ۳۴۵ ص ۲۳۲ ج ۴۔

معارف میں مطبوعہ آپ کے حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں - علم حدیث کی خدمت میں بعض خاندانوں نے نمایاں حصہ لیا ۔ ان میں سے گجرات کے ایک بنبانیوں کا خاندان ہے ۔ اس خاندان نے بہت سے علماء پیدا کئے، جو آسمانِ علم کے درخشاں ستارے ثابت ہوئے، اور افتاء قضاء کے جلیل القدر مناصب پشتوں تک اُن کے خاندان میں رہے ۔ اور اس خاندان کے باکمال وزراء نے نہ صرف ملکی انتظام میں نام پیدا کیا، بلکہ علوم وفنون کی سرپرستی، علماء کی قدردانی، صلحاء واتقیاء سے عقیدت ونیازمندی اور اپنے ذاتی علمی کمالات کا نقش تاریخ کے صفحات میں چھوڑا، بنبانیوں کی اصل کے متعلق جمعات شاہیہ جلد چہارم (قلمی) میں اس طرح لکھا ہے ۔

"بنبان ولایتی ست مابین خراسان وملتان وایں جماعت کہ بہ ملک گجرات بہ بنبان مشہور اند ازانجا آمدہ　وایشاں از حضرت عبداللہ بن عباس اند"

ہمیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس خاندان کے بزرگوں نے کس زمانہ سے گجرات میں سکونت اختیار کی، لیکن اس کے علماء میں شیخ صدرالدین کا زمانہ سب سے مقدم معلوم ہوتا ہے ۔ شیخ صدرالدین نے کئی کتابیں تصنیف کیں ۔ جن کو انہوں نے شاہانِ گجرات کے نام سے معنون کیا۔ شیخ مذکور کو عربی ادب اور صرف ونحو سے خاص لگاؤ تھا،

قصیدۂ البردہ، قصیدہ کعب ابن زہیر، قصیدہ لامیہ (قاضی عبدالمقتدر) وغیرہ پر انہوں نے حواشی لکھے ہیں، نحو کی مشہور کتاب "الوافی" کی شرح "الکافی" انہی کی ہے ۔ ہندوستان میں غالباً اس کتاب کی پہلی شرح یہی ہے شیخ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام تفسیر بحرالمعانی رکھا، وہ غالباً آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں بقیدِ حیات تھے ۔

شیخ منہاج الدین بنبانی غالباً شیخ صدر الدین کے بیٹے تھے ۔ انہیں علم حدیث، تصوف اور صرف و نحو سے بہت دلچسپی تھی ۔ علم النحو میں ان کے مرتبے کا اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب مشہور مصری عالم شیخ بدر الدین دمامینی احمد آباد میں قیام پذیر تھے ، اس وقت ان میں اور شیخ منہاج میں چند نحوی مسئلوں کے متعلق بحث چھڑ گئی اور دمامینی کو ان کے رد میں ایک کتاب الفتح الربانی فی الردّ علی البنبانی لکھنی پڑی ، اُن کی تصانیف کی تعداد اسّی سے متجاوز تھی۔ لیکن حدیث کی تالیفات میں سے صرف بخاری اور مسلم کی شرحوں کے نام ہم تک پہنچے ہیں ۔

شیخ فیض اللہ بن زین العابدین بنبانی کا ہمیں شکر گذار ہونا چاہئے کہ ان کی مجمع النوادر سے اکثر حالات ماخوذ ہیں ۔ شیخ فیض اللہ گجرات کے مشہور سلطان محمود بیگڑہ (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے خزانچی تھے ۔ شیخ نے قرآن مجید کی تفسیر دستور الحفاظ اسی سلطان کے نام سے معنون کی ہے

اس کے علاوہ اُن کی تاریخ صدر جہاں[1] اور مجمع النوادر[2] نہایت مفید تصانیف ہیں ، اتفاق سے یہ تینوں نوادر دست و بردِ زمانہ کے ہاتھوں برباد ہونے سے بچ گئے ہیں ۔

اسی خاندان کی ایک مایۂ ناز ہستی شیخ عبدالعزیز المعروف بہ عبدالملک بنبانی ہے ۔ انکا سلسلۂ نسب عبداللہ بن عباس سے ملتا ہے جس کی چند کڑیاں حسبِ ذیل ہیں ۔

---

[1] مختصر نوٹ کے لیے دیکھو روئداد کل ہند تاریخ کانفرنس اجلاس بمبئی "گجرات کی چند تاریخی کتابوں کی تعیین" [2] اس کتاب پر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے ایک پر مغز مقالہ سپرد قلم کیا ہے لاہور کے اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا ہے ۔

شیخ عبدالملک بن شیخ محمود بن شیخ خضر بن شیخ نصیرالدین بن شیخ برہان الدین بن شیخ خضر بن شیخ عیسیٰ بن شیخ حسن بن شیخ الیاس ۔

شیخ عبدالملک زین البلاد احمد آباد میں پیدا ہوئے، اور وہیں ۹۷۰ھ کے قریب قریب انتقال فرمایا، خاندان کے اور بزرگوں کی طرح شیخ عبدالملک بھی خانوادہ سہروردیہ سے منسلک تھے غالباً انہی کی خانقاہ میں تعلیم پائی ہوگی، حدیث اپنے بڑے بھائی شیخ قطب الدین بنبانی سے پڑھی، جن کو مشہور مصری عالم شیخ شمس الدین سخاوی سے سند حاصل تھی، حدیث میں مولانا عبدالملک کے ممتاز شاگردوں میں مولانا کمال محمد عباسی (مفتی اجین مالوہ) کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ شیخ عبدالملک نے تفسیر وحدیث میں کمال حاصل کیا۔ اور استاذ زمانہ کے رتبۂ عالی پر فائز ہوئے۔ انہیں صحیح بخاری ازبر تھی، ہمیشہ مسجد اور حجرے میں ورد اوراد میں مشغول رہتے، توکل اور تجرید میں آپ کی مثال نہ تھی۔ تمام علوم کا زبانی درس دیا کرتے تھے، افسوس ہے کہ مولانا جیسے باکمال محدث کے متعلق ہماری معلومات بہت کم ہیں۔ ان کے ایک فرزند شیخ عبداللطیف (متوفی ۹۱۵ھ) نے مشارق الانوار کی شرح "مبارک الازھار" لکھی ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ بھروچ کے قاضی صاحب سید نورالدین احمد حسین کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھا۔

شیخ خلیل محمد عباسی، شیخ عبداللطیف کے صاحبزادے ہیں والد سے علم حدیث حاصل کیا۔ احمد آباد کے بخاریوں کے ایک مشہور عالم اور صوفی سید محمد مقبول عالم[۱] انہی سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ علامہ نورالدین (متوفی ۱۱۵۵ھ) نورالقاری

---

[۱] مختصر ترجمہ کیلئے دیکھو مرأۃ احمدی ص ۲ طبع بمبئی۔

فی شرح البخاری میں فرماتے ہیں!

وبہ قال مولانا مقبول عالم حدثنی مولانا خلیل محمد عباسی البنبانی حدثنی والدی عبداللطیف حدثنی والدی عبدالملک حدثنی محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ الخ۔

ذیل میں ہم عبدالملک بنبانی محدث گجراتی کی اسناد حدیث پیش کرتے ہیں، یہ اسناد شیخ رشیدالدین چشتی کی کتاب مخزن الاولیاء سے لی گئی ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے کتب خانہ میں موجود ہے چونکہ سلسلۂ اسناد میں زیادہ تر نام ہی ہیں اس لئے ہم عربی متن کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

صحیح بخاری انہ یروی من الشیخ محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ عزالدین عبدالعزیز عن شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر عن محمد بن محمد الہاشمی عن قاضی القضاۃ محب الدین محمد بن محمد بن محمد الطبری عن الشیخ ابی الفتح المراغی عن شہاب الدین ابی العباس احمد بن ابی طالب بن ابی نعیم نعمۃ بن حسن بن علی بن بیان بن شحمۃ الحجازی الدمشقی الصالحی عن سراج الدین ابی عبداللہ الحسین بن المبارک بن محمد بن یحیی الزبیدی عن ابی الوقت عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب بن اسحاق بن ابراهیم الصوفی السنجری ثم البردی عن جمال الاسلام ابی الحسن عبدالرحمن بن محمد بن المظفر بن محمد بن داؤد بن احمد بن معاذ بن اسهل بن الحکم الداؤدی عن ابی محمد عبداللہ بن احمد بن حمویۃ

بن احمد بن یوسف بن اعین الحموی لسرخسی عن ابی عبد اللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر بن ابراھیم البخاری العزیزی عن محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہم اللہ ۔

صحیح مسلم انہ یروی من محمد المدعو بجار اللہ عن ابی العباس احمد بن ابی طالب الصالحی المذکور فی سند صحیح البخاری وانہ یروی عن محمد بن ابی السعادۃ الحالی قال اخبرنا الحافظ ابوالقاسم عبد الرحمٰن بن محمد بن اسحٰق بن مندۃ الاصفہانی عن الحافظ ابی بکر محمد بن عبد اللہ الجوزقی قال ابوحاتم المکی بن عبد اللہ التمیمی قال اخبر الامام ابوالحسین مسلم رحمۃ اللہ علیہ

سنن ابی داؤد قد یروی من محمد المدعو بجار اللہ قال اخبرنی والدی عزالدین عبد العزیز سماعاً قال اخبرنا ابوالعباس بن ابی بکر الواسطی وابوعبد اللہ محمد بن احمد بن کامل الترمذی عن الخطیب ابی الفتح محمد بن محمد المنذری قال اخبرنا ابوالفضل عبد الرحمٰن بن یوسف بن یحیٰی الموصلی سماعاً قال اخبرنا ابوالفتح مفلح الدین بن احمد الدومی وابوالنصر ابراھیم بن محمد الکرخی سماعاً عن المسند ابی طاھر محمد بن محمد بن عبد اللطیف قال انبا تنا ام عبد زینب ابنۃ احمد بن عبد الرحیم المقدسی عن ابی القاسم بن الحاسب قال حدثنی الحافظ ابوالطاھر احمد بن محمد السلفی اذناً قال کتب ابوجعفر العبادانی من البصرۃ قال اخبرنی القاضی ابوعمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الھاشمی قال اخبرنا ابوعلی محمد بن احمد بن عمر اللؤلؤی، قال اخبرنا الامام ابوداؤد السجستانی رحمہم اللہ تعالیٰ ۔

سنن الترمذی انّہ یروی من الشیخ محمّد المدعو بجار اللہ عن والدہ عزالدّین عبد العزیز قال اخبرنی شیخ الحنفیہ امین الدین یحیٰی بن محمّد القاھری قال اخبرتنا الاصلیّۃ ام محمد سارۃ ابنۃ عمر الحموی قال أنبأنا الصّلاح عمر بن الحسین المراغی قال اخبرنا الفخر ابوالحسن علی ابن احمد البخاری المقدسی اخبرنا ابوالفتح عبد الملک بن عبد اللہ الکرخی سماعًا اخبرنا ابوعامر محمود بن قاسم الازدی قال اخبرنا ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد بن محبوب المحبوبی قال اخبرنا الامام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی رحمہم اللہ۔

سنن نسائی انّہ یروی من محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ عزالدّین عبد العزیز قال اخبرنا الحافظ تقی الدّین محمد بن علوی المالکی اذنًا قال اخبرنا قاضی القضاۃ ابن زین الدین ابی بکر بن الحسین المراغی المدنی قال اخبرنا المسند برھان الدین ابراھیم بن محمد الدمشقی المؤذن سماعًا قال اخبرنا مسند الدنیا شھاب ابوالعباس احمد بن ابی طالب، قال اخبرنا ابوطالب عبد اللطیف بن محمد قال اخبرنی ابو ذرعہ طاھر بن محمد بن طاھر المقدسی سماعًا قال اخبرنا محمد عبد الرحمٰن سماعًا قال اخبرنا ابوالنصر احمد بن الحسین بن محمد الدینوری قال حدثنی ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق السّنّی قال حدثنی ابوعبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النّسائیؒ۔

سنن ابن ماجہ انّہ یروی محمّد المدعو بجار اللہ عن والدہ عزالدین عبد العزیز قال اخبرنا

الشیخان الحافظان تقی الدین محمد علوی المکی و قاضی القضاۃ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر اذنا قال البرھان ابراھیم بن صدیق الدمشقی سماعًا . قال اخبرنا رحلۃ الدنیا ابو العباس احمد بن ابی طالب الصالحی اذنا قال اخبرنا ابو محمد عبد اللطیف بن محمد بن علی قال اخبرنا ابو منصور محمد بن الحسین القزوینی سماعًا . قال اخبرنا ابو طلحۃ القاسم بن المنذر الخطیب قال اخبرنا ابو الحسن علی بن ابراھیم بن العطار قال اخبرنا الامام ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی المعروف بابن ماجہ .

مؤطا امام مالک

یرویہ بن محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ عز الدین عبد العزیز عن شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر قال اخبرنا العلامہ برھان ابراھیم بن احمد بن الواحد قال اخبرنا المسند ابو عبد اللہ محمد بن جابر بن محمد بن قاسم وادی آشی تونسی قال اخبرنا ابو محمد عبد اللہ بن ھارون القرطبی الطائی سماعًا قال اخبرنا القاضی ابو القاسم احمد بن زید بن عبد الرحمٰن بن تقی قال اخبرنا ابو عبد اللہ بن فرخ الفقیہ مولی محمد بن الطلاع قال اخبرنا ابو ولید یونس بن عبد اللہ بن مغیث عن ابی عیسٰی یحییٰ بن عبد اللہ عن ابیہ عبید اللہ بن یحییٰ عن ابیہ الامام یحییٰ بن یحییٰ اللیثی عن الامام مالک ۔ (معارف ص ۲۶)

شیخ عبد الملک کو صحیح البخاری لفظاً و معنیً یاد تھی

مورخ شیخ عبد الملک کے متعلق لکھتے ہیں

کَانَ حَافِظًا لِلْقُرْاٰنِ وَصَحِیْحِ الْبُخَارِی لَفْظًا وَمَعْنًی وَ کَانَ یُدَرِّسُ

عن ظہر قلبہ ولم یکن مثلہ فی زمانہ فی التوکل والتجرید ۔ (تاریخ گجرات)
شیخ محمد الفارسی نے عجون موارد السلسلۃ فی الاحادیث المسلسلۃ، میں آپ کا ذکر روایۃ مسلسلۃ بالمشارقہ کے اندر کیا ہے اور وہ روایت یہ ہے ۔

"مروی عن بسندہ عن الشیخ عبد الملک وبہ الی داؤد الطائی عن نعمان بن ثابت الکوفی عن عطاء ابن ابی رباح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا نقنع النجو رفعت العاھۃ عن کل بلد"

ہمیشہ حجرہ اور مسجد میں درود اور نماز میں مشغول رہتے تھے ۔ کبرسنی کے سبب سے آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی ۔ تمام علوم کا درس حفظ دیا کرتے تھے ۔ توکل اور تجرید میں آپ کا مثل اس زمانہ میں کوئی نہیں تھا ۔ مولانا کمال عباسی حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں ۔ ۸۷۰ھ میں آپ راہی آخرت ہوئے ۔ [1] نور اللہ مرقدہٗ ۔

۱۹۴۲ء میں مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ بنبانیوں کا صرف ایک خاندان احمدآباد میں آج آباد ہے ۔ اور وہ لوگ سلطان احمد اوّل کے مقبرہ کے سامنے رہتے ہیں، ان میں سے تین افراد سیّد قائم الدّین عریفی، سید احمد عریفی، اور حسین عریفی قومی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں، ان کا خاندان احمدآباد میں بہت مشہور ہے بنبانیوں کا دوسرا خاندان بڑودہ میں ہے، ان کو بڑودہ جاگیر میں ملا تھا، مگر آج صرف فضلیت ان کے ہاتھ میں ہے، اس خاندان کے گل سرسبز قاضی احمد صاحب مہاراجہ پرتاب سنگھ بن فتح سنگھ بن سیاجی راؤ راجہ بڑودہ کے مصاحب ہیں انکو راجہ کی طرف سے راج رتن کا خطاب ملا ہے ۔ [2]

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو صفحہ ۲۳۱ و ۳۴۵ عربی صفحہ ۲۲/۴ گلزار ابرار صفحہ ۲۱۱ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۷۰

شیخ جمال بن حسین بہتری

م ۲۲ر شعبان ۹۷۱ھ یا ۹۸۰ھ بمطابق ۱۴ر اپریل ۱۵۶۴ء

سید شاہ جمال بن حسین بن ابو مظفر بن ابو الوقت حسنی ۔ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں ۔ آپ کے والد ہرمز سے دکن تشریف لائے ۔ اور وہاں کے قصبہ بہتری میں سکونت پذیر ہوئے ۔ اور وہیں پر آپ کی ولادت ہوئی ۔ علم ظاہری و باطنی آپ نے والد صاحب سے حاصل کیا ۔ اور درجہ کمال تک پہنچے ۔

والد صاحب کی رحلت کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے ۔ سلطان بہادر نے دکن سے آپ کو گجرات بلوا کر آپ کے لئے خانقاہ تعمیر کروائی اور سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا ۔ سلطان بہادر کی اعزاز و تکریم کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے ۔ انہوں نے جب آپ کی شہرت سنی اور آپ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا تو سلطان سے کہا گیا کہ شیخ کے یہاں تو کسی کی رعایت نہیں ہوتی سلطان نے اس پر خفا ہو کر کہا کہ اگر انہوں نے میرے اکرام کا لحاظ نہیں کیا تو میں انہیں ذلیل کر کے چھوڑوں گا ۔ مگر سلطان کے خدام نے دیکھا کہ شیخ تو اپنے دستور پر قائم رہے اور سلطان کی کوئی رعایت نہیں کی ۔ اس کے باوجود سلطان تھوڑی دیر مؤدبانہ ، عاجزانہ حاضری کے بعد واپس آ گئے ۔ جب بادشاہ سے اصل حقیقت دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ جب میں شیخ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ شیخ کی خدمت میں شیخ کے دائیں بائیں دو شیر کھڑے غضبناک مجھے تک (دیکھ) رہے ہیں ۔

چنانچہ اس کے بعد سلطان کو آپ سے گہری عقیدت ہو گئی اور آپ کو احمدآباد لے آئے۔ پھر آپ یہیں مقیم رہے۔

آپ نہایت صالح دیندار اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ آپ نے احمدآباد میں ۲۳ رشعبان ۹۷۱ھ بمطابق ۱۴ راپریل ۱۵۶۴ء کو عالم جاودانی کو کوچ فرمایا۔ اور احمدآباد کے ایک محلہ رائے گڑھ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے (۱) امین اللہ (۲) یتیم اللہ (۳) صوفی (۴) حسین (۵) اور بدرالدین۔

یتیم اللہ عالم باعمل تھے۔ درس دیا کرتے تھے اور والد کی رحلت کے بعد والد کے جانشین ہوئے۔

صاحب گلزار ابرار آپ کی وفات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سے ۱۰۰۲ھ میں احمدآباد میں ملاقات ہوئی اور میری (صاحب گلزار ابرار) ملاقات کے تقریباً پانچ سال بعد آپ کی رحلت ہوئی ہے۔[1]

خاتمہ مرأۃ احمدی میں لکھا ہے کہ: بزرگان سلسلۂ قادریہ میں سے سید جمال بہتری سید جمال قادری بن سید حسین ہیں جن کا نسب پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رح کے صاحبزادے سید عبدالوہاب تک پہنچ کر منتہی ہوتا ہے۔ جن کے (سید جمال کے) والد ماجد ہرمز کے راستے سے دکن پہنچے۔ احمدنگر کے اطراف میں پھلری نامی قصبہ میں ورود فرمایا، وہاں سکونت پذیر ہوئے اور ارشادِ خلق اور ان کی رہنمائی میں مصروف ہوئے۔ سلطان بہادر گجرات کے بادشاہ نے جب دکن کا سفر فرمایا تو واپسی میں سید جمال کو نہایت نیازمندی کے ساتھ اپنے ہمراہ گجرات لے آئے۔ اور ان کے

---

[1] اکابرین گجرات ص۲۲ الحدیقۃ الاحمدیہ، نزہۃ الخواطر ص۱۳۲ ج۴، گلزار ابرار ص۲۲۔

لیے خانقاہ تعمیر فرمائی ۔ اور وہاں آپ نے رہائش اختیار فرمائی سید کے پانچ صاحبزادے تھے جنہیں ہیتیم اللہ کا تدریس کا شغل تھا، والد محترم کے انتقال کے بعد انکے جانشین بنے ۔ سید جمال کا مزار رائے گڑھ دروازہ کے قریب شہر میں واقع ہے ۹۷۱ھ میں رحلت فرمائی ۔ [1]

شاہ علی گاؤ دھنی / گام دھنی

متوفی ۱۴ / جمادی الاولی ۹۷۳ھ ۔ ۱۵۶۵ء

ولادت ——————— ۸۹۶ھ

شاہ علی بن قطب عالم شاہ ابراہیم بن شاہ عمر حسینی احمدی ۔ والد محترم کی طرف سے سید احمد کبیر رفاعی تک سلسلہ نسب پہنچتا ہے ۔ اور والدہ کی طرف سے سید عبد القادر جیلانی رح سے جا کر ملتا ہے ۔ ۸۹۶ھ میں احمد آباد میں آپکی ولادت ہوئی ۔ آپ کے والد ماجد سید ابراہیم رفاعی بغداد سے آکر گجرات میں آباد ہوئے ۔ شاہ علی نے گجرات کے علماء سے علم حاصل کیا اور کمال کے درجہ کو پہنچے ۔ سلوک و معرفت کے مدارج طے کر کے اپنے والد ماجد کی طرف سے خلافت پائی ۔ اور طالبانِ رشد و ہدایت کی تعلیم و تلقین اور شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ والسلام کی نشر و اشاعت کو مشغلہ بنایا ۔

شیخ محمد غوث گوالیاری رح جب گجرات تشریف لائے تو آپ نے والہانہ ان کا استقبال کیا اور جانبین سے تعلق و محبت میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ شیخ گوالیاری رح کے بارے میں علماء کے جب دو گروہ ہوئے تو شاہ علی حضرت شاہ وجیہ الدین کے گروہ میں رہے ۔ جو شیخ گوالیاری

---

[1] خاتمہ مرأت احمدی ص ۶۲ ۔

کی طرف سے دفاع کر رہا تھا۔ شاہ علی گام دھنی نے اجازت و خلافت ملنے کے بعد باقاعدہ طریقت کے سلسلہ کو چلایا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آپ کا نقش نگیں اللہ باقی محمد ساقی تھا جو بہ شکل برگ تنبول کندہ تھا۔ مریدوں کو جب شجرہ عنایت فرماتے تو شجرہ پر اس کی مہر لگائی جاتی۔

۱۴ رجمادی الاولی ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور احمدآباد میں مدفون ہوئے۔ آپ کو شعر گوئی سے بھی خصوصی لگاؤ رہا۔ یہاں تک کہ شیخ بہاؤالدین برناوی احمدآباد میں جب آپ کے مہمان ہوئے اس وقت آپ کا مجموعہ کلام آپ ہی کے قلم سے لکھا ہوا آپ سے حاصل کیا۔ آپ کا تخلص جیو (روح) تھا۔

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادے سید مصطفیٰ نے آپ کی مسند ارشاد کو سنبھالا۔ جو اپنے زمانہ کے صلحاء میں سے تھے۔

آپ کے کلام پر عشقیہ کیفیت کا اثر بہت گہرا ہے۔ اور سارا کلام اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس عشق کا اظہار اللہ تعالیٰ شانہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مرشد کے ساتھ ہے۔

شاہ علی جیو گام دھنی کا کلام "فلسفہ ہمہ اوست" کا ترجمان ہے اور اس میں اثباتِ توحید وجود واحد اور اسرار الہیہ کو مختصر الفاظ میں اشاروں میں بیان کیا گیا ہے۔

گام دھنی مشکل پسند شاعر تھے اور اپنی بات کو اشاروں میں بیان کرنے کی وجہ سے ان کے اظہار میں حد درجہ ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ کلام تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور وارداتِ قلبی اور عرفانِ ذات کے مسائل و تجربات روحانی کو "ہمہ اوست" کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

"جواہر اسرار اللہ" میں (جو ان کے دیوان کا نام ہے) وہ مسائل تصوف کو رنگا رنگ طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ کبھی تمثیل سے واضح کرتے ہیں اور کبھی مثالوں سے۔

صاحب مرأت احمدی نے لکھا ہے کہ "جز نقش توحید نزد رے دیوانے دارد ہندی زبان در روشن و معنی برابر دیوان مغربی است۔"

جیو گاؤ دھنی (م ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ء) کی شاعری کی روح اسلامی ہے۔ لیکن اظہار کا مزاج ہندی ہے۔ [1]

شاہ علی گام دھنی کے ایک مرید حبیب اللہ نے شاہ علی کے کلام کو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے ان کی زندگی ہی میں مرتب کیا تھا۔ میر علی شیر نے تحفۃ الکرام اور مرزا محمد حسن نے مرأۃ احمدی میں شاہ علی جیو گاؤ دھنی کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کا ایک ہندی دیوان بھی ہے۔ اس سے مراد غالباً ان کا وہی مجموعہ کلام ہے جو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے ملتا ہے۔ اور جس کے قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور اور حیدر آباد دکن کے عجائب خانہ میں موجود ہیں یہ مجموعہ بمبئی سے طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کی بحر مثنوی کی ہے اور اس میں قافیوں کا بھی التزام ہے۔ کچھ کلام مکاشفوں اور نکتوں کے عنوان سے ہے جیو گام دھنی نے وحدۃ الوجود کے مسئلہ اور محبت کو مثالیں دیکر اپنے کلام میں بیان کیا ہے۔ غالباً اسی لیے مرزا محمد حسن نے مرأۃ احمدی میں لکھا ہے کہ علی جیو گام دھنی کا دیوان صورت اور معنی میں شیخ مغربی کے دیوان کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ان کے پہلے دو نکتے درج کیے جاتے ہیں۔

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۳۷۲/۲ ۔ اکابرین گجرات ص ۶۲۷، ماہنامہ آب حیات اکتوبر ۶۳ء دی اورینٹل کالج میگزین لاہور۔

نکتہ اوّل :۔ اونچی پیپل لانبی دوڑ
ہم دکھلائے سوکا ڈھے چور
آپ ہی آپ ٹھوکا دیتا
پرگھٹ ہو جگ کیری کیتا

نکتہ دوم :۔ ہوں تجھ بوجھوں میری ساتھے
کہہ کس آگہی یہ توں بائے [1]

ان کے مجموعہ کلام "جواہر اسرار اللہ" میں سے ایک نظم معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں ۔

آدم آدمیں ہور جن سارے اسے نور نبی تھے کہتے
بھیس بھرا کر آپ دکھایا ہم تم اوپر بول سو دیتے
ڈونگر حیوان ہور نباتات اسے سب فیض نبی کا جانوں
احمد، محمد نانوں احد کے دو جامن منہ کوئی نہ آنوں
توریت ماں خدا ایں کہیا مہتر موسیٰ بات
محمد رسول حبیب خدا کا ساروں کہہ یہ بات
احمد بھی ہے توریت ماہیں محمد کیرا نانوں
انجیل میں بھی احمد کہیا لکھیں تس مولد تہا نوں

شاہ علی محمد کے ذیل کے اشعار میں راجستھانی اور گجراتی عنصر ملاحظہ فرمائیے

!! یہ جیو تو رہتا نہیں ہور من دو دکھ سہتا نہیں
کو جائے پیو کہتا نہیں رے بھا ئیوں ہوں سوں کروں

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۲۲۱/۲ ۔

ہوں سوں کروں، یعنی، میں کیا کروں ،، ہوں، راجستھانی کا اسم ضمیر اور گجراتی کا حرف استفہام ہے ۔ سلہ

مرآت احمدی کے مصنف محمد حسن آپ کے دیوان کا پایہ شیخ مغربی کے دیوان فارسی کے برابر مانتے ہیں ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ۔ ،دیوانے دارد بہ زبان ہندوی در روش و معنی برابر دیوان مغربی است ،،

جب شیخ بہاؤالدین برناوی گجرات تشریف لے گئے تو احمدآباد میں شاہ علی جیو گاؤدھنی کے مہمان ٹھہرے تھے ۔ شاہ صاحب نے ایک روز انہیں اپنا ہندی کلام جو مختلف بحور داوزان میں تھا سنایا ۔ شیخ نے بہت پسند کیا اس پر شاہ علی محمد نے اس دیوان کا ایک نسخہ تحفۃً شیخ کی خدمت میں پیش کیا ۔ جو آیات کلام پاک و احادیث رسول سے محشّیٰ و مزین تھا ۔ شیخ علاؤالدین ثانی جو شیخ بہاؤالدین برناوی کے جانشین تھے اپنی تالیف کتاب چشتیہ میں جو ۱۰۶۵ھ ۱۰۶۶ھ کی تصنیف ہے تحریر کرتے ہیں کہ یہ نسخہ اب تک ہمارے کتبخانہ میں محفوظ تھا ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں !

آں متصوف صادق شعار اشعار رائق ہندویہ خود راکہ بہ زبان گجرات و در بحر عجیب پر لذّت جمع کردہ بود ، بہ حضور آں مخدوم باشعور از سر حبور بر خواند و انصاف طلبید ۔ ایں امام تمام کلام لذائذ انجام شیریں کام را بہ وجہ احسن بر پسندید ۔ و آں رسالۂ مجلد کہ در روے تمام جہولنہ و نکات موحدانہ مندرج بود ند و بآیات و احادیث موافق ساختہ محشّیٰ کردند ۔ نسخہ ہندویہ بایں قدوۂ چشتیہ گزرانیدند کہ تا امروز آں رسالہ یادگار از آں بزرگوار در راجزائے اوراق آں مہر ضیائی صاحب وفاق باقی است ،،

سلہ مقالات شیرانی صفحہ ۱۸۵ بحوالہ تاریخ ادبیات صفحہ ۱

جواہر اسرار اللہ، مختصر نظموں کا ایک مختصر دیوان ہے جو عشق و معرفت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ دیوان کی اکثر و بیشتر نظموں کا موضوع مسئلہ وحدت وجود ہے۔ جس کو شاہ صاحب سینکڑوں طرح سے بیان کرتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفات سے گزر کر عین ذات میں محو ہیں۔ قلب پر وصالی کیفیت طاری ہے۔ بشر، شجر، حجر، پھول، کلی، غنچہ غرض تمام مظاہر قدرت میں محبوب حقیقی جلوہ نما ہے۔ اور یہ اس کے نشۂ محبت میں سرشار ہیں۔ اس سے رنگ رلیاں کرتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔ کبھی مجنوں بنتے ہیں، کبھی لیلیٰ، کبھی شیریں ہیں، کبھی خسرو، کبھی دولہا ہیں اور کبھی دولہن، محبوب ان کا بھیس بھرتا ہے اور یہ محبوب کا بہروپ اختیار کرتے ہیں۔ وہ ان پر ناز کرتا ہے اور یہ اس پر ناز کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ اپنی محبت میں مگن ہیں۔ چونکہ نظموں میں شاہ صاحب نے اپنی قلبی کیفیات اور وجدانی احساسات کا ذکر کیا ہے۔ اس تقریب سے ان کا نام مکاشفات رکھا ہے۔ صرف چند ایسی نظمیں ہیں جن میں فارسی مضامین روشناس ہوئے ہیں۔ [1]

شاہ علی جیوگاؤدھنی متوفی ۹۷۳ھ کا دیوان وہ ہے جس میں شاید پہلی مرتبہ بحر ہزج و بحر رجز مربع لائی گئی ہے۔

مثال ہزج:

ہنو تو بول کچھ کاچو ——— جو لاگے پیار تم ساچو
تمنے بنی ایتو ہی ناچو

---

[1] مقالات شیرانی ج ۱ ص ۱۶۸۔

مثال رجز مربع :-

یہ جیو تو رہتا نہیں ہور من دو دکھ سہنا نہیں !
کو جائے پیو کہنا نہیں رے بھائیو ہوں سول کروں [1]

ذیل میں بعض اشعار، شاہ علی محمد جیو گاؤدھنی کی تصنیف "جواہراسرار اللہ" سے نقل کئے جاتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ اشعار کس قدر ادبی پائے کے ہیں

جس پھولوں سونگھن جانوں تس باس تمہارا پانوں
کرھار نکیوں گل لانوں یہ کرنیں اور کلا لال
ہور کلیاں جے ات لالال سب دیویاں تیریاں بھالال
یہ جوہی بھی نرمائی ! ہور باس تمہارا لیائی
توھیڑے میں لے باھی ان ھار حیلوں سارے
سب کلیوں پھول پیارے ہنس کرے سو تو نہکارے
تجھ مالی جے ہوں پاؤں لے جیوڑے مانہ چھپاؤں
میں نیلوں نانہ دکھاؤں تو گھر گھر شہ ہو آوے
ہور الیل کلیوں راوے جگ تیرا سہاگ کہلاوے

سادہ اٹھے یوں پیارن منجکوں بھیں کریکر آپس راؤں
کہیں سو نوشہ ہو کر آؤں کہیں سو آرس آپ کہاؤں
پگڑی باندہ قبا لٹکاؤں پھروں ھالس زرینہ سارا
سہرا ھار حیلاں پھروں دل بادل ہو وُں اسوارا

---

[1] مقالات شیرانی صہ ۴۲/۳ -

دھول دنا ہیں اونٹوں پرسات سدسب باجت جاویں
سب جگ کیری خوشبوئی لوک سو بھر بھر لیاویں

چھوڑو لوکا چہ لڑائی کان کرو یہ پریم کہانیں
تموں تمہاری شیریں بہاوے منجکوں میری لیلیٰ سہانیں
جے تم لیلیٰ جو بالوڑ و منجھ مجنوں کی نینوں دیکھو
تموں تمہاری شیریں جو دو لیلیٰ کوں کیوں پیکھو

اس لبستی کا کیا پتیارا — آج تمھوں کل دو جوں مارا
سو کیوں تسکوں دھرے پیارا
یہ جگ باندی اس جگ کیرے — جہاں رنمڑے کھیل سویرے
جا لوں بات سہی کر میری [1]

گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ! آپ کی زبان سے توحید کے سوا اور آپ کے قلم سے موحدانہ اشعار کے سوا کوئی حرف نہیں نکلتا تھا۔ آپ کا ہندی زبان (گوجری یا اردو) میں ایک دیوان ہے۔ روش اور معنی کے اعتبار سے شیخ محمد مغربی کے دیوان کا نمونہ ہے۔

آپ سید احمد کبیر رفاعی کی نسل سے تھے۔ ملک محمود پیارا اور ملک اشرف گجراتی نے عالم علوی کو آپ کے کوچ فرما جانے کے بعد آپ کو قطب عالم بٹوہ کے مزار میں دیکھا ہے۔ نیز احمد آباد اور بٹوہ کے دوسرے بزرگوں نے بھی

---

[1] مقالات شیرانی ص ۲۹۹۔

اس خرقِ عادت کے متعلق گواہی دی ہے ۔ سنہ ۹۷۰ھ میں دار فانی کو خیر آباد کہہ کر عالمِ جاودانی کو کوچ فرما ہوئے ۔ [۱]

شاہ علی جیو گام دھنی کے متعلق مرأتِ احمدی میں ہے کہ! شاہ علی جیو گام دھنی سید عبدالرحیم کے صاحبزادے ہیں ۔ صرف توحید پر آپ کا کلام ہوتا

آپ کی قبر رائے گڑھ میں شاہ غزنی کی قبر کے پاس ہے ۔ سنہ ۹۷۳ھ میں ۱۴ جمادی الاولیٰ کو آپنے انتقال فرمایا جبکہ انتقال کے وقت آپکی عمر ۷۳ تہتر برس تھی ۔ [۲]

دیوان کے مرتب

آپ کے دیوان کے متعلق لکھا گیا ہے کہ آپ کے ایک مرید حبیب اللہ نے مرتب کیا بعض کہتے ہیں کہ ان کے ایک مرید ابوالحسن ابن عبدالرحمٰن قریشی الاحمدی نے پہلی مرتبہ مرتب کیا ، اور اس کا نام 'جواہر اسرار اللہ' رکھا ۔ دوسری مرتبہ ان کے پوتے سید ابرہیم ابن شاہ مصطفےٰ نے اسے مرتب کیا ۔ اور اس پر ایک دیباچہ لکھا جو طویل عربی عبارت سے شروع ہوتا ہے ۔

شاہ علی محمد جیو گام دھنی کا کلام فلسفہ ہمہ اوست کا ترجمان ہے ۔ اور اس میں اثباتِ توحید و وجود واحد اور اسرار اللہ کو مختصر الفاظ میں اشاروں میں بیان کیا گیا ہے ۔

---

[۱] گلزار ابرار صفحہ ۳۰۶ [۲] خاتمہ مرأت احمدی صفحہ ۱۱ .

شیخ محمد بن افلح مکی

(م ۹۷۲ھ کے کچھ بعد)

شیخ محمد بن افلح مکی ہندوستان سے مکہ مکرمہ کے لئے گجرات کے وزیر الغ خان کی کشتی میں سوار ہو کر جا رہے تھے کہ حادثہ ہوا کہ کشتی اور تمام کشتی والے ڈوب گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شیخ محمد بن افلح بڑے علامہ تھے۔ خصوصًا فصاحت اور بلاغت اور ادب میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ آپ کی مجلس میں ہر وقت لطیفے اور حکایتیں اور علمی گفتگو رہتی۔ آپ کے فہم و فقہ کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ ان کے متعلق صاحبِ النور السافر کا گمان یہ ہے کہ وہ زبید سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یمن کے مشہور سات بزرگوں میں سے ایک شیخ افلح ہیں۔ یہ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک عرصہ تک ہندوستان میں درس دیا۔ آپ کے شاگردوں میں فقیہ علی بن صبر الیافعی مشہور رہیں، فقیہ محمد بن سراج حضرمی بھی ایک دفعہ آپ کے درس میں حاضر ہوئے۔

شیخ محمد بن افلح نے متعدد قصائد کہے۔ جن میں سے کچھ قصائد صاحبِ النور السافر کے والد اور ان کے بھائی سید احمد کے بارے میں کہے ہیں۔ جو انتہائی فصیح اور بلیغ ہیں۔ اس کشتی کے حادثے میں شہید ہونے والوں میں فقیہ محمد زبیدی بھی تھے۔

غرض محمد بن افلح شافعی المذہب علم و اصول میں بڑے محقق تھے۔ انکی اس کشتی میں ناخدا احسن علوان تھے۔ وہ بھی انکے ساتھ شہید ہو گئے۔

ظفر الوالہ میں لکھا ہے کہ ۹۷۲ھ میں ناخدا حسن علوان کے ساتھ شیخ شہاب احمد زبیدی اور فقیہ جمال الدین محمد بن افلح یمنی گجرات سے حج کے لئے تشریف لے گئے۔ مگر ان کی کشتی جدہ میں داخل نہ ہو سکی، سقطرہ میں داخل ہوئی کئی مہینے وہاں ٹھہرے رہے اور یہ دوسری کشتی تھی کہ جسے سقطرہ میں لنگر انداز ہونا پڑا تھا۔ دوسری کشتی کے ناخدا عنبر عبدالنبی تھے باہم اتفاق سے دوسری کشتی کا سامان بھی اس میں رکھ دیا گیا۔ مگر سقطرہ سے جس دن چلے اسی دن کشتی ڈوب گئی اور تمام کشتی والے شہید ہو گئے۔ [1]

شیخ علی بن ابراہیم حسینی رفاعی

م ۲۴ رجمادی الاخری ۹۷۳ھ بمطابق ۱۵ رجنوری ۱۵۶۶ء

عالم صالح شیخ علی بن ابراہیم حسینی رفاعی۔ آپ سید احمد کبیر قطب رفاعی کی اولاد میں سے ہیں۔ اور آپ صاحب کشف وکرامات تھے۔ آپ ۲۴ رجمادی الاخری ۹۷۳ھ بمطابق ۱۵ رجنوری ۱۵۶۶ء کو عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے آپ کا مدفن احمد آباد ہے۔ [2]

سید عبدالرحیم رفاعی رحمۃ اللہ علیہ

سادات رفاعیہ میں سے سید عبدالرحیم ہیں جو سید احمد کبیر رفاعی کی اولاد میں سے ہیں۔ سلطان پور جو رائے پور کے دروازے کے باہر ہے آپ کا

---

[1] النور السافر صفحہ ۲۵۵، ظفر الوالہ بمظفر والہ صفحہ ۴۹۲ [2] اردو نزھۃ الخواطر صفحہ ۳۶۷ عربی نزھۃ الخواطر صفحہ ۲۷۱ ج ۴ صفحہ ۲۴۳۔

آباد کیا ہوا ہے۔ سلطان پور میں آپ کا مزار ہے۔[۱]

تقی اوحدی اصفہانی صاحب عرفات العاشقین

پیدائش ۲ محرم ۹۷۳ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۵۶۵ء

تقی اوحدی دسویں اور گیارہویں صدی کے ایک اہم مصنف ہیں جنہوں نے فارسی نظم ونثر میں اپنے کمال کی بہت سی یادگاریں چھوڑیں۔ مگر بدقسمتی سے ان کی ساری تصنیفات دستبرد زمانہ کی نذر ہوگئیں صرف ایک تذکرہ عرفات العاشقین باقی رہ گیا ہے۔[۲]

نسب و خاندان تقی اوحدی ایران کے ایک مشہور خاندان سادات کے فرد تھے اس خاندان نے اوحدالدین عبداللہ اور ابوعلی[۳] دقاق جیسے مشائخ روزگار پیدا کئے، وہ حسینی سید اور اوحدالدین کی ساتویں پشت میں تھے، جن کا سلسلۂ نسب[۴] ابوعلی دقاق سے اس طرح ملتا ہے۔

اوحدالدین عبداللہ بن مسعود بن محمد بن علی بن احمد بن عمر بن اسمٰعیل بن ابوعلی دقاق

ماں کی طرف سے بھی تقی اوحدی کی سیادت مسلّم تھی، ان کے نانا حافظ سعدالدین[۵] عنایت اللہ[۶] خوالنساری ولایت کی دولت کے مالک تھے، ان کا سلسلۂ نسب زین الاولیاء خواجہ حسن ماضی تک پہنچتا ہے۔ اس طرح مادری اور جدی دونوں سلسلوں میں ولایت کا سلسلہ چلا آتا تھا، چنانچہ تقی نے اس کی طرف کئی بار اشارہ کیا ہے، مثلاً[۸]

واین کمینہ ذرہ را از طرفین آبار واجداد کامل فاضل، موحد، صاحب خرقہ وسجادہ بل
ہادی وبہدی زمان ودوران بودہ اند وازنشار آدم شراب معارف جاودانی
چوں جام ودستکامی درین سلسلہ الی یومنا ہٰذا دست بدست آمدہ۔

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۶۵ [۲] معارف ۵۱ ج ،، [۳] ابوعلی دقاق کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص۱۵۱ ونفحات الانس ص۲۴۳۔ [۴] ملاحظہ ہو نفحات الانس ص۲۴۳ جہاں اوحدین کا سنہ وفات ۶۹۶ھ، عارفانہ اشعار اور ایک عارفانہ رباعی درج ہے۔ [۵] یہ ان کا لقب معلوم ہوتا ہے کیونکہ دوسری جگہ صرف عنایت اللہ (بقیہ اگلے صفحہ)

والد کے حالات[۱] کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

بطناً بعد بطن صاحب خرقہ و سلسلۂ اولیاء و اصفیا رشدہ اند۔

تقی اوحدی کی دو نسبتیں یعنی اوحدی و دقاقی ان کے دو بزرگوں یعنی اوحد الدین اور ابو علی دقاق سے علی الترتیب متعلق ہیں، اس خاندان میں یہ دو بزرگ سب سے زیادہ نمایاں تھے۔

بہر حال تقی کے اجداد کا تعلق بلیان سے تھا۔ جو گازرون کے علاقہ میں ہے اور یہ گازرون فارس میں ہے۔ اس سلسلہ میں انکے آباء و اجداد نے شیراز میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

تقی کے والد ابتدائے ۹۷۲ھ میں اصفہان آئے اور یہیں شادی کی اور صرف چند دن قیام کر کے سفر پر روانہ ہوگئے اور ہندوستان پہنچ گئے۔ دوسرے سال کی بالکل ابتداء میں ۲ محرم ۹۷۳ھ بروز چہارشنبہ تقی کی پیدائش ہوئی۔

ذیل کی عبارت میں تقی نے جو تفصیلات لکھی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً ان کی والدہ کا نام زهره تھا۔ اور شادی کے صرف ایک سال کے اندر ہی ان کی پیدائش واقع ہوئی۔ ابھی تقی پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کے والد کو شیراز جانا پڑا۔ پھر وہ ہندوستان چلے گئے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

تقی اوحدی نے یکم رجب ۱۰۱۵ھ کو ہندوستان کے ارادہ سے رخت سفر باندھا ان کے ساتھ دوستوں کی ایک خاص جماعت تھی جو ہندوستان میں قسمت آزمائی کرنے آرہی تھی، یہ وہ سن تھا جبکہ اکبر کا ستارہ غروب ہوچکا تھا اور سریر ہند پر شاہزادہ سلیم جہانگیر کے لقب سے متمکن تھے۔

وسط ۱۰۱۵ھ کے قریب تقی آگرے کی طرف آئے اور یہاں ان کے سوا سال قیام کرنے کی اطلاع ملتی ہے۔ ان دنوں بادشاہ بہ نفس نفیس دار الخلافہ میں موجود تھا۔

(بقیہ حاشیہ) ملتا ہے عجیب بات ہے کہ یہی تقی کے دادا کا بھی نام تھا۔ [۳] یہ لفظ مشکوک ہے، دیباچے میں خوانپ بور یا اور دوسری جگہ خوانسار ملتا ہے۔ (تصحیح قیاسی) [۴] دیباچہ عرفات میں انکا مضجع (مدفن) ابحر بادقان کے قریب لکھا ہے۔ [۵] دیباچہ عرفات۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] عرفات ورق ۱۲۷

مگر تقی کی دربار میں رسائی کی کوئی اطلاع نہیں ہے پھر وہ گجرات کے ارادے سے روانہ ہوئے اور غالباً وسط ۱۰۲۰ھ میں وہ گجرات پہنچے ہونگے یہاں ان کی ملاقات نظیری نیشاپوری (متوفی ۱۰۲۱ھ یا ۱۰۲۳ھ) سے ہوئی۔ جن کے یہاں شعر و سخن کا بڑا چرچا رہتا تھا۔ تقی اوحدی ان محفلوں میں شریک ہوکر داد سخن لیتے اور دیتے تھے۔

گجرات یعنی احمدآباد میں تقی نے زیادہ دن قیام کیا مگر قسمت میں گردش تھی اسلئے ایک جگہ جم کر رہنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ یہاں سے پھر آگرہ واپس آگئے۔ کل قیام گجرات کی مدت چھ سال لکھی گئی ہے۔

تقی اوحدی احمدآباد سے آگرہ واپس ہوئے اور یہاں اپنی اہم تصنیف یعنی تذکرہ شعرائے فارسی موسوم بہ "عرفات العاشقین" کی تکمیل میں مصروف ہوئے اس کام میں انہیں دو سال (۱۰۲۲ھ تا ۱۰۲۴ھ) لگے۔ یہی وہ تصنیف ہے جس کی بدولت ان کا نام زندہ و روشن ہے۔

تقی اوحدی آگرہ سے پھر گجرات گئے بظاہر یہاں کے دوبارہ قیام کی مدت طویل معلوم ہوتی ہے کیونکہ کعبہ عرفان گجرات ہی میں عمل میں آیا۔

محمد صوفی مازندرانی (متوفی ۱۰۳۵ھ) سے تقی کی احمدآباد میں ملاقات ہوئی۔ لیکن یہ ملاقات قیام اول کے موقع یعنی ۱۰۲۱ھ کے قبل کی نہیں ہے کیونکہ عرفات ہی میں دوسری جگہ ہے کہ اس تذکرہ کی تکمیل کے وقت مولانا محمد صوفی احمدآباد میں تھے۔ بہرحال دوسرے دوران قیام میں یعنی ۱۰۲۳ھ کے قبل ہی دونوں میں ملاقات ہوئی ہوگی، اس ملاقات سے دونوں کے ربط کا پتا چلتا ہے۔ (کلام تقی)

تقی واحدی بڑے پُرگو شاعر اور زبردست مصنف تھے جنہوں نے تیس ہزار کے قریب اشعار لکھے اور متعدد نثری تصنیفات یادگار چھوڑیں جن میں سے بیشتر کا نام تک مٹ چکا ہے۔

رباعیات کے چند نمونے ملاحظہ ہوں ۔

اے حاصل عمر آرزومندی تو | آزاد نہاد نا ابدبندی تو
گر بار وشِ بندگی از کف دادیم | آخر بکجا رفت خداوندی تو

اے خدا تری آرزو حاصلِ زندگی ہے اور کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی آزاد طبع ہو تیرے خیال سے غافل نہیں رہ سکتا ۔ اے خدا اگر ہم بندگی کے طریقے چھوڑ بیٹھے تو یہ تو کوئی بڑی بات ہوئی، آخر تیری خداوندی کا کیا تقاضا ہے ۔

برنالش من دل اثری سوزد | برسوز دلم جان سقری سوزد
در شعلہ رشک آفتابت خورشید | تا روز قیامتش جگر می سوزد

میری زار نالی سے اثر کا دل جل اٹھتا ہے، میرے دل کی سوزش پر دوزخ کو بھی رحم آجاتا ہے ۔ خورشید تیرے آفتاب کے رشک کی آگ میں تا قیامت جلتا رہے گا ۔

یادم زلبت چوں در کفن می آید | جاں رقص کناں سوے بدن می آید
تا شعلہ حسرت فتاد است بدل | بوئے جگر از نالہ من می آید !

جب تیرے لبوں کی یاد قبر میں آتی ہے تو جان رقص کناں بدن میں آجاتی ہے ۔ جب سے دل میں حسرت و یاس کا شعلہ بھڑکا ہے میرے نالے سے بوئے جگر آرہی ہے یعنی جگر کباب ہو گیا ہے

تیغت بخود ز قتل من می بالد | جانم ز شوق در بدن می بالد
تا روز جزا بہ خواہش زخم دگر | بسمل شدہ تو در کفن می بالد

اے دوست جس طرح تیری تلوار میرے قتل کے خیال سے اپنے آپے میں نہیں سماتی اس طرح میری خوشی کا یہ عالم ہے کہ جان بدن میں بالیدہ ہو رہی ہے تو نے مجھے گھائل تو کر دیا ہے مگر میں روز جزا تک زخم دگر کی تمنا کرتا رہوں گا کیونکہ تیرا بسمل کفن میں بھی بالیدہ ہوتا ہے ۔ (معارف ۱۲ ج ۷۷)

شیخ حسن بن موسیٰ

مصنف گلزار ابرار کے والد

وفات ۱۴ ؍ صفر ۹۷۳ھ مطابق ۹ ؍ ستمبر ۱۵۶۵ء

آپ مصنف گلزار ابرار کے پدر بزرگوار ہیں۔ کلام مجید کے حافظ اور علوم مروجہ کے عالم تھے۔ آپ کے والد ماجد نے چار سال کی عمر ہونے کے بعد آپ کو استاد کے سپرد کیا۔ آٹھویں سال میں کلام اللہ حفظ کر لیا۔ اور علوم کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ ان ایام میں آپ کے پدر بزرگوار کا انتقال ہو گیا جس کے سبب سے آپ کی ہمت جمعیت متأثر ہوئی۔ اس لئے آپ کسی قدر نحو، فقہ اور حدیث کی تحصیل کر سکے۔ تعلق ارادت سیّد جلال ابن سید احمد جعفر رفاعی سے قائم کر کے خانقاہ میں رہتے تھے۔ ۹۴۱ھ میں آپ کی عمر چوبیس سال کی تھی۔ ہمایوں شاہ نے گجرات فتح کرنے کے واسطے لشکر کشی کی تھی اور سلطانی خیمے احمدآباد میں نصب ہوئے تھے۔ اور سلطان بہادر دریا پار کر کے سواحل کی طرف چلے گئے تھے۔ ان حوصلہ آزما حادثات کے پیش آنے سے گجراتی پریشان تھے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا۔ اسی بنا پر جو لوگ اجتماعی حالت میں آباد تھے متفرق ہو کر ہند کے شہروں میں منتشر ہو گئے

ہمراز صوفیوں کی مفارقت کے سبب سے پریشانی اور اہلِ قبیلہ کی جدائی کا رنج وغیرہ امور نے آپ کو گھر سے بھی آوارہ کر دیا۔ لہٰذا آپ ہمایونی لشکر کے ہمراہ خاندیس سے چل کر مالوہ کی طرف آئے ایک صنع لونہرو نامی شہر منڈو (مانڈو) سے شمالی سمت میں تین کوس کے فاصلے پر

واقع ہے۔ اس موضع میں قیام کرنے کا ارادہ کیا، اور نوبارہ نامی ایک عمارت قصبہ اور آبادی، کی حدود سے دور ہے اس عمارت میں آپ قیام فرما ہوئے اور روزی کے واسطے یہ تجویز کیا کہ آپ کی ہمسائگی میں کاغذیوں کا ایک محلہ تھا وہاں جاکر چند دستہ کاغذ قرض خریدے اور کاغذ کا کاروبار شروع کر دیا اس پیشہ کے ذریعے سے وسعتِ رزق کا دروازہ آپ کے چہرہ پر کشادہ ہوا یہاں تک کہ اس ملک کے تمام سوداگروں کے معاملات کا انحصار آپ کے مشورہ پر ہو گیا۔ پھر یہیں آپ نے نکاح کیا اور سمدھیانہ والوں کی کشش اور کوشش کے اثر سے آپ نوبہرہ میں رہنے سے دل تنگ ہو کر منڈو (مانڈو) میں رہنے لگے۔ پہلے ایک لڑکے نور محمد کے دو سال کی عمر میں انتقال کے بعد عرصہ دراز تک اولاد نہیں تھی۔

مولانا غوثی کے ماموں شیخ میاں جیو (جو سید جلال بن سید احمد جعفر کے مرید، شیخ صدرالدین ذاکر کے خلیفہ تھے) تجارت کے لئے احمدآباد گجرات گئے تھے۔ ایک دفعہ شب جمعہ کو اپنے پیر کے روضہ میں گئے اور مراقبہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری فلاں ہمشیرہ جو بچہ ہونے سے ناامید ہے ان بزرگوار کی برکت سے نشاط خوشخبری کے ساتھ امیدوار ہو۔ عالم مثال میں ایسا نظر آیا کہ ایک نہایت منور فانوس ہاتھ میں دیا گیا ہے جس کی روشنی کے اندر اس جگہ بآسانی پہنچ گیا ہوں کہ جہاں کا عزم تھا۔ شیخ میاں جیو وطن واپس آئے تو یہ بشارت ہمشیرہ کو سنائی اور اس بشارت کی تصدیق میں شبِ جمعہ ۱۱ رجب ۹۲۲ھ کو مولانا غوثی کا تولد ہوا۔ ایک نام محمد تجویز ہوا اور والد صاحب نے یوسف نام دیا ابھی مولانا غوثی پانچ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ منڈو کا علاقہ جنگ و جدال کی زد میں آگیا اکثریت دور دراز

ہجرت کر گئی ۔ مگر ان کے والد جو پہلے ہی احمدآباد سے یہاں مہاجرن کر آئے تھے کہاں جاتے ۔ قیام کا فیصلہ کرکے یہیں پڑے رہے اور گوشہ گیر ہو گئے ۔ ۹۷۳ھ میں وصال تک چھ سال خلوت گزیں رہے ۔ مولانا غوثی کے والد شیخ حسن کا انتقال شب جمعہ ۱۴ر صفر ۹۷۳ھ کو ہوا ۔ [1]

شیخ حسین بغدادی

م ۹۷۷ھ مطابق ۱۵۶۹ء

شیخ فاضل علامہ حسین بغدادی یکے از علمائے کبار ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے ۔ مولد ومنشاء بغداد ہے عقلی اور نقلی علوم میں اجتہاد اور ایجادِ سخن کا رتبہ حاصل تھا ۔ جب آپ تحصیل علم کے مرتبہ کو پہنچ گئے تو اس کے بعد بھی میر غیاث الدین بن منصور شیرازی سے پڑھا ۔ جب شیراز داخل ہوئے تو شہر کے امیر ابراہیم خاں نے ایک مجلس منعقد کی جس میں شیخ حسین کو طلب کیا اور حضار مجلس کے سامنے وہ اعتراض پیش کئے جو غیاث الدین ابن منصور نے شرح تجرید کی بحث میں پیش کئے تھے ۔ یہ ایسے اعتراض تھے کہ تمام اہل سخن عاجز آ چکے تھے ۔

شیخ حسین بغدادی نے فرمایا کہ اگر کتاب شرح تجرید دو روز کے لئے مجھے عنایت کر دی جائے ۔ تاکہ اس بحث میں کچھ غور کروں ۔ اس پر امیر نے کتاب علامہ صاحب کے حوالہ کر دی ۔ علامہ نے وہ تمام اشکال دوسری مجلس میں اس خوبصورتی سے حل کر دیئے کہ علمائے اسلام نے کھل کر تحسین کی ۔ مگر مولانا غیاث الدین نے شرمندہ ہو کر آپ کو ناصبی اور خارجی وغیرہ کے الزامات سے ملوث کیا ۔ امیر بلدیہ سے کہا کہ علامہ صاحب کو شہر بدر کر دیا جائے ۔ مگر امیر شہر نے انکار کر دیا اور کہا کہ لوگ تو مولانا حسین سے

---

[1] گلزار ابرار اردو صفحہ ۶۰۹ ۔

استفادہ کے لئے آئیں اور میں انہیں شہر بدر کر دوں ۔ بالآخر مولانا غیاث الدین بھی علامہ حسین سے خوش ہو گئے ۔ اس کے بعد مولانا حسین کچھ مدت تک شیراز میں مقیم رہے ۔ پھر حج و زیارت سے مشرف ہو کر ہندوستان تشریف لائے ۔ کئی بڑے شہروں کی سیاحت کے بعد آخر احمد آباد گجرات میں طرح اقامت ڈال کر مسند تدریس آراستہ فرمائی ۔ آپ سے مولانا عبدالقادر بغدادی اور حکیم عثمان بوبکائی کے علاوہ بے شمار افراد نے پڑھا ۔

۹۷۰ھ میں ۷۷ سال کی عمر میں رحلت فرمائی ۔ رسول آباد میں مدفون ہیں ۔ قدس اللہ سرہٗ ۔ [1]

شیخ مبارک سندھی رحؒ

وفات ۹۷۶ھ / ۹۸۸ھ بمطابق ۱۵۶۸ء / ۱۵۸۰ء

شیخ مبارک ابن ابو المبارک پاتری سندھی ۔ مولد و منشا سندھ ۔ سندھ کا موضع پات / پاتو جب مسیح الاولیاء کے آباء و اجداد نے آباد کیا تھا تو اس میں شیخ مبارک کے آباء و اجداد بھی شریک تھے ۔ یہیں آپ کی ولادت ہوئی ۔ سندھ ہی میں شیخ عباس ابن جلال سندھی کی خدمت میں رہ کر فقہ و اصول و کلام و عربیت میں کمال پیدا کیا ۔

وطن سے نکل کر احمد آباد گجرات پہنچے ۔ اور یہاں مسجد ناصر الملک کے مدرسہ میں مدت تک درس افادہ میں مشغول رہے ۔ یہ وہ زمانہ ہے جب شیخ طاہر محدث ایلچپور میں مقیم تھے اور مدرس کی خدمت انجام دے رہے تھے ۔ احمد آباد میں چند سال بسر کر کے آپ بھی ایلچپور چلے آئے ۔ یہاں والیٔ برار تفال خان نے ایک مدرسہ جاری کر کے

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو جلد ۴ ص ۱۱۰ ، ۱۷۰ ، عربی ج ۴ ص ۱۲۲ ، صبح ۹۶/۴ ، گلزار ابرار ص ۲۱۳ ۔

آپ کو مدرسی پر مامور کر دیا۔ اور آپ فراغت خاطر کے ساتھ فرض منصبی انجام دینے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ملک برابر کا ملکی نظام درہم برہم ہو گیا چنانچہ شیخ طاہر محدث اور شیخ مبارک برہانپور آ گئے کیونکہ انکے علم و فضل کا شہرہ سنکر محمد شاہ فاروقی بہت عرصہ سے ان کو طلب کر رہے تھے یہاں شیخ طاہر شاہی مدرسہ میں معلمی پر مامور کر دیے گئے اور محمد شاہ فاروقی نے آپکو قصبہ چوپڑہ کا قاضی بنا کر روانہ کر دیا۔ شیخ قضا کے عہدے چلے تو گئے لیکن برہانپور کی روحانی دلچسپیاں، علمی صحبتیں آپکو تڑپاتی رہیں۔ آخر کار اپنے منصب سے مستعفی ہو کر آپ برہانپور واپس چلے گئے۔ بادشاہ نے آپ کیلئے بھی ایک مدرسہ قائم کیا اور اس میں تدریس کی درخواست کی لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔ اس لئے ۸۳ - ۹۸۲ھ میں حکیم عثمان بوبکانی کو اس مدرسہ میں تدریس پر فائز کیا گیا۔

شیخ مبارک برہانپور آ کر روحانی صحبتوں میں دلچسپیاں لیتے رہے اور حضرت شیخ لشکر محمد عارف سے بیعت ہو کر ان سے شرح قیصری کا مقدمہ اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھا۔ اس اثنار میں مسیح الاولیار بھی شیخ مبارک سے بعض کتابوں کا درس لیتے رہے۔

تلامذہ شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے جملہ علوم آپکے برہانپور میں قیام کے دوران پڑھے۔ ان کے علاوہ دیگر علمار نے بھی آپ سے پڑھا۔

وفات اذکار ابرار کے مطابق آپ کی وفات ۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء میں ہوئی لیکن صاحب تذکرۂ اولیار ہند نے اس کو مترجم کا سہو یا کتابت کی غلطی قرار دیا ہے۔ انہوں نے آپ کا سالِ وصال ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء لکھا ہے

آپ اس دنیائے فانی سے جمعہ کے روز رخصت ہوئے اور عادل پورہ برہانپور میں شیخ ابراہیم ابن عمر سندھی کے مزار کے قریب سپرد خاک ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔[1]

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ص۲۸۰ ج ۴، گلزار ابرار، تذکرہ اولیائے سندھ ص۲۲۸۔ برہانپور کے سندھی اولیار ص۲۰۲۔

غزالی مشہدی

(م ۲۷ رجب ۹۸۰ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۵۷۲ء)

ملحدانہ خیالات اور بے راہ روی کی وجہ سے جب عراق میں آپکو لوگوں نے قتل کرنا چاہا تو وہاں سے بھاگ کر دکن چلے گئے پھر وہاں سے ہندوستان آئے خان زمان نے آپکو خرچ کیلئے ایک ہزار روپیہ بھجوایا تھا۔ آپ نے جونپور سے یہ قطعہ بطور لطیفہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اس میں صنعت معما بھی موجود ہے۔

قطعہ اے غزالی بحق شاہ نجف — کہ سوئے بندگان بے چوں آں
چونکہ بے قدر بودہ آں جا — سرخود را بگیر و بیروں آں

چند سال خان زماں کے پاس رہے بعد میں بادشاہی ملازمت میں پہنچے۔ دربار میں ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ آپ کے اشعار کے چند دیوان اور ایک مثنوی ہے کہتے ہیں انہوں نے چالیس پچاس ہزار شعر کہے ہیں اگرچہ ان کا کلام کچھ زیادہ بلند نہیں کمیت و کیفیت کے لحاظ سے ان کے اشعار اپنے ہمعصروں سے کہیں زیادہ ہیں ان کی وفات جمعہ کی شب ۲۷ ماہ رجب ۹۸۰ھ میں احمدآباد میں اچانک اور دفعتاً ہوئی اور اکبر کے حکم سے آپ کو سرگنج یا سرکھیج میں جہاں بڑے بڑے مشائخین اور سلاطین دفن ہیں دفنایا گیا قاسم ارسلان نے قاسم کاہی کی زبان سے یہ تاریخ کہی۔

قطعہ دوش غزالی آں سگ ملعون — مست جنب شد بسوئے جہنم
کاہی سال وفاتش بنوشت — ملحد دولی رفت زعالم!

بود گنجے غزالی از معنیٰ ! ! مدفنش خاک پاک سرگنج است
بعد یک سال تاریخش ! احمدآباد و خاک سرگنج است

یہ مطلع اسی کے نام سے مشہور ہے لیکن میں نے غزالی کے دیوان میں اسے نہیں پایا۔

شورے شد و از خواب عدم دیدہ کشودیم
دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم !

غزالی کا نمونہ کلام۔

در کعبہ اگر دل سوئے غیر است ترا طاعت ہمہ فسق و کعبہ دیر است ترا
در دل بحق است و ساکن میکدہ می نوش کہ عاقبت بخیر است ترا

ما زگرگ خود نمی ترسیم اما این بلا است
گر تماشائے بتاں محروم می باید شدن

غزالی جیسے شعراء بدایونی کی نظر میں

اس زمانہ کے سارے ہی چھوٹے بڑے شاعر بجز تین چار معمر قدمار کے حیدری مشرب (بے قید اور آزاد) ہیں لیکن یہ دونوں غزالی اور کاہی تو ان آوارہ مشرب شاعروں کے پیشوا اور مقتدار تھے کہ انہوں نے اپنی خباثتوں کو اپنے شاگردوں اور ماننے والوں میں خوب جی کھول کر تقسیم کیا۔ جب ان شاعروں کو دیکھتا ہوں تو اس فکر میں پڑ جاتا ہوں کہ کہیں شعرائے متقدمین میں بھی ایسے ہی نہ گزرے ہوں۔

قاسم بن شیخ یوسف سندھی اور طاہر سندھی

م ۹۸۱ھ بمطابق ۱۵۷۳ء

آپ شیخ طاہر محدث کے چھوٹے بھائی اور مسیح الاولیاء کے والد ہیں۔ آبائی وطن سندھ سے احمدآباد آئے۔ ہجرت کے وقت آپ متاہل ہو چکے تھے۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد شیخ بہاء الدین رح کے مرید ہوئے۔ جو اس زمانہ میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے آستانہ کے سجادہ نشین تھے۔ ۵ رذی الحجہ ۹۶۲ھ کو جب مسیح الاولیاء کی ولادت ہوئی اس وقت آپ گھر پر نہ تھے بلکہ جاگیر پر تھے۔ اسلئے محدث طاہر نے مولود کا نام "عیسیٰ" رکھا۔ بعض بشارتوں سے مولود کا نام "سلیمان" رکھنے کا اشارہ پایا جاتا تھا۔ اس لیئے کبھی کبھی سلیمان کہہ کر پکارتے۔

آپ تقویٰ شعار، عبادت گذار اور متوکل تھے۔ شیخ طاہر محدث فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی قاسم کا مشرب صوفیانہ تھا۔ ۹۸۱ھ میں بمقام ایلچپور برار انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کو نظم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ حتیٰ کہ تاریخ گوئی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ [1]

تاریخ ادب اُردو میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ: ہمایوں کے زمانے میں جب سندھ کے حالات خراب ہوئے تو دو سندھی عالم شیخ قاسم اور شیخ

---

[1] تذکرۂ قاریانِ ہند، تذکرہ اولیائے سندھ، برہانپور کے سندھی اولیاء ص ۱۵، ۱۶، ۱۷۔

طاہر سندھ کے قصبہ پاتری سے (۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء) کے قریب ہجرت کرکے احمدآباد اور وہاں سے ایلچپور (برار) میں جاکر آباد ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے شیخ عیسیٰ (۹۶۲ھ-۱۰۳۱ھ/۱۵۵۴ء-۱۶۲۱ء) جو مسیح الاولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ والیٔ خاندیس شاہ فاروقی کے بار بار کہنے سے برہانپور چلے گئے۔ برہانپور میں ایک پورا محلہ "سندھی پورہ" کے نام سے موجود ہے وہ ان نو واردین کی طرف منسوب ہے۔

تاریخ معصومی میں اس خاندان کا ذکر نہیں ملتا، لیکن عین المعانی اور کشف الحقائق میں مفصل حالات مذکور ہیں۔ اور گلزار ابرار میں سب سے زیادہ تفصیل درج ہے۔ [1]

شیخ الانقیاء شیخ حسن بن احمد

م ۲۸ ذیقعدہ ۱۰۹ھ / ۹۸۲ھ بمطابق ۱۴ مارچ ۱۵۷۵ء / ۱۵۷۵ء

شیخ فاضل کبیر حسن بن احمد بن نصیر الدین عمری ابو صالح حسن محمد۔ آپ کا سنِ ولادت ۹۲۳ھ ہے۔ مولد و منشاء احمدآباد ہے اور احمدآباد ہی کے اساتذہ سے علوم نقلیہ و عقلیہ حاصل کئے۔ طریقت میں اپنے والد اور عم شیخ جمال الدین اور دوسرے شیوخ چشتیہ سے مستفیض ہوئے۔

آپ کو فقہ و اصولِ فقہ، عربی، تصوف اور تفسیر میں کمال حاصل تھا۔ اکتالیس سال تک مسند مشیخت پر فائز رہے۔ اور کئی کتب تصانیف فرمائیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

---

[1] تاریخ ادب اردو، از ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۶۷۹۔

۱۔ تفسیر قرآن جس میں ربط آیات کا التزام ہے۔
۲۔ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ۔
۳۔ زہنۃ الارواح کا حاشیہ۔

۵۹ سال کی عمر میں ۲۸ ذیقعدہ ۹۸۱ھ یا ۹۸۲ھ بمطابق ۱۴ مارچ ۱۵۷۴ء یا ۱۵۷۵ء کو وصال ہوا۔ یہ مختصر احوال لکھے گئے بعد میں آپ کے مزید تفصیلی احوال ملے جو حسب ذیل ہیں۔ [1]

آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی نسل سے ہیں۔ آپ کا نام شیخ حسن محمد اور کنیت ابو صالح ہے۔ آپ کی جائے ولادت احمد آباد گجرات ہے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور صاحب تصنیف بھی چنانچہ تفسیر محمد، تقسیم الاوراد، رسالہ چہار برادران حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ قوت القلوب، حاشیہ شرح مطالع از قسم ثانی۔ (یہ حاشیہ بہت اعلیٰ ہے) اور حاشیہ زہنۃ الارواح آپ کی تصانیف ہیں۔

گلزار ابرار میں آپ کا ذکر ہے۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ اپنے والد ماجد کی زندگی میں اتنے مشہور ہوئے کہ لوگ آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔

ولادت:۔ آپکی ولادت ۹۲۳ھ (بمطابق ۱۵۱۷ء) میں ہوئی آپ کے والد گرامی کا نام شیخ احمدؒ تھا جو میاں جیو کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے والد گرامی کا سلسلہ نسب شیخ کمال الدین علامہؒ تک یوں پہنچتا ہے شیخ احمد المشہور بہ میاں جیوؒ بن نصیر الدین ثانیؒ بن شیخ مجد الدینؒ بن شیخ سراج الدینؒ بن شیخ کمال الدین علامہؒ۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام بی بی خدیجہ تھا جو حافظ قرآن تھیں۔ مجر الاولیا میں لکھا ہے کہ بی بی خدیجہ کے والد کا نام میاں شیر ملک تھا۔ جن کا سلسلہ نسب شیخ لطیف الدینؒ تک پہنچتا ہے۔ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور سفر حجاز میں

---

[1] نزہۃ الخواطر اُردو ۱۵۴۔ عربی ایضاً ۱۵۶ جلد ۴ صفحہ ۸۔

حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ کے رفیق سفر تھے۔

خلافت: - آپ اپنے چچا شیخ جمال الدین جمن رح کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اور اپنے والد گرامی سے بھی خلافت رکھتے ہیں اور آپ کے والد اپنے آباؤ اجداد سے خلافت رکھتے تھے۔ مزید براں آپ شیخ محمد غیاث نور بخش رح ابن محمد علی نور بخش رح سے بھی چند سلاسل کی خلافت رکھتے تھے۔ نیز شیخ بہاؤ الدین رح جو حلیم سہروردی رح کے نام سے مشہور تھے ان سے بھی خلافت کے حامل تھے۔ فخر الاولیاء میں آپؒ کی خلافت کے حالات اس طرح لکھے ہیں۔ کہ آپ نے اپنے والد گرامی شیخ میاں جیو رح سے چھ سال کی عمر میں خلافت پائی اور بارہ سال کی عمر میں شیخ جمال الدین جمنؒ کے مرید ہوئے سولہ یا سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے جب اٹھارہ سال کی عمر کے ہوئے تو ان کے چچا و مرشد شیخ جمنؒ کا وصال ہو گیا اور آپؒ ان کے سجادہ پر بیٹھے اکتالیس سال مسند ارشاد پر جلوہ افروز رہے ستائیس سال اپنے والد صاحب رح کی زندگی میں اور چودہ سال اپنے والد صاحب کے بعد مرأت ضیائی میں رحمت علی شاہ، جو حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوری رح (خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ) کے خلیفہ و قائم مقام تھے۔ نے لکھا ہے کہ جس وقت شیخ محمد غیاث نور بخش قادری رح (جن کا نام مناقب میں شیخ محمد بن علی نور بخش رح اور شیخ غیاث الدین نور بخش رح بھی لکھا ہے) احمد آباد آئے تو ایک دن شیخ جمال الدین جمن رح سے ملاقات ہوئی جبکہ شیخ حسن محمد رح بھی انکے ہمراہ تھے، شیخ محمد غیاث الدین رح نے نور باطن سے معلوم کیا کہ یہ بچہ ولی کامل ہوگا۔ سو ان کے چچا سے کہا کہ اے شیخ جمال الدین یہ بچہ مجھے عطا کر دے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے مگر ابھی بہت چھوٹا ہے۔ آپ سفر سے فراغت پالیں اور یہ بھی علوم ظاہری سے فارغ ہولے اور کچھ بڑا ہو جائے اس کے بعد آپ مرید کرلیں۔ فرمایا بہتر ہے۔ وہ حج پر چلے گئے تو شیخ جمال الدین جمن رح نے اپنے دل میں سوچا کہ میں جانے حسن محمد رح کو شیخ محمد غیاث نور بخش قادری رح

کی بلک کر دیا ہے لیکن اسے خاندان چشتیہ کی نعمت سے محروم نہیں ہونا چاہیئے۔ پس آپ نے شیخ حسن محمد کو مرید کر لیا اور اپنے خاندان چشتیہ کی نعمت و خلافت سے مشرف فرمادیا جب شیخ محمد غیاث بن شیخ محمد ملی نور بخش رح حج سے واپس آئے تو شیخ جمال الدین جمن رح شیخ حسن محمد کو آپ کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ آپ کا بیٹا حاضر ہے اپنے خاندان کی نعمت سے سرفراز فرمائیں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے مزاح کے طور پر فرمایا کہ ہم چاہتے تھے کہ آپ حسن محمد رح کو بلا شرکت ہمیں بخش دیں۔ مگر آپ نے اپنی شرکت بھی کر دی انہوں نے کہا میں نے اسے آپ کی غلامی میں دے دیا ہے۔ مگر یہ خرقہ آبا وا جدادسے پشت بہ پشت آرہا ہے۔ میں نے چاہا کہ یہ سلسلۂ چشتیہ ہمارے گھر سے نہ چلا جائے انہوں نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ بس شیخ محمد غیاث نور بخش رح نے حضرت شیخ حسن محمد رح کو اپنے خاندان قادریہ میں بیعت کیا، اور تربیت فرمائی۔ یہاں تک کہ کمالیت تک پہنچا دیا اور خرقۂ خاندان قادریہ، گازرونیہ، فردوسیہ، کبرویہ، نوربخشیہ اور ہمدانیہ عطا کیا چنانچہ آپ کے ہاں ہر خاندان کی خلافت کا شجرہ لکھا جاتا ہے مگر سلسلۂ چشتیہ دو طریق سے لکھا جاتا ہے۔ ایک اپنے والد گرامی رح کی جانب سے دوسرا حضرت شیخ جمال الدین جمن کی طرف سے جن سے آگے ہمارا سلسلہ چلا۔

وصال :- آپ کا وصال ۲۸ ر ذیقعدہ ۹۸۲ ھ (مطابق ۱۴ ر مارچ ۱۵۷۵ء) بروز ہفتہ نماز ظہر سے دو گھڑی قبل ہوا۔

مراتِ ضیائی میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۲۷ ر اور بعض کے نزدیک ۲۸ ر ذیقعدہ ۱۰۸۱ ھ (مطابق ۷ یا ۸ ر اپریل ۱۶۷۱ء) کو ہوئی۔ مگر مجالسِ چشتیہ میں آپؒ کے بیٹے شیخ محمد رح نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۲۸ ر ذیقعدہ ۹۸۲ ھ (مطابق ۱۱ ر مارچ ۱۵۷۵ء) بروز ہفتہ ہوئی۔ آپ کا قطعہ تاریخ وصال یہ ہے۔

آں سراج اولیاء شیخ حسن قطب دوراں سید و سالار چشت

چوں بحق پیوست تاریخ وصال　　　گفت ہاتف بود گلزار بہشت

آپ کا مزار احمد آباد گجرات محلہ شاہ پور میں آپ کے والد گرامی رح کے مزار مبارک کے قریب ہے۔

اولاد:۔ حضرت شیخ حسن محمد رح کے تین بیٹے تھے شیخ محمد رح، شیخ قطب محمد، شیخ احمد رح۔ شیخ قطب محمد، شیخ احمد دونوں لاولد فوت ہوگئے۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ حضرت شیخ محمد رح سے جاری ہوا۔

خلفاء:۔ آپ کے خلفاء بہت ہیں مگر سلسلہ آپ کے بیٹے شیخ محمد رح سے جاری ہوا۔ [1]

معمولات:۔ اولاً نماز صبح کے فرض پڑھنے کے بعد سے بلا فصل دوپہر تک تلاوت اور رسمی درس میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد درویشان خانقاہ کے ساتھ کسی قدر کھانا کھاتے تھے۔ قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اس کے بعد وعظ و نصیحت کی مجلس شروع ہو جاتی تھی، جو عصر تک رہتی۔ عصر کے بعد درود وظائف میں مشغول رہتے پھر نماز مغرب ادا فرماتے۔ اس کے بعد ذکر جہر شروع کر کے عشاء تک اس میں مشغول رہتے پھر نماز عشاء ادا کر کے حجرہ کے اندر چلے جاتے۔ نماز کمال نیاز کے ساتھ ادا کرتے رات میں تنہا بیدار رہتے تھے جب صبح کی سفیدی نمودار ہو جاتی تو پھر وہی معمول از سرِ نو شروع کر دیتے تھے۔ [2]

خاتمہ مرآت احمدی میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ! آپ صاحب فضل و کمال تھے۔ شیخ حسن محمد کے والد شیخ احمد جمیا جی بن شیخ نصیر الدین کے نام سے معروف تھے۔ آپ علم ظاہر و باطن میں یگانۂ روزگار تھے۔ بچپن ہی میں آپ کو پانچ یا چھ سال کی عمر میں شیخ جمال الدین جمن سے ارادت بلکہ خلافت

---

[1] مناقب المحبوبین صـ۹ ـ ۱۲ گلزار ابرار صـ۳۲۱ ۔

کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ نیز شیخ محمد علی بن نور بخش کی طرف سے بھی آپکو ارادت وخلافت تھی۔ آپ صاحب ورع وتقویٰ تھے۔ اور ماضی، حال واستقبال کے غیب کی خبریں الہٰی الہام کے ذریعہ آپ بتایا کرتے تھے۔ قادریہ نوربخشیہ طیفوریہ وغیرہ سلاسل میں بھی آپ کو اجازت وخلافت تھی۔ آپنے قرآن مجید سورۂ تغابن سے لے کر اخیر تک شیخ جمال الدین جمّن سے پڑھا اور ربلوغ کے بعد اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر ان سے بھی خلافت پائی۔ آپ کا شمار نادر زاد نیک لوگوں میں تھا۔ اور صغر سنّی ہی سے لوگ آپکے بڑے معتقد تھے۔ سلطان محمود شہید اور دیگر امراء سلطنت آپ سے عقیدتمندی کا ثبوت دیتے تھے۔ اور ان کی طرف سے آپ کے لئے وظیفہ مقرر تھا اسی لئے شاہپور اور رکن الملک کا چکلہ شیخ کے تصرف میں تھا۔ باطنی دولت کے ساتھ ساتھ آپ ظاہری ثروت کے بھی مالک تھے لیکن دولت میں سے درویشوں پر خوب خرچ کرتے۔ آپ نے اندرونِ شہر شاہپور دروازہ کے متصل جامع مسجد تعمیر کروائی۔ جو ایک لاکھ کے خرچ سے آٹھ نو سال میں مکمل ہوئی۔ اس دوران سلطنت کی تبدیلی کی بنا پر کچھ حصّہ نامکمل رہ گیا۔ اور بالخصوص مسجد کے منارے ناقص رہ گئے۔

محراب کے بائیں جانب مسجد کی تاریخ بناکندہ کی ہوئی ہے جو اسطرح ہے۔

قطب زمانہ شیخ حسن ساخت مسجدی
کا نجا کنند اهل عبادت دعائے شیخ
چوں شیخ ابن رفیع مکاں رابنا نمود
تاریخ سال روز قضا شد بنار شیخ

حسن میں بناء شیخ کے الفاظ سے تاریخ نکلتی ہے۔ شیخ کی تصانیف

وحواشی بھی ہیں بالخصوص بیضاوی کی تفسیر پر حاشیہ اور اسی طرح تفسیر محمدی جس میں ربطِ آیات کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے (آپ کی تصانیف ہیں) اکتالیس سال تک آپ مسندِ ارشاد و ہدایت پر متمکن رہے جن میں سے ستائیس سال اپنے والد بزرگوار کی موجودگی میں اور چودہ سال ان کی وفات کے بعد مسندِ ہدایت پر متمکن رہے۔

آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ شیخ محمد جو اپنے والد کے انتقال کے بعد مسندِ مشیخت پر بیٹھے اور دوسرے کمال الدین محمد تیسرے شیخ قطب محمد جو برہانپور کے علاقے میں سکونت پذیر تھے۔ وہیں انتقال کیا اور شیخ مازن کی قبر کے پاس ان کی قبر بنائی گئی۔ اور چوتھے شیخ صالح محمد جن کی وجہ سے آپکو ابو صالح بھی کہتے ہیں۔ اور دو صاحبزادیاں، بی بی خدیجہ اور بی بی عائشہ۔ آپ کی وفات بروز شنبہ ۲۸ ذوالقعدہ ۹۸۰ھ میں ہے۔

محمدّ بن محمدّ بن احمد المیانجی فاروقی چشتی گجراتی

(م ۱۰۰۰ھ بمطابق ۱۵۹۲ء)

محمد بن احمد المیانجی صاحب "تفسیر محمدّی" کے صاحبزادے ہیں ۔ ان کے مندرجہ ذیل رسالے برلن کے کتب خانے میں محفوظ ہیں ۔

وفات ۱۵۹۲ء/ ۱۰۰۰ھ کے بعد ہوئی ۔

(۱) نکات الاخوان ، بعون اللہ الملک المنان (برلن ۳۱۰۵)

(۲) مراجین العشاق ، بین البحر الاشراق (ایضاً ۳۱۰۲)۔

(۳) الجمع بین الدنیا والعقبیٰ (ایضاً ۳۱۴۵)۔

(۴) رسالہ فی من عرف اللہ کل لسانہ (ایضاً ۲۲۳)۔

(۵) الرسالہ فی بیان جہاد الاکبر (انڈیا آفس ۱۴۱۲)۔

(۶) جواہر العلوم (برلن ۲۲۳۲)

(۷) الحیرۃ فی ذات اللہ (ایضاً ۲۲۴۳)

(۸) تحفۃ السلوک الموصلۃ الی اللہ ملک الملوک (ایضاً ۳۲۸۵)

(۹) رسالۃ فی الاوراد (۲۳۸۷)

(۱۰) المفلس فی امان اللہ (ایضاً ۱۳۶۴)

(زبید احمد ۳ تاریخ بروکلمن ۲ ! ۴۲۰ ؛ مقدمہ مراجین العشاق)

شیخ محمد بن محمد بن احمد فاروقی چشتی کی تمام دستیاب کتب اور رسائل

تصوّف سے متعلق ہیں۔ "نکات الاخوان بعون اللہ المنان"، میں صوفیانہ، اور فکر انگیز معارف بیان کئے گئے ہیں۔ ہر بات اور ہر مسئلہ کا آغاز "نکتہ" سے کرتے ہیں۔ مثلاً نکتہ۔ العقل ما ینجیک من الاخلاق المذمومۃ الی الاخلاق المحمودۃ؛ یعنی عقل کے سلسلے میں یہ نکتہ ہے کہ عقل وہ ہے جو تجھے اخلاق مذمومہ سے نجات دلا کر اخلاق محمودہ سے آشنا کر دے۔ مگر "مراجین العشاق، بین البحر الاشواق"، کا بھی تقریباً یہی اسلوب ہے۔ تاہم یہاں ہر مضمون و مسئلہ کا آغاز بلفظ مرجان، (موتی جمع مراجین) سے کرتے ہیں۔ مثلاً مرجان، واعلم ان العشق یکون بحیث لا یغیر معہ العاشق والمعشوق (یعنی عشق کا وجود یوں ہے کہ اس کے ساتھ عاشق و معشوق کا ہونا ضروری نہیں، عشق کو دوام ہے)۔ "رسالہ فی بیان الجہاد الاکبر"، میں اصلاحِ نفس انسانی کے متصوفانہ اصول بیان کئے ہیں۔[1]

قاضی عیسیٰ احمد آبادی

(م ۹۸۲ھ بمطابق ۱۵۷۴ء)

علوم و فنون کے ماہر علامہ قاضی عیسیٰ احمد آباد کے مشہور علماء میں اور وہاں کے مشہور مدرسین میں سے تھے۔

آپ کی چند تصانیف فن تصوف و اخلاقیات میں ہیں جن میں سے ایک "الرسالہ فی جواز السماع" (برٹش میوزیم) ہے۔ دوسری کتاب "الرسالہ فی التوکل" (بانکی پور ۱۳: ۹۳۶) ہے۔[2]

---

[1] تاریخ ادبیات عربی ادب ص۲۵۵ ج ۲ ۔ ۲ھ النور السافر ص۳۱۷، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص۳۲۱۔

شیخ راجی محمد علنی

(م ۹۸۲ھ بمطابق ۱۵۷۴ء)

شیخ راجی محمد ابن شیخ خان حنفی ۔ شیخ عین القضاۃ ہمدانی کی اولاد سے تھے ۔ کم سنی ہی میں تعلیم کی غرض سے برہانپور گئے اور دو سال تک قیام کیا ۔ یہاں علوم کا ایک حصہ پڑھا اور پھر احمد آباد بیدر تشریف لے گئے ۔ یہاں شیخ محمد بن ابراہیم اسماعیلی ملتانی سے ۱۲ رسال تک استفادہ کے بعد اجین لوٹ آئے اور پچاس سال تک مصروف تدریس رہے ۔ [1]

آپ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھ کو مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ اکمل الاولیا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ مصلی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بے شمار لوگ اور وحوش وطیور آپ کے گرد مجتمع ہیں ۔ ان سب میں شیخ عبدالقادر نے میرا نام لے کر بلایا اور مصلی کے نیچے جو خس و خاشاک تھا اس کو اپنے دست مبارک سے جھاڑ دیا ۔ اور فرمایا کہ جو دوئی کا زنگ تمہارے دل کے آئینہ پر تھا وہ صاف ہوگیا ۔ اب مصلے پر بیٹھو اور شکرانہ کی نماز پڑھو ۔ پھر شیخ نے قطبی ولایت کی خوشخبری مجھے دی ۔ اس کے بعد پیر نے بھی خرقۂ خلافت عطا فرما کر اجین میں رہنے اور لوگوں کی رہنمائی اور تعلیم کی اجازت مرحمت فرمائی ۔

اولاد آپ کے چھ بیٹے تھے ۔ عبدالرحمن ، عبدالکریم ، عبدالرحیم یہ تین ایک بیوی سے اور عبدالحلیم ، عبدالحمید اور عبدالمجید دوسری منکوحہ سے تھے ۔ شیخ عبدالکریم والد کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے ۔ نہایت سنجیدہ جوان مرد تھے پرہیز گار ، حق شناس ، خداپرستی ، مہمان دوستی ، اور زندہ دلی جیسے اوصاف

---

[1] اعیان الحجاج ۔

عالیہ سے متصف تھے۔ ان کی وفات ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ پدر بزرگوار کے گنبد کے باہر جنوبی سمت میں دفن کئے گئے۔

شیخ عبدالکریم نے دو فرزند چھوڑے ایک شیخ عبدالعزیز جو علوم متداولہ سے آراستہ تھے۔ انہوں نے اوّلاً رسمی علوم کا اکتساب شیخ عبدالکریم نہروالہ سے کیا پھر علامہ وجیہہ الدین علوی احمدآبادی کی خدمت اور درس میں بیٹھکر علوم کی تحصیل کی۔

شیخ عبدالکریم کے دوسرے فرزند شیخ عبدالقادر تھے جو اپنے آبائے کرام کے وطن میں آبائی مکان اور خانقاہ کو آباد کئے ہوئے تھے۔

شیخ راجی محمد عیسیٰ اجین میں پچاس برس تک درس و تدریس میں مشغول رہے اور ۲۷ رمضان ۹۸۲ھ میں اس دنیا کو خیرباد کہا۔ (گلزار ابرار)

میر محمد غزنوی

(وفات ۹۸۳ھ بمطابق ۱۵۷۵ء)

میر محمد نام شمس الدین محمد اتکہ کے بھائی تھے۔ کامران اور ہمایوں کے ساتھ بھی رہے اکبر کے دور میں بڑا اعزاز پایا۔ خان کلاں کے خطاب اور پنج ہزاری منصب سے نوازے گئے۔ پہلے پنجاب کی صوبداری دی گئی جہاں آپ نے گھوکروں کی سرکشی کو دبایا۔ پھر آپ مرزا محمد حکیم کی اعانت کے لئے کابل بھیجے گئے۔ گئے۔ جہاں آپنے مرزا سلیمان سے لڑکر کابل کا تخت مرزا محمد حکیم کے لئے حاصل کیا۔ اکبر کے تیرہویں سال جلوس میں آپ کو سنبھل کی جاگیرداری دی گئی۔ سترہویں سال جلوس میں آپ گجرات کی مہم پر بھیجے گئے۔ جس کی تسخیر کے بعد آپ کو پٹن کا مرزبال یعنی حاکم بنا دیا گیا۔ جہاں آپ نے ۹۸۳ھ مطابق ۱۵۷۵ء میں وفات پائی

سپاہ گری، سیاست دانی، باغبانی اور شعروشاعری کا آپ بہت ہی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

ملا بدایونی کا بیان ہے کہ آپ اکبر سے یوں کہا کرتے تھے کہ "آپ کے عہد کی بڑائی اس وجہ سے ہے کہ مجھ جیسا آدمی موجود ہے"

ملا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ بڑے عالی مرتبہ اور مشہور امیر تھے۔ آپ کی محفل کبھی اہل علم سے خالی نہ رہتی تھی۔ اپنے سیاسی مشاغل کے باوجود شعر کہنے کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنا ایک بڑا دیوان مرتب کیا ہے۔

مراۃ العالم میں بھی آپکے متعلق تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

رباعی:- درجوانی حاصل عمرم بنادانی گزشت
آنچہ باقی بود آں ہم درپشیمانی گزشت
اے جواں جز تخم نومیدی نکشتی درجہاں
موسم پیری رسید وقت دہقانی گزشت

سنبھل کی حکومت کے زمانے میں آپ کے سامنے شیخ سعدی رہ کا یہ مطلع پڑھا گیا

دلے عاشق صابر بود مگر سنگ است
زعشق تابصبوری ہزار فرسنگ است

تو آپ نے اس پر کہا۔

دلے کہ چہرۂ ساقی زیادہ گلرنگ است
بنوش بادہ برآواز نے کہ دل تنگ است

ریاض الشعراء میں آپ کا تخلص غزوری بتلایا گیا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ اس میں آپ کی شاعری کے متعلق یہ رائے درج ہے۔

درترکی و فارسی اشعار اردولیکن درا فکار رمزہ کہ باید کمتریافت می شود۔ بزم تیموریہ ص ۲۶۴

شاہ عبدالجلیل بن شاہ غیاث الدین ثانی

(م ۹۸۳ھ بمطابق ۱۵۷۵ء)

آپ کی ولادت باسعادت احمدآباد میں ہوئی ۔ آپ نے علم باطنی وظاہری والد ماجد سے حاصل کیا ۔ اور رتبہ خلافت کو پہنچے اور خلق کی تعلیم میں مشغول ہوئے ۔ آپ کو باطنی حسن وکمال کے ساتھ ساتھ حسن یوسفی بھی عطا کیا گیا تھا جس کی بنا پر بہت سے امراء نے آپ سے رشتہ مصاہرت قائم کرنا چاہا ۔ مگر یہ شرف آپ کی طرف سے سید یحییٰ بن سید خوندمیر چشتی کے مقدر تھا ۔ اور انکی صاحبزادی مسمیٰ عائشہ کو آپ نے اپنے عقد نکاح میں قبول فرمایا ۔ آپ صائم الدھر تھے اور زیادہ تر وقت یادِ الٰہی میں گذرتا ۔ سنت نبویہ علی صاحبہا الف تحیۃ والسلام آپ کا خصوصی شعار تھا دنیا کی مال و دولت سے نفور تھے ۔

ایک مرتبہ کسی نے ایک ڈبیہ پیش کی کہ اسمیں ایک ایسی چیز بطور ہدیہ ہے جو ہر چیز کی کیمیا گر اور سونا بنا دینے والی ہے ۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ میرے جسم سے جو چیز مس ہو وہ سونا بن سکتی ہے یہ فرماکر لوہا اٹھا کر دیا جو سونا بن گیا تھا ۔

۹۸۳ھ میں پیغام اجل آگیا اور احمدآباد میں آسودۂ لحد ہوئے ۔ آپ کے خلفاء کرام کی فہرست طویل ہے جن میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں ۔

۱ ۔ سید مصطفےٰ بن یحییٰ حسینی ۔ ۲ ۔ سید عبدالحلیم بن سید مصطفےٰ ۔
۳ ۔ ملک عبداللطیف بن ملک داؤد شاہ ۴ ۔ شیخ فرید بن شیخ محمد
۵ ۔ ملک محمود ۶ سید خوندمیر
۷ ۔ سید خلیل ۸ ۔ شیخ خوب محمد

۹ ۔ شیخ حاجی ۱۰ ۔ شیخ علی
۱۱ ۔ شیخ عبداللہ ۱۲ ۔ شیخ رزق اللہ
۱۳ ۔ خواجہ عطاء اللہ [1]

سیّدی سعید سلطانی

(وفات ۳ رشوال ۹۸۴ھ مطابق ۲۳ ردسمبر ۱۵۷۶ء)

صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ ! ۳ رشوال ۹۸۴ھ مطابق ۲۳ ردسمبر ۱۵۷۶ء کو پیر کے دن سیّدی سعید سلطانی حبشی کا احمد آباد میں انتقال ہوا ۔ جو حنفی المذہب تھے. اور بہت کثیر قسم کے بڑے فقیہ اور جملہ علوم کے ماہر تھے ۔ قرآن کریم کے بھی حافظ تھے ۔ اور بہت زیادہ عبادت گذار تھے ۔ اس درجے تک کہ رمضان المبارک میں پانچ ختم فرماتے تھے ۔ فوجی افسران آپ کا نہایت احترام کرتے تھے. نہایت تعظیم وتکریم کا معاملہ آپ کے ساتھ بجالاتے ۔ انہوں نے آپ کے لئے پندرہ ہزار گنی مقرر کر رکھی تھی سیدی سعید طالب علموں سے بہت زیادہ محبت کرنے والے تھے ۔ جب آپ حج کو گئے تو شیخ ابن حجر ہیثمی کی شاگردی اختیار کی ۔ اور ان سے پڑھا ۔ ان کو کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا ۔ کتابیں مصر تک سے منگواتے تھے ۔ انہوں نے احمد آباد میں نہایت خوبصورت مسجد تیار کی ۔ اس کے علاوہ بڑے افعالِ خیر آپ نے سرانجام دیے مسجد کے ساتھ ہی آپ کی قبر بنائی گئی ۔ اور انکی قبر کے پہلو میں شیخ عبدالمعطی ابا کثیر کی بھی قبر بنائی گئی [2]

---

[1] ابرِ گجرات ص ۲۶۱ [2] الفوائد السنیہ، النور السافر ص ۳۲۰ ۔ ص ۲۷۲

مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ سیدی سعید کی ولادت غالباً حبشہ میں ہوئی اور وہاں سے غالباً یمن میں آکر ترکوں کی فوج میں داخل ہوئے۔ اور پھر مصطفیٰ رومی خاں کے ساتھ گجرات آئے۔ رومی خاں کے چلے جانے کے بعد جہاں اور ترکی اور حبشی ملازم ہوئے۔ سعید بھی ملازم ہوئے۔ آخر میں ترقی کرکے سلطان محمود کے مقرب ملازموں کے زمرہ میں شامل ہوگئے۔ اسی لئے ان کو سیدی سعید سلطانی کہتے ہیں۔

سلطان محمود کی شہادت کے بعد حبشی سرداروں نے ملک کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا تو سیدی سعید نے جھوجھار خاں کی رفاقت اختیار کرلی، ان دونوں میں پہلے سے دوستی تھی، سیدی سعید بہادر آدمی تھے۔ اور مختلف جنگوں میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔ وہ ان دو جنگوں میں بھی شریک تھے جن میں سے ایک جھوجھار خان سے ہوئی تھی۔ اور دوسری محمد الغ خاں سے ہوئی تھی، ناصر جنگ نے ان کی ذاتی قابلیت ہی کی بنا پر چنگیز خان حاکم بھروچ کے پاس انہیں بطور سفیر کے بھیجا تھا۔

پھر انہوں نے فوجی خدمت ترک کردی اور جھوجھار خان کے ساتھ رہنے لگے جن سے ان کے پہلے سے تعلقات تھے انہوں نے سیدی سعید کو اپنا بھائی سمجھا اور اس قدر آپس میں محبت بڑھی کہ ان کے وہ بڑے معتمد علیہ ہوگئے

جھوجھار خان اور ان کے بھائی نے ان کی نیکی، وفاداری اور سعادت مندی کے پیشِ نظر پچاس لاکھ ٹنکہ کی آمدنی کا ایک گاؤں ان کو دیا اور وظیفہ علیحدہ مقرر کردیا۔ سیدی سعید نے اس کے بعد بڑے کارِ خیر انجام دیئے۔

سیدی کے سعید کام: ۔ سید سعید بڑے صالح نیک دل اور فیاض تھے ان کے مشیر بھی اچھے تھے۔ انہوں نے اپنی دولت اپنے

عیش و عشرت پر صرف نہیں کی۔ بلکہ غریبوں کے لئے مکانات بنواتے۔ حاجتمندوں کے لئے روزینے مقرر کئے۔ غلاموں کی مدد کی۔ اور مسکینوں کی ضرورتیں پوری کیں۔ آپ نے ایک مسجد تعمیر کی جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔ اس کے ساتھ ایک لنگر خانہ بھی قائم کیا جس میں دشیشہ پکا کر لوگوں کو کھلایا جاتا۔ دشیشہ ایک قسم کی غذا ہے جو گیہوں بھگو کر اور کوٹ کر پکاتے ہیں۔

ان کے زمانہ میں غیر ملکیوں کے حملوں اور خانہ جنگی کی وجہ سے بیکاری بے روزگاری اور افلاس بہت بڑھ گیا تھا۔ خصوصاً متوسط سفید پوش طبقہ بہت پریشان حال ہو گیا تھا۔ سیّدی نے اس لنگر خانہ میں ان سب لوگوں کا بندوبست کیا، اور مفت کھانا کھلانا شروع کر دیا۔ جس کا خرچہ رفتہ رفتہ اتنا بڑھ گیا کہ بنیس من گجراتی بھیک منگے فقیروں کے لئے اور بنیس من سفید پوش غریبوں کے لئے پکتا اس کا چوتھائی یا پنج من الگ ایک مکان میں پکایا جاتا۔ جو لنگر خانہ سے قریب تھا۔ جو لوگ آجاتے ان کو وہیں دسترخوان بچھا کر کھلا دیا جاتا۔ اور باقی گھر گھر الگ تقسیم کر دیا جاتا۔

خود سیدی کے دسترخوان پر دونوں وقت شرفاء کی جماعت بیٹھتی۔ جس میں حضرم (حضرموت) کے شرفاء، شہر کے علماء، ارباب تصوف اور مخلص احباب بھی شامل ہوتے۔ مخصوص مصاحبوں کے لئے الگ دس من روزانہ مقرر تھا سیدی خصوصیت کے ساتھ تارک الدنیا اور گوشہ نشین لوگوں تک کھانا پہنچانے کی کوشش کرتے۔ [1]

سردی کے موسم میں صاحب حیثیت لوگوں کو بطور تحفہ قبائیں دیتے۔ اور ایک ہزار غرباء کو تقسیم کرتے۔ ان کا یہ دستور اکبر کے احمد آباد فتح کرنے

---

[1] ظفر الوالہ ج دوم۔

تک برابر جاری رہا۔

وہ زیادہ تر علم وفضل والوں کے ساتھ صحبت رکھتے، ان کی مجلس میں بہترین آدمی جمع ہوتے۔ اور انہی اصحاب فضل وکمال سے انہوں نے مختلف علوم وفنون حاصل کیئے۔ ان کی علم نوازی ہی کا نتیجہ تھا کہ شیخ حمید بن قاضی عبداللہ سندھی محدث وقت نے جامع حمیدی کی تبویب ختم کی تو اسکو سعیدی کے نام پر معنون کیا اور اس کا نام جامع سعیدی فی تبویب الحمیدی رکھا۔

کتبخانہ انہی بزرگوں کے فیض صحبت سے آپ کو کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ بڑی کوشش سے ایک کتب خانہ قائم کیا۔ شہر میں جس قدر کتابیں مل سکیں وہ سب جمع کیں۔ پھر کتابوں کے اکٹھا کرنے کے لئے ایک جہاز ٹھیک کر کے مصر روانہ کیا۔ اور اس کے ناخدا خواجہ سلامت اللہ شاطر مغربی کو ایک فہرست دی کہ اس کے مطابق کتابیں خرید کر اور اس جہاز پر لاد کر لائیں۔

یہ جہاز کتابوں کو لے کر گھوگھہ بندر (کاٹھیاواڑ) پہنچا۔ تو بدقسمتی سے طوفان کی زد میں آ گیا اور جہاز نے کروٹ لے لی۔ جس کی وجہ سے کتابیں ضائع ہوگئیں ان میں سے جو بچ سکیں وہ کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں۔ اکبر کے فتح احمدآباد کے بعد تاریخوں میں اس بیش قیمت کتب خانہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

ظفر الوالہ کے مصنف آصفی ان کی مہربانیوں کے بڑے معترف ہیں وہ لکھتے ہیں۔ کہ شیخ سیدی سعید مجھ پر بڑے مہربان تھے۔ اور میرے ساتھ ان کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اس نے شیخ کی تعریف میں ایک عربی نظم لکھی ہے جس کے آخر میں مسجد کے بنا کی تاریخ نکالی ہے۔

وہ ظاہر و باطن ہر لحاظ سے بہترین آدمی تھے۔ بے حد مخیر فیاض اور بلند

اخلاق تھے۔ اور بڑے شان وشکوہ سے رہتے تھے۔ بیس سے زیادہ ان کے حبشی غلام تھے، ایک سو نوکر تھے، تیس گھوڑے، دس اونٹ، اور پچاس بیل تھے۔ جو بہل اور بار برداری کی گاڑیوں میں استعمال ہوتے۔ اپنے علاقہ کا اس قدر بہترین انتظام کیا کہ اس کی آمدنی دوگنی ہو گئی تھی۔ وہ ظاہر کے بھی امیر تھے اور اپنی نیکیوں سے باطن کے بھی۔

وہ اپنے ابنائے جنس یعنی حبشیوں کا خصوصیت کے ساتھ بڑا خیال رکھتے تھے۔ ان کا یہ غیر معمولی عروج دیکھ کر لوگوں کو حسد ہو گیا اور یہ دیکھ کر کہ جھوجھار خاں جیسا آدمی ان کا ادب کرتا ہے۔ وہ جل گئے۔ آخر میں جھوٹے بہتان لگا کر دونوں امیروں کو آپس میں لڑا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جھوجھار خان نے اپنے تمام گاؤں واپس لے لیئے اور اتنا شدید اس میں جذبۂ انتقام پیدا ہوا کہ قتل تک کی دھمکی دے دی۔

ان کا ستارہ پھر فوراً ہی اوج پر آگیا۔ کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الغ خان نے ان کو اپنی وکالت میں لے لیا۔ اور جھوجھار خاں سے کہیں بہتر گاؤں ان کو بخش دیئے۔

ان کی منجملہ نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ تھی کہ اپنے جہاز پر اپنے ساتھ ایک جماعت کو حج کرانے کے لیئے لے گئے۔ انہی کے ساتھ مدینہ منوّرہ کی بھی زیارت کی اور حرمین میں بہت سے کام انجام دیئے۔ اکبر بادشاہ نے احمد آباد فتح کیا تو اس کے تیسرے سال حکومت کی طرف سے امیر حج بنا کر بھیجے گئے۔ حج سے واپس آئے تو ۳ رشوال ۹۸۴ھ مطابق ۴ ہر دسمبر ۱۵۷۶ء دوشنبہ کے دن احمد آباد میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور اسی مسجد میں جو آپ نے بنوائی تھی (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) دفن کیا گیا۔

ان کا آخری نیک عمل یہی حج تھا۔

جالی والی مسجد

یہ مسجد بہت قدیم اینٹ کی بنی ہوئی سیدی سعید کے مکان سے متصل تھی۔ جس کو ایک مجذوب شیخ ابن نے بنوانا شروع کیا تھا کہ وفات پاگئے۔ اور اسی مسجد میں دفن کیے گئے۔ ان کے بعد شیخ سعید اس کے متولی ہوئے۔ اور انہوں نے بھی اس کی تعمیر جاری رکھی۔ ان کا جب انتقال ہوا تو وہ بھی اسی میں دفن کیے گئے۔ شیخ سعید نے اس کی بنیاد بہت مضبوط اور بلند کردی اسکی چھت قبہ نما بنوائی۔ پتھروں کی جالیاں خاص اہتمام سے بنوا کر اس میں لگوائیں مسجد کو پہلے سے زیادہ نہ صرف وسیع کردیا بلکہ آس پاس کی تمام زمینیں بھی خرید کر مسجد میں شامل کردیں۔ صحن کے ساتھ ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ اور اس کے داہنے طرف اپنے لئے پتھر کی قبر بنوائی وہ اس سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ پیام اجل آپہنچا اور مسجد نامکمل رہ گئی۔

مسجد کا جائے وقوع اور اس کا طول وعرض

قلعہ سے کچھ ہی فاصلہ پر لال دروازہ سے متصل یہ مسجد واقع ہے۔ یہ سیدی سعید کی مسجد کہلاتی ہے۔ عمارت کی حیثیت سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے طول میں ۶۸ اور عرض میں ۲۷ فٹ ہے۔ پہلے زمانہ میں ہندوؤں کے مندر کی طرح آٹھ گوشے بنا کر ان پر گنبد بنانے کا رواج تھا۔ اس میں کمانوں کے اوپر گنبد بنا کر سائبان بنایا گیا ہے۔ ایک ایک ستون پر چار چار کمانیں رکھی ہیں۔ مینارے آٹھ گوشے اور سادے ہیں زینہ کی دیواروں پر نقش و نگار بنا ہوا ہے۔ ساری دنیا میں اس کی شہرت کا سبب اس کی حسین و جمیل جالیاں ہیں۔ جن کی کہیں مثال نہیں ہے۔ بعض
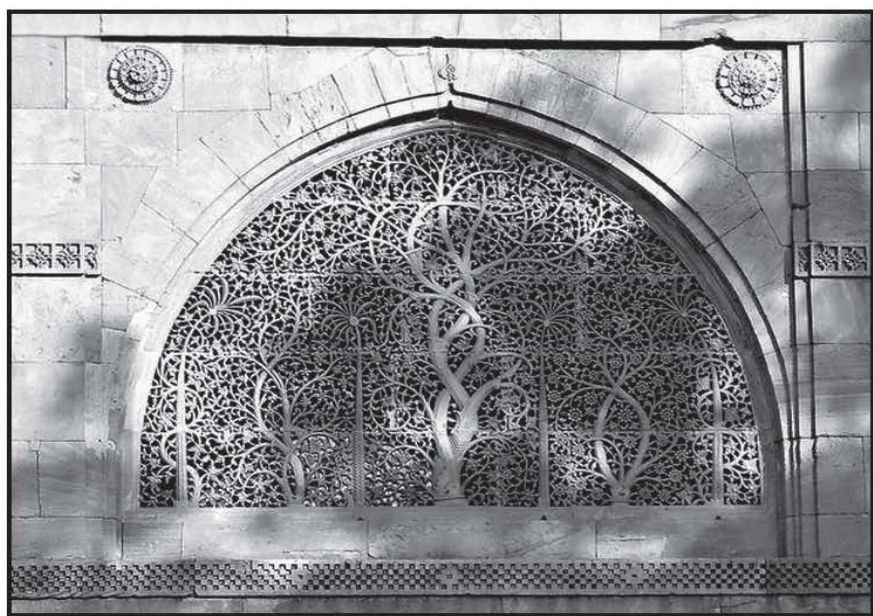
مشہور جالی مسجد سیدی سعید، لال دروازہ، احمد آباد

جالیوں پر درخت اور پتیوں کی تصویریں ہیں۔ جو بہت خوبصورت اور نادر نیز احمدآباد اور گجرات کے آثارِ قدیمہ کے لئے باعث زینت ہیں۔ یہ درخت اور پتیاں اس تناسب اور خوبی کے ساتھ نقش کی گئی ہیں کہ ایک چھوٹے سے باغ کا منظر بن گیا ہے۔ کھجور اور ناریل کے درختوں کی پتیاں اس نزاکت سے بنائی گئی ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

اسکے متعلق غیر ملکیوں کی آراء

مسٹر ہوپ نے لکھا ہے کہ دنیائے مشرق میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ فرگوسن کا بیان ہے کہ دہلی اور آگرہ کہیں بھی ایسی جالیاں نظر نہیں آئیں۔ ازمنۂ وسطیٰ میں بھی یونان وغیرہ میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ زار روس اپنی شاہزادگی کے زمانے میں جب احمدآباد آیا تو اس نے ان جالیوں کو دیکھ کر کہا کہ ان میں مختلف درختوں اور ان کی پتیوں کو اس حسن و نزاکت کے ساتھ بنایا گیا ہے کہ ان کو دیکھ کر لوگ گردآباد اور ریگستان کو بھول جاتے ہیں (جہانگیر نے احمدآباد کا نام گردآباد رکھا تھا) حالانکہ اس وقت احمدآباد تقریباً ویران ہو گیا تھا۔ اور اس کی ساری رونق ختم ہو گئی تھی۔ سر جان مارشل جیسا نکتہ چین بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ مسجد اپنی خوبصورت جالیوں کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ خصوصاً اس کی دو جالیوں میں پھول، پھل، درخت اور بیل جیسا خوبصورت نقش و نگار کہیں دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ فرگوسن نے کہا کہ یہ مصنوعی نہیں بلکہ اصلی معلوم ہوتا ہے۔ ان کا بنانے والا اپنے فن کا ماہر بلکہ موجد تھا۔ اس نے اپنے دماغ اور فکر سے نئے نئے نقشے بنائے اور ان کو عمل میں لایا۔ اس نے پتھروں پر اس طرح کے نقش و نگار بنائے ہیں کہ گویا وہ پتھر پر نہیں کپڑے پر بنے ہیں۔ ان میں

زرگر، مصور، سنگتراش، معمار، نجار سب کی روحیں جمع ہوگئی ہیں۔ اس کا نمونہ پہلے لکڑی کے تختہ پر بنایا گیا، جس پر ایک ہزار خرچ ہوا۔ پھر اس نمونہ کو پتھر پر اتارا گیا۔ لندن اور نیویارک کے عجائب خانوں میں اس کی نقلیں موجود ہیں۔

اس زمانہ میں اس نقش و نگار کی نقل فرنیچر میں بھی کرنے لگے تھے۔ سچ یہ ہے کہ یہ نقش و نگار اس وقت کے باکمال کاریگروں کا ایک معجزہ۔

مرہٹوں کے زمانہ میں قلعہ بھدر کے قریب ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔ مگر خوش قسمتی سے اصل مسجد بچ گئی۔ اور اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔

مسجد کی موجودہ حالت

مرہٹوں اور انگریزوں کے ابتدائی عہد میں اس مسجد کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی اس میں چونا وغیرہ لگا کر بہت گندہ کردیا گیا تھا۔ انگریزوں نے اس میں ؛معاملت دار کی عدالت، قائم کردی۔ اور ایک سرکاری محکمہ کا دفتر بنادیا عرصہ تک وہ اسی حالت میں رہی اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کہتے ہیں کہ جالی اکھاڑ کر لندن لے آئے جو لارڈ کرزن کو آثار قدیمہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ جب وائسرائے مقرر ہوکر ہندوستان آیا تو اس نے ؛آثار قدیمہ، کے نام سے ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور اس کے قانون کی رو سے مسجد عدالت اور دفتر سے خالی کرالی گئی اور اس کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔

اس کے بعد محکمہ آثار قدیمہ کے تحت سنی وقف بورڈ نے اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ اس نے مسجد کے لئے امام، مؤذن وغیرہ مقرر کئے، وضو کے لئے پانی کا حوض اور روشنی کا انتظام کیا۔ اب یہ آباد ہوگئی ہے اور پانچوں وقت باجماعت نماز ہونے لگی ہے۔

اس کی آس پاس کی زمین جو گورنمنٹ نے لے لی تھی اگر وہ واپس مل جاتی تو اس کی آمدنی سے مسجد کی مرمت اور دوسری ضروریات پوری کی جا سکتیں۔
آصفی نے اس مسجد کی تاریخ کہی ہے جس کا آخری شعر یہ ہے۔

عمّر الجامع للہ ‏ ‏ ‏ ‏ عامر جاء سعید

صرف اللہ کے لئے اس نے مسجد بنائی۔ بنانے والا سعید آیا۔ [1]

سیّدی سعید کی مسجد پر آصفی کا قصیدہ

ازلفت جنّة عدن ‏ ‏ ‏ ‏ وعد الاجر یزید
لسعید صدق اللہ ‏ ‏ ‏ ‏ للخیر یجید!
وبنی المسجد للہ ‏ ‏ ‏ ‏ ولہ منہ الوعود
فیہ ذکر وصلوٰة ‏ ‏ ‏ ‏ وخشوعٌ وھجود
تنزل الرحمة تغشی ‏ ‏ ‏ ‏ کل کہل و ولید
غفر اللہ لعبد ‏ ‏ ‏ ‏ ونعد الا وعید
حافظ الوقت لبشکر ‏ ‏ ‏ ‏ رفلت ماکنت ترید
والی الطاعة بادرٌ ‏ ‏ ‏ ‏ یتولاک حمید
فقد بدا التوفیق من ‏ ‏ ‏ ‏ ھو یبدئ و یعید
ان تجد کل اناس ‏ ‏ ‏ ‏ لبنا الخیر رشید
آصفی علم نظام ‏ ‏ ‏ ‏ من یرمہ فسدید
فلمن یسأل عنہ ‏ ‏ ‏ ‏ جاء بیتٌ ومفید
عمر الجامع للہ ‏ ‏ ‏ ‏ عامر جاء سعید [2]

---

[1] ظفر الوالہ ج۲، الفوائد البہیہ، النور السافر صـ۳۲۰، گجرات کی تمدنی تاریخ صـ۱۵۲ تا ۱۶۶ [2] ظفر الوالہ بمظفر والہ صـ۵۲۱ تا ۶۲۰، ۶۲۳

شیخ علامہ جمال الدین محمد بن عبدالرحیم بن محمد عمودی

(م ۱۲ رجب ۹۸۴ھ بمطابق ۱۵۷۶ء)

شیخ علامہ جمال الدین محمد بن عبدالرحیم بن محمد عمودی ۔ آپ کے بارے میں عبدالقادر حضرمی النور السافر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے دادا محمد عمودی شیخ احمد عمودی کے بھائی تھے ۔ اور یہ دونوں شیخ کبیر علامہ شہیر فقیہہ عثمان بن محمد عمودی کے فرزند تھے ۔ جن سے عبدالقادر حضرمی مستفیض ہوئے ۔

آپ کریم النفس با اخلاق، کثیر التواضع عوام کے مقبول و محبوب تھے ۔ ۱۲ رجب شب شنبہ ۹۸۴ھ مطابق ۱۵۷۶ء کو آپ نے رحلت فرمائی آپ کا مدفن احمد آباد ہے ۔ [1]

شیخ عمودی کا ذکر ظفر الوالہ میں ۹۷۵ھ کے واقعات میں زبردست خان رومی کے ذیل میں مصنف نے کیا ہے کہ آپ (زبردست خاں رومی) نے شہادت پائی ۔ آپ نہایت قوی و شجاع تھے ۔ آپ پر عفت و صلاح غالب تھی اور حق تعالیٰ شانہ، کی طرف سے فرائض و سنن کے علاوہ نفل عبادات کی بھی توفیق ملی تھی ۔ صالحین سے مجالست رکھتے، ان کی مجالس میں حاضری دیتے انکے نصائح کو سنتے خاص طور پر شیخ جمال الدین عمودی سے ان کا سب سے زیادہ تعلق تھا ۔ جب آپ کو گولی لگی تو اس وقت شیخ عمودی کی گود میں آپ نے روح مالک کے حوالے کی ۔ [2]

---

[1] نزھۃ الخواطر اردو صفحہ ۲۱۵ ۔ ۴۵۹، عربی ۴۶۳ ۔ ۳۰۲ / ۴ [2] ظفر الوالہ بمظفر والہ صفحہ ۵۰۲ ۔

میاں میانجی بن داؤد

(م ۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ء)

آپ مصنفِ گلزارِ غوثی کے ماموں ہیں۔ آپکی زاد بوم منڈو ہے۔ آپ کے پدرِ بزرگوار سلطان ناصرالدین خلجی کے زمانہ میں نہر والہ (پٹن) سے منڈو آئے تھے۔ جب آپ کی عمر ۱۲ سال ہوئی تو باپ عالم دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ بہت سے مشائخ کے مقبول ہوئے۔ خاص کر کلاہ ارادت سید جلال ابن سید احمد جعفر سے حاصل تھی۔ جو سیّدی احمد کبیر رفاعی کی نسل سے ہیں۔ آپکی قبر احمدآباد میں ہے۔ اور خلعت خلافت شیخ صدر الدین ذاکر سے ملا تھا۔ جنکی خواب گاہ بڑودہ میں ہے۔ ہمیشہ تجارت کے ذریعہ سے قوت حاصل کیا کرتے تھے اور سرمایہ درویشوں کو تقسیم کرتے۔ اسّی سال کی عمر ہوئی منجملہ اس کے تیس سال سے زیادہ آپ کی نیم شبی نماز اور سحری نالہ میں فروگذاشت نہیں ہوئی۔ ۹۸۵ھ میں عالم باقی کو کوچ کر گئے۔ آپ کے دو فرزند تھے تاج محمد اور شیخ حسین رحمہم اللہ۔ [1]

میاں عبدالصمد

م ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء

میاں عبدالصمد، جو بڑے عالم و فاضل نہایت متواضع اور علما ءاخیار میں سے تھے۔ ان کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی کا نام اگر کسی پیغمبر کے

---

[1] گلزار ابرار ص ۲۴۴

ناموں میں سے ہوتا تو جب تک وہ باوضو نہیں ہوتے تھے تو اس نام کی تعظیم و تکریم اس درجہ کرتے تھے کہ اس نام کو اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے تھے۔

صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ ابن الحاج نے اپنے المدخل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مامن اهل بيت فيه اسم نبي الا بعث الله تبارك و تعالى ملكا يقدسهم بالغداة والعشى۔

کہ جس گھر میں انبیاء کے ناموں میں سے کوئی نام ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو صبح و شام ان کی تقدیس کرتا ہے۔

۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ء میں آپ کا انتقال ہو۔ [1]

سیّد عطا محمد

م ربیع الاول ۹۸۶ھ بمطابق ۱۵۷۸ء

آپ کا لقب علاء الدین ہے۔ صحیح النسب سادات اور سلسلۂ قادریہ کے عالی مرتبہ مشائخ میں سے ہیں۔ احمد آباد گجرات میں ریاضت اور عبادت کے لئے ایک حجرہ تجویز کر لیا تھا۔ ۹۴۲ھ میں ہمایوں نے جب صوبہ گجرات فتح کیا تو سلطان بہادر ابن مظفر شکست کھا کر جزائر کے سواحل کی طرف چلے گئے۔ اس وقت سیّد عطار نے بھی بہادر شاہ کے لشکر کے ہمراہ ہجرت کی۔ کرشمۂ قدرت سے دریا کے ساحل پر اسیر فرنگ ہو گئے اور جب وہاں سے رہائی ملی تو حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً، کا سفر فرمایا۔ پھر وہاں سے تھوڑی مدت میں تشریف لے آئے۔ آپ کے حالات بہت عمدہ تھے اس طرح

---

[1] النور السافر ص ۳۲۳۔

کہ ایام سال کا اکثر حصہ روزہ میں گذرتا تھا، روزہ میں افطار کا سبب ضیافت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کا رات کا کھانا صرف ایک پیالہ شوربائے باقلا، اور ایک پیالہ دودھ ملا ہوا قہوہ تھا۔ دونوں پیالوں کا وزن پانچ، چھ چھٹانک سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ چشتیہ، سہروردیہ، مغربیہ اور بخاریہ خانوادہ سے بھی اجازت، خلافت اور ارشاد کا خرقہ ملا تھا۔

عربی شعر شیخ ابن فارض مصری کی روش پر کہا کرتے تھے۔ "اعجوبۃ الزمان" اور "نادرۃ الدوران" یہ دو دیوان آپ کے ارباب سخن میں مشہور ہیں۔ ربیع الاوّل ۹۸۶ھ میں احمد آباد میں راہی عقبیٰ ہوئے اور آپ کی قبر اسی خانقاہ میں بنائی گئی جس میں رہتے تھے۔ پانچ بیٹے اور تین خلیفہ چھوڑے۔ سب صلحاء میں سے تھے اولین فرزند سجادہ نشین تھے۔ سید عبدالرزاق نام اور ابوبکر کنیت تھی۔ دوسرے فرزند "سید نصیر" نام اور "ابوصالح" کنیت تھی۔ تیسرے فرزند "سید محمد" چوتھے فرزند "سید علی" اور پانچویں سید احمد تھے۔

اوّلین خلیفہ شیخ بہاء الدین دوسرے خلیفہ شیخ محمد اور تیسرے خلیفہ شیخ ابراہیم تھے۔ یہ تمام اولاد اور خلفاء ظاہری اور باطنی کمالات، دینی و دنیاوی سعادت اور علمی و عملی شرف سے آراستہ و پیراستہ تھے اور زمانہ کے مشائخ اور اولیاء کے حلقہ میں کامل طور پر امتیاز رکھتے تھے۔ [۱]

مولانا قاسم کاہی

م ۱۵۸۰ء بمطابق ۹۸۸ھ

سید نجم الدین نام اور کاہی تخلص تھا۔ ان کے آباء و اجداد اصفہان میں آباد تھے۔

---

[۱] گلزار ابرار ص ۵۰۴، ۵۰۵، نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۵۹۔

جب تیمور نے اصفہان پر حملہ کیا تو وہ اس کے لشکر میں جا ملے۔ پھر اس کے ہمراہ سمر قند میں جا کر آباد ہو گئے وہاں سے 'سعد' کی ایک بستی کو فن میں منتقل ہوئے کاہی اسی جگہ ۱۴۶۲ء/ ۸۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔

پندرہ سال کی عمر میں ہرات گئے اور مولانا جامی رح کے درس میں شریک ہوئے سات سال تک ان سے مستفید ہوتے رہے۔ علوم عقلی و نقلی کی متداول کتابیں پڑھیں اور تزکیۂ باطن سے بھی بہرہ ور ہوئے ۱۴۸۲ء/ ۹۰۸ھ میں کابل آگئے اور ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے، وہیں مولانا ولد مجذوب سے تصوف و عرفان کی تربیت حاصل کی۔ کاہی دو مرتبہ ہند آئے۔ پہلی مرتبہ ۱۵۲۸ء سے ۱۵۴۹ء تک بھکر میں ہاشمی کرمانی کے ہاں قیام کیا۔ اور ان سے کسب فیض بھی کیا۔ اسی بار ۱۵۳۴ء سے ۱۵۴۹ء کے درمیان وہ سومنات اور گجرات میں مقیم رہے۔ سلاطین گجرات بہادر شاہ (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۷ء) اور محمود شاہ ثالث (۱۵۲۷ء تا ۱۵۵۳ء) نے انکی قدر و منزلت کی۔ دوسری مرتبہ وہ ۱۵۵۳ء میں اس سرزمین میں آئے۔ دہلی میں ہمایوں بادشاہ نے واپسی پر انہیں عالی رتبہ دے کر نوازا اور وہ خواص و عام میں مقبول ہوئے۔

۱۵۶۱ھ میں وہ دربار اکبری سے وابستہ ہو گئے۔ اکبر اپنے آپ کو ان کا مرید کہتا تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ بنارس اور جونپور میں بھی مقیم رہے پھر سیر و سیاحت کے لئے پشاور گئے، ۱۵۶۴ء وہ قریہ نونک میں تھے جہاں انہوں نے نثر میں تین رسالے لکھے۔ زندگی کے آخری دن آگرہ میں گذار کر ۱۵۸۰ء/ ۹۸۸ھ میں وفات پا گئے۔

تصانیف:۔ (۱) دیوان۔ (۲) قصیدہ نغز در باب اطلاب بمدح ہمایوں بادشاہ (۳) مثنوی گل افشاں، بوستان سعدی کے جواب میں۔ (۴) کتاب در علم موسیقی

(۵) رسالہ معمّا منظوم جس میں ۲۳۰ معمّے شامل ہیں۔ (۶) علم عروض، معانی و بیان اور نقد الشعر و قرض الشعر کے متعلق ۳ رسالے نثر میں موجود ہیں۔ عبدالقادر بدایونی، قاسم کاہی کے عیوب خوب بیان کرتے ہیں۔ مگر ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ " وہ علم تفسیر، ہیئت، کلام اور تصوف میں مہارت رکھتے تھے۔ تصوف، معما، تاریخ اور حسنِ ادا میں اہلِ زمانہ کے مطابق تھے "

قاسم کاہی مروّت و سخاوت میں بے مثل تھے۔ بذلِ مال کے متعلق ان کی یہ رباعی مشہور ہے۔ ؎

ای آنکہ بخل کیسہ را بند کنی　　　خود را بوجود مال خورسند کنی
این مال خداست صرف کن در راہ او　　　امساک بمال دیگری چند کنی

استغنا:۔ ایک مرتبہ جلال الدین اکبر بادشاہ کی مدح میں ایسا قصیدہ لکھا جس کے ہر شعر میں فیل اور اس کے لوازم کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کا مطلع یہ ہے ؎

تا بہ فیلاں میل دیدم دلستانِ خویش را　　　صرف راہِ فیل کردم نقدِ جانِ خویش را

بادشاہ نے دوسو تومان (دس ہزار روپے) انعام دئے۔ قاسم نے ایک ہفتہ میں تمام رقم فقرا و مستحقین میں تقسیم کر دی۔

اکبر بادشاہ کو ان کی صحبت اتنی مرغوب تھی کہ اس نے حکم دیا کہ جب سید کاہی دربار میں آئیں تو ان کو بیس تومان (ایک ہزار روپیہ) دئے جائیں۔ یہ سن کر وہ بے نیازی سے مسکرادئے اور کہا، بادشاہ کو فقیر کی حاضری اور ملاقات کی خواہش نہیں اسلئے اس نے اجرت مقرر کر دی ہے اور انعام واکرام سے پشت کو گراں بار کر دیا ہے [1]

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۴ صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶۔

شیخ عبدالمعطی مکی ثم احمد آبادی

(م منگل ۲۷ رذی الحجہ ۹۸۹ھ بمطابق ۱۵۸۱ء)

شیخ عبدالمعطی بن شیخ حسن بن شیخ عبداللہ باکثیر مکی حضرمی احمد آبادی عالم کبیر اور محدث جلیل تھے ۹۰۵ھ میں مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔ وہیں تربیت وتعلیم پائی اور معقولات ومنقولات پر عبور حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام زکریا انصاری بھی تھے عربی میں بہت عمدہ اشعار کہتے تھے۔

آپ نے اپنے کسی استاذ سے کتاب الشفاء کی قرأت ایک ہی مجلس میں یعنی فجر سے ظہر تک کی تھی۔ [1]

بخاری شریف کی سماعت شیخ زکریا انصاری سے کی تھی۔ شیخ زکریا اپنے استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کرتے تھے۔ لہذا آپکی سند عالی تھی اسی بنیاد پر علماء کا آپ کے پاس حدیث سننے کے لئے بڑا اژدہام رہتا تھا۔ نیز آپ نے اسماء رجال الصحیح البخاری پر کتاب تصنیف فرمائی۔ جس میں امام بخاری سے لیکر صحابی تک ہر راوی پر کلام کیا ہے۔ لیکن یہ کتاب تکمیل کو نہ پہونچ سکی۔ [2]

آپ کے اشعار میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ؎

یارب یامن علیہ مستندی ومن علی فضلہ العمیم معتمدی

خذ بیدی قبل ان اقول لمن القاہ عند القیام خذ بیدی

فامنن الٰہی فی سمعی وفی بصری بصحۃ دائما وفی جسدی

ومابقی لی من الحیاۃ یکن فی دعۃ سیدی وفی رغد

آپ نے اپنے بعض اشعار میں اس حدیث کی ترجمانی کی ہے جس میں ارکان اسلام

---

[1] النور السافر۔ [2] ایضاً ص ۳۲۵۔

کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

هنيئًا لمن صحّ اسلامه — ونال من الدين وافي نصيب
اقام الصلوٰة وآتى الزكوٰة — وصام وحج وزار الحبيب

آپ کے مندرجہ ذیل اشعار کے بارے میں آپ نے فرمایا کشادگی کے لیے بڑا مجرب ہے۔ ؎

یا مالك الملك یا فتاح یا رزاق — یا من تکفل لکل الخلق بالأرزاق
فرّج علینا الٰهی کل امر ضاق — وامنن برزق وسیع فائض دفّاق

چنگیز خاں کے احمد آباد پر قبضہ کی تاریخ ان اشعار میں بیان فرمائی ہے۔ ؎

لا تعجبوا لنصر جنکیز — خان فی عزته
نصر من الله له — والسّعد فی عزته
وقد اتی تاریخه — النصر فی طلعته

شعر گوئی پر اس قدر عبور تھا کہ مصنف "النور السافر" کے والد محترم کی شان میں جو قصائد کہے وہ دس سے زائد کاپیوں میں لکھے ہوئے تھے۔ ہندوستان آکر آپ نے دہلی میں قیام فرمایا۔ پھر دہلی سے احمد آباد آگئے اور وہاں درس و تدریس میں مشغول رہے بروز منگل ۲۷ ذی الحجہ ۹۸۹ھ میں آپکا انتقال ہوا۔ احمد آباد ہی میں مدفون ہیں[1]

شیخ عبدالقادر حضرمی نے النور السافر میں متعدد مقامات پر آپ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالمعطی ۹۸۹ھ ۲۷ ذی الحجہ کو بدھ کی شب میں احمد آباد میں انتقال کر گئے۔ آپکی ولادت ۹۰۵ھ رجب میں ہوئی تھی۔

---

[1] تذکرہ قادریان ھند۔ نزھۃ الخواطر اردو ۳۴۴ صفحہ ۲۲۶۔
خسرونی نزھۃ الخواطر ۲۴۴ صفحہ ۲۱۵ جلد ۴ گلزار ابرار۔

آپ بڑے اونچے ادبار، فضلاء اور شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی وہیں نشو ونما پائی، علماء افاضل کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا معقولات ومنقولات کی ان سے تعلیم لی اور متعدد فنون ان سے حاصل کئے۔ اخیر میں ہندوستان آکر یہاں مقیم ہو گئے۔

آپ کے بیانات بڑے پر لطف ہوتے تھے۔ صلاح وتقویٰ اور عفاف کے دامن کو آپ نے کبھی نہیں چھوڑا، اسی پر انتقال تک گامزن رہے۔ آپ نے بعض مشائخ سے ایک ہی مجلس میں صبح سے لے کر ظہر تک کتاب الشفار کی تلاوت کی تھی۔

آپ کے مشائخ میں شیخ الاسلام زکریا انصاری بھی ہیں اس لئے کہ آپ نے ان سے صحیح بخاری کی سماعت کی تھی، جبکہ آپ کے والد قرأت کر رہے تھے۔ اور شیخ زکریا انصاری حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں اسی لئے اپنے زمانے میں سند عالی میں آپ مشہور تھے اور اپنے اقران اور ہم زبان علماء میں اس چیز میں ممتاز تھے اسی لئے طلبار کا آپ پر حدیث کی اجازت لینے کے لئے ازدحام رہتا۔

مصنف النور السافر، شیخ عبد القادر فرماتے ہیں کہ میں نے بچپنے میں متعدد مجالس میں آپ سے صحیح بخاری کی سماعت کی ہے اور مجھے آپنے اپنے مبارک الفاظ سے اس کی اجازت بھی دی ہے۔ میرے والد محترم نے ان سے اس کی درخواست کی کہ اشعار میں بھی آپ بیان کر دیں۔

شیخ عبد المعطی کی تصانیف میں اسماء رجال البخاری قابل ذکر ہے کہ جس میں امام بخاری سے لے کر راوی حدیث صحابی رسول اللہ صلی علیہ وسلم تک تمام کے حالات آپ بیان کرتے ہیں اگرچہ یہ کتاب پوری نہ ہوسکی نصف حصہ

مکمل ہوا۔ اگر یہ پوری ہوجاتی تو اس باب میں شاندار کتاب ہوتی۔

آپ کے اشعار کا کچھ نمونہ یہ ہے۔

ضاق ذرعی مما أُلاقی یا الٰھی — والیک الشکوی من اللأْء

یا علیما بما یجن فوادی — یا رجائی فی شدتی و رخاء

یا بدیع السماء یا مالک الملک — و یا ذا الجلال والآلاء

یا لطیفا بخلقہ و رحیما — بالبرایا یا سابغ النعماء

لک ملک السماء والارض و — الخلق و لک الامر یا سمیع الدعاءْ

فأقل عثرتی إلٰھی و یسر — کل عسر یا ارحم الرحماء

وانلنی ما ارتجیہ و وسع — لی رزقی براحۃ وھناء

کئی مناسبات پر آپ کے اشعار ملتے ہیں۔ اسلام کے قواعد خمسہ کو آپ نے نظم میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح بارہ اماموں کو آپ نے نظم میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح رمضان المبارک، شمع، قہوے اور چنگیز خان کی احمد آباد کے بارے میں آپ کے اشعار ہیں۔ ؎۱

شیخ عبد المعطی باکثیر مکی سورت میں

اسی سال ۹۶۳ھ میں شیخ ابو السعادات احمد آباد سے سورت آئے۔ پھر چار مہینے بعد شیخ عبد المعطی بن حسن باکثیر مکی اور خطیب ابو السعادات ابن زہیرہ اور عبد اللہ عراقی تینوں مشائخ احمد آباد سے اپنے گھر والوں کو لے کر سورت آگئے اور وہیں پر سکونت پذیر ہوئے۔ ؎۲

ختم بخاری کی تقریب پر شیخ عبد المعطی کا قصیدہ

۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ء میں مصنف النور السافر کے والد کے یہاں بخاری شریف کا ختم ہوا۔ اس موقع پر شیخ عبد المعطی باکثیر نے ایک قصیدہ کہا۔ ؎

؎۱ النور السافر صفحہ ۲۲۵ ۔ ؎۲ ایضاً صفحہ ۲۳ ۔

حدیثُ غوالی مسند ومسلسلٌ — ومطلق دمعی فوق خدی مرسل
فیا شیخ یا ابن العیدروس ومن له — علی هامة الجوزاء مقام ومنزل
سمعت احادیث البخاری مسند — بمجلسک العالی وانت المبجّل
تهنّ بختم ثم یهناک مبدأً — کما دنک الحُسنیٰ تحل وترحل
صحیح البخاری والشفاء کلاهما — لدیو الهدیٰ أمن واصل ومعقل [1]

شیخ عبد المعطی اباکثیر
ختم احیاء العلوم اور مکان کی تعمیر پر قصیدہ

شیخ عبد المعطی اباکثیر نے یہ اشعار اس وقت کہے جبکہ مصنف "النور السافر" کے والد نے احمد آباد میں مکان تعمیر کیا۔ جس کی تاریخ "بیت السعادۃ" کے حروف سے نکلتی ہے وہ اشعار یہ ہیں۔

انشأہ مولانا الشریف بقصرہ — العالی المنیف فنا دمن برکاتہ
شمسُ الشموس العیدروس المجتبیٰ — شیخ ابن عبد اللہ شهم حباتہ
ومن السعادۃ قد أتی تاریخہ — بیت السعادۃ فهو من آیاتہ

اسی طرح مصنف کے والد کی حیات میں احیاء العلوم کے ختم پر شیخ عبد المعطی اباکثیر نے یہ قصیدہ کہا۔

یا خادم العلم الشریف بقلبہ — ولسانہ وبسائر الارکان
اکملت احیاء العلوم قرأۃ — بالبحث والتصحیح والاتقان [2]

شیخ عبد المعطی کے سورت کی جامع مسجد پر اشعار

صاحب "النور السافر" لکھتے ہیں کہ ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۳ء میں میرے والد نے سورت میں مسجد تعمیر کی۔ شیخ عبد المعطی بن حسن اباکثیر مکی نے اس پر تاریخی اشعار کہے

ھذہ بقعۃٌ شرفت فی الأزل — قد حوت قبۃ نزھت عن مثل

---
[1] النور السافر ص ۳۲۱ [2] ایضاً ص ۳۱۴ [3] ایضاً ص ۲۴۹ ۔

شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن شیخ عبداللہ العیدروس

(م ۲۵ رمضان ۹۹۰ھ)

آپ نے ۹۹۰ھ ۲۵ رمضان المبارک شب شنبہ میں احمد آباد میں وفات پائی اور اپنے گھر کے صحن میں دفن کئے گئے۔ آپ کی تاریخ وفات بہت سی کہی گئیں ان میں سب سے بہترین فقیہ عبداللہ ابن احمد بن فلاح الحضرمی نے اس نظم میں بیان کی ہے۔

ارخت نقلة سیدی — شمس الشموس العیدروس

فانظر تجد تاریخہ — دار القطب ھو شمس الشموس؛

اس میں؛ القطب ھو شمس الشموس، سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ اور فضلاء نے بھی بہت سے مراثی کہے یہ اتفاق پیش آیا کہ اپنی وفات سے تقریباً دو مہینے پہلے آپ نے امام نووی کے مناقب میں ایک رسالہ منگوایا اور اپنے سامنے اس کے مقابلے کا حکم دیا۔

مؤلف نے اس میں امام نووی کے بارے میں جو مراثی ذکر کئے گئے تھے۔ ان کو اس میں ذکر کیا تھا۔ سن کر شیخ عیدروس کہنے لگے کہ جب مراثی پڑھے جاتے ہیں تو کوئی ضرور مرتا ہے۔ اتفاقاً دو ماہ بعد آپ ہی کی وفات واقع ہوئی۔

آپ کی ولادت تریم میں ۹۱۹ھ میں ہوئی تھی۔

آپ ہندوستان میں ۳۲ سال مقیم رہے۔ اس لئے کہ ۹۵۸ھ میں ہندوستان پہنچے تھے۔ آپ اسماً بھی شیخ تھے کہ آپ کا نام شیخ تھا۔ اور اسی لئے بعض صلحاء آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ نام آپ پر برابر صادق آتا تھا کہ چار طرف سے آپ شیخ تھے۔ ایک یہ کہ آپ کا نام شیخ رکھا گیا دوسرے سنِ شیخوخت کو بھی آپ پہنچے، تیسرے اہل تصوف کے آپ شیخ بنے، چوتھے طلبہ علم کے آپ شیخ بنے۔ شیخ عبداللطیف و بیر آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔

شَیْخٌ تَقَدَّمَ فِی السُّلُوْکِ لِاَنَّہٗ　　　اِنْ عَدَّ اَرْبَابُ الْکَرَامَۃِ اَوَّلٌ

آپ کے والد حضرت شیخ ابوبکر بن عبداللہ العیدروس کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے آپ کے والد سے فرمایا: تَمَنَّ یَا عَبْدَ اللّٰہِ، کچھ مانگئے! تو آپ نے فرمایا کہ نیک صالح اولاد کے لئے دعا رچاہتا ہوں۔ تو آپ نے بشارت دی اور آئندہ ہونے والی اولاد ناموں کے ساتھ گنوادی۔

آپ کے متعلق شیخ ابوبکر بن سالم ابا علوی کہا کرتے تھے کہ آلِ ابا علوی میں اول سے اخیر تک آپ جیسا اس خاندان میں کوئی نہیں آیا۔ آپ مجاہدے کی حد تک عبادت کرتے یہاں تک کہ رمضان المبارک میں رات کو چار عمرے اور دن میں چار عمرے ادا فرماتے۔ جس کو شیخ عبدالمعطی بن حسن اباکثیر نے ایک قصیدے میں بھی ذکر کیا ہے۔

قد عشت فی ام القری دھرا علی　　　تحصیل علم شودرس قرآن
وعبادۃ وزھادۃ فی خلوۃ　　　مستترا عن سائر الاخوان

آپ کے مشائخ میں شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیثمی اور علامہ عبداللہ بن

احمد ابا قشیر حضرمی وغیرہ ہیں۔ اور آپ نے علامہ دبیع سے زبید میں ملاقات کی ہے۔
آپ کی تصانیف یہ ہیں: "العقد النبوی والسر المصطفوی"، "الفوز والبشری"،
آپ کا قصیدہ ہے: "تحفۃ المرید"، اس کی آپ نے دو شرحیں کیں ایک بڑی
شرح اور ایک چھوٹی۔ بڑی کا نام "حقائق التوحید"، اور چھوٹی کا نام "اسرار التوحید"
اسی طرح آپ کا ایک رسالہ "معراج" میں اور ایک عدل کے بارے میں ہے نیز آپ
نے اوراد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "الحزب النفیس" ہے اور "نفحات الحکم علی
لامیۃ العجم"، یہ تصوف کے بارے میں ہے مگر وہ مکمل نہ ہو سکی۔ اسی طرح
آپ کے اشعار کا دیوان ہے جس کے یہ شعر ہیں۔

یا قارئ الخط ادعو اللہ یغفر لی　　　ذنبی وانھی وعصیانی کذا زللی

آپ کے مناقب وکرامات کو علامہ حمید بن عبد اللہ سندھی نے مستقل رسالے
میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شہاب الدین احمد بن علی عسکری مکی نے اپنی
کتاب "نزھۃ الاخوان والنفوس فی مناقب شیخ بن عبد اللہ العیدروس"
میں ذکر کیا ہے اس میں سے کچھ حصہ شیخ عبد القادر نے اپنی کتاب "الفتوحات
القدسیۃ فی الخرقۃ العیدروسیۃ" میں بھی ذکر کیا ہے۔ [1]

مقالات عرشی میں لکھا ہے کہ

شریف شیخ بن عبد اللہ عیدروس حسینی یمنی

آپ کو ابن حجر ہیثمی، عبد اللہ بن احمد فاکہی، عبد الرحمن بن دبیع وغیرہ سے تلمذ
تھا۔ آپ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور حساب میں بے بدل شمار ہوتے

---

[1] النور السافر ص۳۲۳ تا ۳۲۸۔

تھے ۔ ۹۰۸ھ بمطابق ۱۵۰۲-۳ء میں اپنے وطن سے ہجرت کرکے احمد آباد میں مقیم ہوئے ۔ یہیں ۳۲ رسال خدمت علم کرکے ۲۵ ر رمضان ۹۹۰ھ بمطابق ۱۵۸۲ء کو انتقال فرمایا ؛ شیخ الاولیاء ، مادۂ تاریخ ہے ۔ انہوں نے ۹۸۵ھ میں بخاری شریف کا درس تمام کیا تو شیخ عبدالمعطی نے اس تقریب میں ایک قصیدہ کہا جسے صاحب النور السافر نے نقل کیا ہے ۔ [1]

مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ! سادات عیدروسیہ میں سے سید شریف شیخ ہیں ان کا مزار احمد آباد جوہری واڑہ میں واقع ہے ۔ آپ انتہائی درجہ کے متواضع تھے ۔ فرمایا کرتے تھے اگر کوئی شخص میرے پیر کو بوسہ دیتا ہے تو گویا کہ میری آنکھ میں کسی نے تیر مارا ہو ، اتنی مجھے تکلیف ہوتی ہے ۔ اور اگر کوئی میری دست بوسی کرتا ہے تو گویا میرے منہ پر اس نے طمانچہ مارا ۔

آپ کی وفات ۵ ر رمضان المبارک کو ۔۔۔ ہوئی ۔ آپ کی تصانیف میں سے ؛ العقد النبوی ، اس علاقہ میں مشہور ہے ۔ آپ کے صاحبزادے سید عبداللہ بھروچ میں اور آپ کے پوتے سید محمد عیدروس سورت میں مدفون ہیں ۔ [2]

ظفر الوالہ میں اتنی بات ملتی ہے کہ ! مولانا ابو عبداللہ شیخ عیدروس نے اپنا قاصد چنگیز خان کے پاس بھیجا ۔ چنگیز خان نے اسے مرحبا کہا اور پوچھا کہ مولانا کیسے ہیں ؟ قاصد نے کہا کہ ؛ وہ آپ کے متعلق پوچھتے ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں یعنی انکی حمایت آپکے ساتھ ہے اور وہ یوں کہتے ہیں ؛ البلد عروس علی زفاف لاتنکح الا بصداق وایجاب وقبول ومن طلب الحسناء لم یغلھا المھر ، کہ آپ شہر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ایجاب وقبول اور مہر وغیرہ جب تک نہ ہو وہاں تک

---

[1] مقالات عرشی ص۵۳ [2] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۶۵ ۔

تو عروس پر قبضہ نہیں ہوسکتا۔ چنگیز خان نے پوچھا مہر کتنا، تو قاصد نے کہا کہ ایک ہزار اشرفی معجل اور اتنی ہی جائیداد اُدھار چنگیز خان نے کہا: قبلت؛ [1]

شیخ شمس الدین شیرازی

م ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء

آپ کا لقب اور تخلص زندہ دل تھا۔ آپکی قبر بیجاپور دکن میں ہے۔ چودہ سال کی عمر تھی کہ آپ نے علوم متداولہ حاصل کرکے تفسیر بیضاوی شریف پر حاشیہ لکھا تھا۔ فرماں روایان پارس کی نسل سے ہیں۔ جب سلطنت بنی اعمام (چچا زاد بھائیوں) کے ہاتھ میں پہنچی تو آپ کے ساتھ بداخلاقی کا برتاؤ ہوا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرزند کی سلامتی کے واسطے یہ رائے قائم کی کہ تم کو اس ملک سے سفر کر جانے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ جب حکومت ہی نہیں رہی تو دوسرے پیشوں سے تو درویشی اچھی ہے۔ آپ نے ماں کا فرمانا قبول کیا۔ مادر مہربان نے وقت روانگی دو نصیحتیں فرمائیں (اول یہ) کہ اپنے دست بیعت سے ایسے بزرگ کا دامن پکڑنا جو زمانہ کا قطب اور غوث ہو (دوسرے یہ) کہ جب تک زندہ رہو۔ اس ملک میں واپس آنے کی خواہش نہ کرنا۔ آپ نے والدہ کی رائے کے مطابق قلندری لباس پہن کر عراق عرب کے راستہ سے ہر ایک شہر کی زیارت کی اس سیر و سیاحت کے سلسلے میں جہاں کہیں پہنچے پیر کی تلاش نہیں چھوڑی۔ یہاں سے آپ جزیرہ دیو، گجرات آئے وہاں پر ایک درویش صاحب سے ملاقات ہوئی جن کی زیارت سے کشش محسوس فرمائی۔ آپ چند روز ان کی صحبت میں رہے اس اثنا میں خبر ملی کہ شیخ

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر وآلہ صفحہ ۹۹۴۔

محمد غوث قدس سرہٗ جوان درویش صاحب کے پیر ہیں گوالیار کی طرف سے ہجرت فرما کر احمدآباد آئے ۔ آپ نے یہ الہامی پیام سنکر احمدآباد کا راستہ طے کیا اور خانقاہ کا پتہ لگا کر حاضر دربار ہوئے ۔ ایک اخروٹ ہاتھ میں لے کر قلندرانہ سامنے گئے عقل اور خواہش تام وکمال ایک ہی دیدار کے نذر ہو گئی ۔ خیالات اور سوالات جو ضمیر میں بھر رہے تھے سب فراموش ہو گئے ۔ اس عالم بیہوشی میں قطب الاقطاب نے آپکا ہاتھ مع اخروٹ کے پکڑ لیا اور فرمایا تم میرے مرید ہوئے آپ نے جواب دیا ۔ ہاں ۔ بالآخر چند سالہ خدمت اور ریاضت کی بدولت اپنے اخلاق اور اوصاف کی تہذیب و تبدیل کرکے دو جہاں کی دولت پائی باشندگانِ صوبہ دکن کی رہنمائی کی اجازت ملی ۔ آپ فرمایا کرتے تھے ، جب میں مالوہ سے چلا تھا تو کئی سیر گیہوں زنبیل میں رہ گئے تھے ۔ جب بیجاپور میں پہنچا تو آبادی سے پانچ کوس دور ایک ہموار ٹیلہ تھا وہاں پر رہنے کا ٹھکانہ کر لیا اور وہ باقی ماندہ گیہوں بلندی کے دامن میں بکھیر دیئے تھے ۔ ہر سال اُگ آتے تھے ۔ میں بقدر صرفہ اٹھا لیا کرتا تھا اور باقی ماندہ زمین پر گر پڑتے تھے ۔ پھر فصل پر اُگ آتے تھے ۔ اسی طرح هَلُمَّ جَرًّا ۔ جب گذر اوقات کے لائق قوت اس طور پر مقرر ہو گئی تو میں کسی سے کچھ نہ لیتا تھا اور باوجودیکہ تمام مشہور خانوادوں میں مجھ کو اجازت تھی ۔ لیکن جب تک پیر کا انتقال نہیں ہوا کبھی مرید کرنے کا خیال بھی نہیں ہوا ۔ بعد میں شیخ عبدالغفور نام کے ایک جوان صاحب استعداد تھے ان کو اپنی خدمت میں قبول کیا ۔ اور نیز ان کی تربیت میں ہمت بھی کام میں لائے ۔ شیخ عبدالغفور کو اپنے مکان میں چھوڑ کر ایک سال آپ اپنے پیر کے روضہ کی زیارت کو گوالیار جایا کرتے تھے اور جانے میں اور آنے میں دونوں دفعہ منڈو (مانڈو) پر سے گذرا کرتے تھے اور صاحب گلزار ابرار غوثی منڈوی کے محلہ میں اترا کرتے تھے ۔ صاحب گلزار ابرار علم تکسیر اور جفر جامع میں آپ کے شاگرد ہیں ۹۸۲ھ کے بعد یہ سفر گوالیار بھی

موقوف کردیا اور اپنے مکان میں مشغول بحق رہے۔ یہاں تک کہ بعمر ۹۰ ۹ھ میں اخروی سفر پیش آگیا، اور شیخ عبدالغفور تکیہ و خانقاہ میں جانشین رہے۔ [1]

نزھۃ الخواطر وغیرہ میں آپ کے متعلق مزید لکھا ہے کہ الشیخ فاضل مولانا شمس الدین محمد شیرازی مشہور بہ زیرک۔

آپ کا وطن شیراز ہے۔ سلطان محمود شاہ گجراتی کے زمانہ میں اپنے وطن کو ترک کرکے صوبہ گجرات میں تشریف لائے اور احمد آباد میں سکونت اختیار فرمائی آپ کے التفات سے سلطان محمود نے خوب فائدہ حاصل کیا۔ آپ نے سلطان ممدوح کے لئے مآثر محمود شاہی تصنیف فرمائی۔ [2]

نواب میر معصوم بھکری

م ۱۰۱۹ھ بمطابق ۱۶۰۲ء

محمد معصوم بن سید صفائی حسینی ترمذی قندھاری ثم السندھی البھکری۔

عہد اکبری کا یہ نامور طبیب، مؤرخ اور سپہ سالار ۸ رمضان ۹۴۴ھ کو بمقام بھکر (سکھر) پیدا ہوا۔ اس کے اجداد سادات ترمذ سے تھے۔ ماں کی طرف سے سلسلہ شیر قلندر سے ملتا ہے۔ جو ایک مشہور بزرگ حسن ابدال سبزواری کے پوتے تھے، چنانچہ میر کے اسلاف مقبرہ بابا شیر قلندر کے متولی تھے۔ والد کا نام سید صفائی الحسینی تھا۔ اسی مناسبت سے میر کو سید صفائی کہتے تھے، اجداد نے دو تین پشتوں سے قندھار کو وطن بنا لیا تھا۔ مگر میر سید صفائی بھکر آکر آباد ہوگئے تھے، سلطان محمد حاکم بھکر آپکی بہت عزت کرتے تھے۔ سید صفائی سلطان محمود حاکم بھکر (۹۸۲ھ، ۹۸۲ھ) کے عہد حکومت میں

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۳۵۴، صفحہ ۳۵۵، [2] ایضاً صفحہ ۲۲۴؛ نزھۃ الخواطر اردو صفحہ ۳۴۶، ۴۹۱۔

دہلی سے سندھ آئے تھے چونکہ یہ دینی علوم میں بڑی زبردست قابلیت رکھتے تھے اس لئے سلطان انکی بہت توقیر کرتے تھے، شاہ قطب الدین ہروی کی وفات کے بعد سید صفائی بھکر کے شیخ الاسلام مقرر ہوگئے اور عمر بھر اپنے اس عہدے پر قائم رہے ۹۹۱ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

میر معصوم شفقت پدری کے سائے میں پروان چڑھے آپ کی تعلیم کے متعلق اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ قاضی اللہ دتہ سیوستانی کے درس سے کسب علوم کرتے رہے علم حدیث کی شاید آپنے بعد میں تکمیل کی تھی کیونکہ آپ اپنی تصنیفات میں لکھتے ہیں کہ!

"بعد از فتح گجرات بہ ملازمت شیخ حمید مشرف شدہ مشکوٰۃ را من اولہ و آخرہ مع کتب حدیث پیش ایشاں گزرانیدہ و اجازۃ حاصل نمودہ"

اس سے پہلے آپنے ملا محمد کنگروی سے بھی علم حاصل کیا جو کنگری از مضافات بھکر میں تھے طویل عرصہ ان کی خدمت میں رہے

تکمیل علوم کے بعد میر معصوم اپنے والد کی وساطت سے سلطان محمود کی ملازمت میں داخل ہوئے، سلطان محمود کی وفات کے بعد بھکر پر اکبر کا قبضہ ہوگیا، تو میر معصوم دوسرے ملازموں کی طرح شاہی ملازمت سے منسلک ہو گئے۔

کم و بیش ۲۰ رسال آپ مغل حکومت کی خدمت میں رہے اور ترقی کرتے کرتے آپ مقربوں میں شامل ہو گئے۔ مآثر رحیمی اور مآثر الامراء میں آپ کی عزت افزائی کا مجملاً ذکر کیا گیا ہے۔ گجرات کی لڑائیوں میں آپ مرزا عبدالرحیم خانخاناں کی زیر قیادت فوجوں میں مختلف خدمات سرانجام دیتے رہے۔ فتح گجرات کے بعد احمد آباد میں مستقل طور پر آکر مقیم ہوئے۔ اور نظام الدین بخشی مصنف طبقات اکبری کے ساتھ امور نظامی و علمی کو فروغ دیتے رہے۔

میر معصوم نے پیدل بھکر سے گجرات تک کا سفر کیا تھا۔ اس وقت آپ

افلاس کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ آپ کو شکار سے بڑی دلچسپی تھی۔

خواجہ نظام الدین تک رسائی ہونے کا باعث شیخ عبدالحق فاروقی بھکری تھے جو خواجہ نظام الدین کی سرکار میں دیوان اور صاحب اختیار تھے۔ اور وطن میں میر کے ہم مدرسہ رہ چکے تھے۔ قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے ساتھ یہ تعلق ہی آپ کو بھکر سے گجرات لایا۔ شیخ نے آپ کو خواجہ نظام الدین سے ملادیا وہ اس وقت طبقات اکبری کی تالیف کر رہے تھے۔ اور میر معصوم کو تاریخ پر زبردست عبور تھا۔ اس لیے خواجہ نے آپ کی آمد کو بہت غنیمت خیال کیا اور آپ کو اپنا مصاحب بنالیا۔ طبقات میں خواجہ نے میر کی مصاحبت کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس کے بعد میر معصوم شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار گجرات کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ شہاب الدین نے آپ کو منصب بھی عطا کیا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ بادشاہ اکبر کی خدمت میں پہنچے۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ ۹۹۰ھ میں احمد آباد گجرات آئے اور اکبر کی خدمت میں پہنچے اکبر نے آپ کی خدمات سے متاثر ہو کر دربیلہ اور کاکری (متعلقہ بھکر) کی جاگیر آپ کو دے دی۔ اور ایک قیمتی پوستین عنایت کرنے کے بعد میر کو والدہ سے ملنے کی اجازت دیتے ہوئے جلد دربار میں واپس آنے کی ہدایت کی چنانچہ طویل مدت کے بعد آپ اپنے وطن پہنچے۔ جب عبدالرحیم خانخاناں، مرزا جانی بیگ ترخان کے مقابلے کے لئے سندھ آئے تو میر معصوم خانخاناں کے دست راست کی حیثیت سے اس مہم میں شریک تھے۔ ظاہر ہے کہ اس معرکے میں آپ کی رائے خانخاناں کے لئے کس قدر مفید ثابت ہوئی ہوگی۔ میر نے اپنی تصنیف "تاریخ سندھ" میں اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

چنانچہ سندھ فتح ہوا، اور میر پھر اکبر کے دربار میں پہنچ گئے۔ جس وقت مغلوں نے اسیر گڑھ پر حملہ کیا تو میر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ دکن میں اکبر نے جس جس مقام پر قیام کیا میر نے وہاں بطور یادگار کتبے نصب کرا دیئے۔

شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتہ ڈاکٹر شعبۂ تعلیم سندھ کے اس مقدمہ سے جو انہوں نے میر کی "تاریخ سندھ" پر لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتبات اب بھی قصر نیلکنٹھ، مانڈوا اور اندور میں موجود ہیں۔

آپکو اکبر کے عہد ہی میں ایک ہزاری منصب مل گیا تھا۔ فتح دکن کے بعد ۱۰۱۲ھ میں آپکو اکبر نے شاہ عباس والیٔ ایران کے دربار میں بطور سفیر بھیجا اور آپنے نہایت فراست اور دانشمندی سے اپنے فرائض ادا کئے اور شاہ عباس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس ہوئے لیکن اس وقت دہلی پہنچے جب اکبر بستر مرگ پر دراز تھا۔ اکبر کے بعد جہانگیر اورنگزیب حکومت پر بیٹھے تو انہوں نے بھی آپ کی عزت میں کوئی کمی نہ کی بلکہ آپ سے زیادہ التفات کیا۔ جہانگیر نے ۱۰۱۵ھ میں میر کو بھکر کے عہدۂ امین الملکی پر سرفراز فرمایا۔ آپ نے مشکل سے تین چار سال امین الملک کی حیثیت سے کام کیا۔ یکم ذی الحجہ ۱۰۱۹ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ اپنے مشہور منار کے قریب ہی دفن ہوئے۔

آپ کے سنگ مزار پر یہ تاریخ مرقوم ہے۔

میر معصوم آں شہ برج شرف — آفتاب دیں فخر زمن
روز جمعہ سادس ذی الحجہ گشت — عازم جنت بہ امر ذوالمنن
سال فوتش از خرد جستم بگفت — بودہ نامی صاحب ملک سخن

میر معصوم ایک بلند پایہ شاعر، مورخ، اور طبیب تھے۔ آپ نظیری اور

فیضی کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے۔ اگرچہ آپ نظیری اور فیضی کی سی شہرت حاصل نہ کر سکے تاہم آپ کی بلندی فکر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کسی طرح اپنے ہمعصر شعراء سے کم رتبہ نہ تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی آپ کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں:

«سلیقہ درست در شعر و معما طبع بلند و فطرت عالی دارد»

میر نے حسب ذیل تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہیں۔

۱۔ معدن الافکار، ۲۔ حسن و ناز، ۳۔ اکبر نامہ، ۴۔ پری صورت۔ یہ سب مثنویاں تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور مثنوی بھی تھی جو ہفت پیکر کے طرز پر لکھی گئی تھی مگر اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا یہ سب کتب اب مفقود ہیں البتہ "حسن و ناز" کا سراغ سندھ کے کتب خانوں میں ملتا ہے میر علی شیر قانع نے بھی اپنی کتاب "تحفۃ الکرام" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ دیوان نامی، ۶۔ طب نامی، ۷۔ مفردات معصومی۔ یہ ایک مختصر رسالہ تھا۔ طب کی یہ دونوں کتابیں اب بھی موجود ہیں۔ ۸۔ تاریخ سندھ، یہ کتاب تاریخ کی ہے۔ اس فن میں میر کو بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ عبدالقادر بدایونی اور خواجہ نظام الدین نے میر کی تاریخ دانی کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے۔

آپ کی یہ تصنیف یعنی "تاریخ سندھ" نادرات میں شمار ہوتی ہے اور شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ موصوف نے اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

آپ کتبہ نویسی میں بہت خوشخط تھے ہمیشہ سنگ تراش کو ساتھ رکھتے۔ ہندوستان سے تبریز اور اصفہان تک ہر جگہ راستے کی منزلوں، مساجد اور عمارات کے دروازوں پر آپ نے اپنے اشعار پتھروں پر

کندہ کرکے لگوا دیئے تھے۔ قلعہ آگرہ کے دروازے پر اور جامع مسجد فتح پور کا کتبہ بھی میر ہی کے ہاتھ کا ہے۔

آپ نہایت زاہد اور متقی تھے۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ بھکر کے معمولی آدمیوں کو ہندوستان سے سوغات بھیجا کرتے تھے۔ بھکر کے اکثر بڑے اور چھوٹے آدمیوں کا یومیہ اور سالیانہ مقرر کر رکھا تھا۔ مگر وطن۔۔ واپسی پر میر اپنے اس حسنِ سلوک کے سلسلہ کو جاری نہ رکھ سکے اور اہل وطن کو آپ سے کچھ تکلیف پہنچی۔

میر معصوم کو فن تعمیر سے بھی حد درجہ دلچسپی تھی۔ آپ نے اکثر مقامات خصوصاً سکھر میں بہت سی عمارات بنوائیں۔ بھکر کے قریب جو دریا گزرتا ہے اس کے درمیان میں ایک عمارت تعمیر کرائی تھی جس کا نام ستیاسر ہے۔ اس کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ مینار معصومی بھی اسی کو کہا جاتا ہے یہ مشہور مینار ۱۰۰۲ھ میں تعمیر ہوا تھا۔

اس سر بہ فلک مینار کو دیکھنے کے لئے دور دور سے سیاح آتے ہیں مسجد منزل گاہ بھی میر ہی کی تعمیر کی ہوئی تھی۔

آپ نامی تخلص کرتے تھے۔ آپ کے کلام میں سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ آپ کا ایک شعر یہ ہے۔

داد پیغام بقا صدمہ من خندہ کناں
ظاہر است از سخن او اثر خندہ ہنوز [1]

انہوں نے احمد آباد سے اٹک میں بدایونی کے پاس اپنا قصیدۂ منقبت روانہ کیا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

---

[1] اطبائے عہد مغلیہ صفحہ ۱۸۰۔

وامی کہ بو و برد لم از عشق دراز ل	از دولت فراق تو با درد شد بدل
طوفان آتشی کہ دل از درد برکشید	افگندہ در مزاج زمین وزمان خلل
ہستم زآفتاب شفیعی امید وار	روزیکہ ہیچ جا نبود سایۂ امل
باران ابر رحمت وساقی روز حشر	آں دین پناہ اعظم وآں حبّ ضا اجل [۱]

آپ سے کسی نے کہا کہ اس راستہ میں راہنمائی کے بغیر کام نہیں چلتا کسی مرشد سے تلقین حاصل کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے دوسرے مرشد میر ابوالغیث بخاری ہیں جو عہدہ اور مرتبہ میں ہم سے کئی درجے بڑے تھے۔

شیخ ابراہیم قاری شطاری سندھیؒ

(م ۹۹۱ھ مطابق ۱۵۸۳ء)

آپ کا آبائی وطن سندھ ہے۔ شیخ لشکر محمد عارف باللہؒ کے خلیفہ ہیں۔ ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ تھے۔ تجوید پر عبور حاصل تھا۔ دل گداز آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ حضرت مسیح الاولیاء اور آپ کے پیر شیخ لشکر علم قرأت میں آپ کے شاگرد تھے۔ جب احمد آباد گجرات میں غوث الاولیاء کی آمد اور انکے فضائل کا شہرہ سنکر شیخ لشکر نے انکی خدمت میں جاکر بیعت ہونیکا فیصلہ کیا تو اپنے تمام مریدوں کو جمع کرکے فرمایا کہ "احمد آباد میں ایک بزرگ وارد ہوئے ہیں میں انکی خدمت میں حاضر ہوکر فیض یاب ہونا چاہتا ہوں۔ تم آزاد ہو چاہے ان سے بیعت کرلو یا کہیں اور چلے جاؤ"۔ مریدوں نے عرض کیا "آپ اپنی ذات کیلئے جو مناسب جانیں کریں، ہم لوگ ہر حال میں آپ کے خادم ہیں آپکو چھوڑکر نہیں جاسکتے۔ پھر شیخ لشکر غوث الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے۔ شیخ ابراہیم آپ کے ساتھ تھے حضرت غوث الاولیاء نے شیخ لشکر سے آپکے بارہیں دریافت کیا تو انہوں نے شیخ ابراہیم کے کمالات

---

[۱] منتخب التواریخ ص۲۲

اور حسن قرأت کا ذکر کیا غوث الاولیاء کو قرأت سے بڑا شغف تھا یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ نمازوں میں آپ ہی امامت کیا کریں اور جب تک مسیح الاولیاء احمدآباد میں رہے آپ ہی کی اقتدا میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور آپ کی خوش الحانی سے متاثر ہو کر آپکو مرغ لاہوتی کا خطاب دیا تھا۔

خانقاہ غوثیہ میں پہنچنے پر شیخ ابراہیم نے اندازہ کیا کہ انکے پیر اور دادا پیر عسرت سے دو چار ہیں چاہا کہ کتابت کے ذریعہ کمائی کرکے نذر کیا کریں لیکن اس خیال سے کہ اس پیشہ میں آرام اور عزت ہے۔ فقیری کا تقاضا تو یہ ہے کہ مشقت و تحقیر برداشت کی جائے۔ چنانچہ آپ نے جنگل سے لکڑیوں کا بوجھ سر پر لانا شروع کیا اور سالہا سال تک نفس کشی کی اس ریاضت سے خانقاہ کے مصارف کی خدمت کی۔ برہان پور کے بادشاہ میران محمد شاہ فاروقی نے مولانا حافظ صدر سندھی کو بھیج کر آپ سے استدعا کی کہ میری مستورات قرأۃ و تعلیم قرآن کی خواہش مند ہیں آپ چونکہ ضعیف العمر اور بہمہ صفات موصوف ہیں یہ ذمہ داری قبول فرمائیں آپ نے لطائف الحیل سے ٹالدیا۔ آپ تمام زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف متواضع و متوکل وضع پر قائم رہے لباس میں صرف ستر پوشی کی حد تک اہتمام رکھا۔ یہاں تک کہ سلے اور بے سلے کی تخصیص نہ تھی روحانیت میں آپ کا یہ مقام تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے کہا تھا کہ کھانا کھاتے وقت رب کا نام یاد رکھنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا ابراہیم کے نزدیک صوفی وہ ہے جو رازقِ حقیقی کے مشاہدے کے بغیر کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔ آپ کے متوسلین میں سے آپ کے خلیفہ شیخ عبدالرحیم کپڑونجی نے ممتاز مقام حاصل کیا جنہیں آپ سے سلسلہ شطاریہ میں خلافت حاصل تھی۔ آپ کی وفات ۹۹۱ھ میں ہوئی۔ مادہ تاریخ "صاحب فیض" ہے شیخ ابراہیم ابن عمرؒ کے مقبرہ کے متصل عادل پورہ برہان پور میں مدفون ہیں۔ [1]

۹۹۱ھ

---

[1] برہانپور کے سندھی اولیاء صـ۲۰۱، گلزار ابرار صـ۳۵۹۔

شیخ ابو محمد تمیمی برہانپوری

م ۲۳ رمحرم ۹۹۲ھ بمطابق ۴ رفروری ۱۵۸۴ء

شیخ ابو محمد بن خضر بن بہاء الدین تیمی برہانپوری۔ ہندوستان کے مشہور مشائخ سے تھے ۹۲۸ھ میں برہانپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے ممتاز اساتذہ سے پڑھا۔ جب شیخ فضل اللہ جونپوری بارادۂ حج برہانپور تشریف لائے تو آپ نے ان سے بیعت کی پھر شیخ جلال الدین ابن نظام الدین بن نعمان برہانپوری سے بیعت کی اور نو سال تک انکی خدمت وصحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ طریقت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوگئے۔ نہایت متقی صائم النہار اور قائم اللیل تھے۔ قلیل شئ پر افطار کرتے جب ان کے مرشد جلال الدین فوت ہوئے تو حج کا سفر اختیار کیا۔ اسی سفر میں جب احمدآباد پہنچے تو آپ کے مرشد اول شیخ فضل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ جن کی خدمت میں کچھ مدت رہے اس کے بعد حرمین شریفین روانہ ہوگئے۔

حج وزیارت کے بعد مکہ مکرمہ میں شیخ علی متقی سے ملاقات ہوئی جن کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے۔ ہندوستان لوٹے تو شیخ فریدالدین بن عالم لنگی کی صحبت میں سالہاسال گذار دیئے۔

۲۳ رمحرم ۹۹۲ھ بمطابق ۴ رفروری ۱۵۸۴ء میں برہانپور میں وفات پائی۔ مقبرۂ شیخ میں آسودۂ لحد ہوئے[1]

---

[1] اعیان الحجاج بحوالہ نزھۃ الخواطر ۲۶ ص ۱۶/۴۷۰۔

سید شیخ بن عبداللہ حسینی حضرمی احمد آبادی

وفات ۲۵ رمضان ۹۹۰ھ بمطابق ۱۵۸۲ء

سید شیخ بن عبداللہ حسینی حضرمی احمد آبادی ۔ خاندان عیدروسیہ سے تعلق تھا۔ اپنے زمانے کے قطب تھے ۔ اس خاندان کا قدیم مسکن تریم (حضرموت) ہے جو بحر عرب کے مشرقی ساحل پر واقع ہے ۔ یہ خاندان علم وفضل میں بہت ممتاز تھا ۔ اس خاندان کے کئی بزرگ براہ ، سورت وبھروچ ھندوستان کے مغربی ساحل پر آئے اور احمد آباد سورت ، دکن ، احمد نگر اور گجرات کے دیگر علاقوں میں علوم دین اور تصوف کی اشاعت کی ۔ المشرع الروی کے مصنف شلی نے انکے متعلق لکھا ہے کہ !

شیخ بن عبداللہ حضرمی العیدروس کی ولادت ۹۱۹ھ میں بمقام تریم ہوئی شیخ شہاب الدین بن عبدالرحمن اور شیخ عبداللہ بن محمد باتشر سے حفظ قرآن کی تکمیل کی ۔ پھر یمن گئے ۔ وہاں سے عدن پہنچے اور شیخ محمد بن عمر سے مختلف علوم کی تحصیل کی وہاں سے حجاز تشریف لے گئے اور ۹۳۸ھ میں حج ادا کیا اس کے بعد حجاز ہی میں شیخ ابوالحسن بکری کی خدمت میں رہے اور ان سے علوم کی تکمیل کی ۔ پھر اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ کی حاضری سے مشرف ہوئے ۔ پھر تریم واپس لوٹ آئے ۔ پھر آپ نے ۹۴۱ھ میں دوسرا حج ادا کیا ۔ تین سال مکہ مکرمہ میں رہ کر شیخ شہاب الدین احمد علامہ عبداللہ بن احمد فاکہی ، ابن حجر ہیثمی ، علامہ عبدالرؤف بن یحیٰ اور علامہ محمد بن الخطاب مالکی کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کرتے رہے ۔ یہاں تک کہ تفسیر، حدیث ، فقہ ، عربیہ ، تصوف ، فرائض اور حساب وغیرہ میں مہارت حاصل کی طواف اور عمرے وہاں کے قیام میں پابندی سے بکثرت ادا کرتے رہے ۔

اور تین سالہ قیام کے دوران گاہے بگاہے مدینہ منورہ بھی حاضری دیتے رہے۔
پھر زبید کا سفر کیا۔ وہاں حافظ عبدالرحمٰن بن دیبع سے علم حاصل کیا۔ پھر شحر پہنچے اور وہاں شیخ کبیر احمد بن عبداللہ شہید سے علم حاصل کیا۔ مذکورہ مشائخ سے آپ کو تمام کتب حدیث اور انکی تمام مرویات کی اجازت ملی۔ اور بہت سوں کی طرف سے آپ کو خرقہ خلافت بھی ملا۔

تریم آکر تیرہ سال مقیم رہے۔ صاحب النور السافر کی تحریر کے مطابق ۹۸۵ھ میں آپنے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور احمد آباد کو وطن بنایا۔ احمد آباد پہنچکر مشہور وزیر عماد الملک کی صحبت میں رہے اور وہاں اصلاح خلق اور تدریس علوم میں مشغول رہے۔ ایک بڑی مخلوق نے آپ سے علم حاصل کیا جن میں سب سے زیادہ مشہور آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالقادر، آپ کے پوتے شیخ محمد بن عبداللہ سورتی، الوسیط کے مصنف سید بن علی، نیز شیخ احمد بن علی بسکری، عبداللہ بن احمد فلاح، شیخ محمد بن احمد فاکہی۔ اور شیخ حمید بن عبداللہ سندھی ہیں۔

اوصاف و کمالات

شیخ عبدالقادر حضرمی نے لکھا ہے کہ آپ کا اسم شیخ تھا۔ اور اسم بامسمیٰ تھا چنانچہ آپ حد شیخوخت کو بھی پہنچے اور علوم باطنی اور علوم ظاہری کے بھی شیخ تھے۔ [1]

ماہ رمضان میں عمرات

آپ کی زندگی مجاہدانہ گذری۔ رمضان المبارک میں روزانہ آٹھ عمرے کرتے تھے چار دن میں اور چار رات میں۔ حدیث میں ہے کہ رمضان میں عمرہ میرے ساتھ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) حج کے برابر ہے چنانچہ آپ نے اس فضیلت کو حاصل کرنے کیلئے یومیہ آٹھ عمرے کرنے کا معمول بنالیا تھا۔ علامہ حمید فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی کرامت

تھی ورنہ روزانہ آٹھ عمرے کرنا آسان نہیں ۔

تصانیف آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے العقد النبوی السر المصطفوی، الفوز والبشری، مشہور ہیں۔ نیز آپ نے ایک قصیدہ نظم فرمایا جس کا نام تحفۃ المرید ہے۔ اس کے بعد اس کی دو شرح لکھیں بڑی شرح کا نام "حقائق التوحید" اور چھوٹی شرح کا نام سراج التوحید ہے۔

اسی طرح مولد پر بھی ان کے دو قصیدے ہیں۔ ایک بڑا ہے ایک چھوٹا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بارے میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔ اور اوراد و اذکار پر ایک رسالہ لکھا۔ جس کا نام "الحزب النفیس" ہے اور تصوف میں "نفحات الحکم علی لامیۃ العجم" تصنیف کیا۔ اور آپ کے اشعار کا ایک دیوان بھی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

لنا بالرسول المصطفٰی خیر نسبۃ ۔۔۔ مسلسلۃ تعلو علی کل رتبۃ
ائمۃ علم اللہ جوھر سرہ ۔۔۔ زواھر حلم قدوۃ للطریقۃ
شموس تجلت والبدور طوالع ۔۔۔ نجوم لنا بالسعد منہ استھلت
شموس بدت فی عالم الغیب شرقۃ ۔۔۔ بدور بدت ابدال اوتار صفوۃ

سادات کے متعلق فرماتے ہیں

لنا سادۃ فاقوا علی کل سادۃ ۔۔۔ بتمکین ارث کابرا عن کابر
لنا قادۃ فاقوا الکمالات بعزمھم ۔۔۔ ففی کل وقت منھم کم مظاھر
ھنیئا لھم طوبی لھم من عشائر ۔۔۔ حقیق لھم ذلک حذوا بالبشائر
ھم القوم لا یشقی جلیس لھم بھم ۔۔۔ خصوصیۃ خصوا بنور البصائر
وکیف لا یکون الحق حشو قلوبھم ۔۔۔ وھم بضعۃ المختار اھل المفاخر

نیز آپ کے ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

حجاب من اللہ وحرز منیع علینا دواماً وفضل وسیع

آپ کی کرامات بھی ۔متعدد علماء نے آپ کی کرامت اور آپ کے فضائل مناقب پر مستقل کتابیں لکھی ہیں ۔ جیساکہ علامہ حمید بن عبد اللہ سندھی نے آپ کے مناقب ایک کتاب میں جمع فرمائے ہیں ۔اور علامہ شہاب الدین بن علی العسکری الملکی کی تالیف بھی ہے جس کا نام نزھۃ الاخوان والنفوس فی مناقب شیخ بن عبد اللہ العدروس مصنف النور السافر نے بھی الفتوحات القدوسیہ فی الخرقۃ العدروسیہ کا معتد بہ حصہ آپ کے حالات کے بارے میں تصنیف فرمایا ہے ۔ شیخ عبد المعطی باکثیر کا آپ کے مناقب میں مستقل قصیدہ ہے جس کا پہلا شعر ہے ۔

ذاعت فضائلہ وشاع ثنائہ فی الخافقین وجاوزت بغداد

شیخ عبد اللطیف دبیر نے آپ کے بارے میں جو قصیدہ لکھا ہے ۔ ؎

شیخ الانام مفید کل محقق بحر العلوم العارف الربانی

ابن العفیف ابو الشہاب المجتبیٰ قطب الزمان العدروس الثانی

وفات آپ نے احمد آباد میں ۳۲ سال اقامت فرمائی اور ۲۵ رمضان ۹۹۰ھ کو احمد آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ آپ کے گھر کے صحن میں آپ کو دفن کیا گیا ۔

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند سید احمد ہندوستان تشریف لائے اور بھروچ میں مقیم رہے ان کا انتقال ۱۰۲۴ھ میں ہوا ۔ [1]

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ص۲۵۵ تا ۱۴۶ ج ۴ ، نزھۃ الخواطر اردو ص۱۵۸ تا ۲۵۱ ۔ گلزار ابرار ص۵۰۳ النور السافر ص۳۲۳ ، تذکرہ قاریان ہند جزاول ص۱۲۶ تا ۲۱۶ ۔

غوثی نے آپکا مختصر مگر جامع تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے

سید شیخ ابن شیخ عبداللہ عیدروسی صادقی یمنی حضرموتی

آپ عالی نسب سادات میں سے ہیں۔ نسب میں حضرت امام جعفر صادق رح کو پہنچتے ہیں۔ حدیث، اسماء رجال، علم الانساب، سیر و تاریخ، اصطلاحات تصوف اور بیان عرفان میں کامل طور پر تبحر اور رسائی رکھتے تھے۔ داد و دہش اور عفو و درگزر طبیعت ثانیہ تھی۔

اپنی مدۃ العمر میں کسی امیر و وزیر کے دروازہ پر نہیں گئے۔ اپنے عالی خاندان آباء و اجداد کا سلسلہ صحیح ہوتے ہوئے قادریہ خانوادہ اور مغربیہ خاندان میں اپنی ارادت اور خلافت کی نسبت قائم رکھتے تھے۔ [۱]

مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری

(م ۹۹۱ھ مطابق ۱۵۸۳ء)

عالم کبیر عبداللہ ابن شمس الدین انصاری سلطانپوری مشہور بہ مخدوم الملک کا وطن ٹھٹھہ صوبہ سندھ ہے جہاں سے ان کے دادا نے ترک اقامت کے بعد جالندھر میں طرح اقامت ڈالی۔ شیخ عبداللہ کا مولد سلطانپور صوبہ پنجاب ہے۔ اوائل عمر میں تعلیم شروع کردی تھی۔ سرہند گئے اور وہاں شیخ عبداللہ سرہندی سے درسیات پڑھیں۔ دہلی پہونچے اور حدیث میں شیخ ابراہیم ابن المعین ایرجی سے اکتساب فرمایا۔ آخر میں اپنے وطن لوٹے مشغلہ تدریس و تصنیف شروع کردیا جس

---

[۱] گلزار ابرار صہ ۵۰۳/م ۵۰۴

سے قبول عام کی سند حاصل ہوئی ۔

۹۴۳ھ میں جب میر ابو البقار بن میر عبد الباقی ابن میر تقی الدین محمد جو ایران اور توران کے تمام علمار اور فضلار میں افضل تھے ھند آئے اور یہاں کے علمار کے ساتھ علم آزمائی کی مجلس ہوئی تو انہوں نے مخدوم الملک ہی کو سب پر ترجیح دی ۔

سلطان ہمایوں نے آپ کو شیخ الاسلام کی سند پر فائز فرمایا ۔ سلطان ہمایوں کے بعد سلطان اکبر نے بھی آپ کے لئے یہ منصب برقرار رکھا ۔ سلطان شیر شاہ نے آپ کو صدر الاسلام کا خطاب دیا تھا ۔ اکبر نے مخدوم الملک کا خطاب دیا اور آپ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ پیش کرتا ۔ کئی سال تک یہی سلسلہ رہا ۔

پھر جب مبارک ابن خضر ناگوری نے اکبر کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ آپ تو خود مجتہد ہیں آپ کو کسی صدر اور قاضی کی تقلید ضروری نہیں تو اکبر نے مخدوم الملک کو حجاز روانہ کر دیا ۔ شیخ عبد اللہ جب مکہ مکرمہ کے سرائے میں داخل ہوئے تو شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی آپ کی تعظیم کے لئے آگے بڑھے ۔ حجاز سے واپسی پر سنہ ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں آپ احمد آباد پہنچے

بدایونی لکھتے ہیں کہ آپ فقہ، تاریخ، حدیث بلکہ جملہ علوم نقلیہ میں متبحر اور اہل بدعت خصوصاً شیعیت کے خلاف شدید متعصب تھے ۔ نیز کتاب روضۃ الاحباب کے بارے میں ان کا دعوی تھا کہ یہ امیر جمال الدین محدث کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ اسی کتاب کی جلد ثالث میں امیر جمال الدین نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں یہ مبالغہ آمیز شعر لکھا ہے کہ ۔ ؎

ہمیں بس بود حق نمائی او   کہ کردند شک در خدائی او

بدایونی کہتے ہیں پھر میری طرف مخدوم الملک نے متوجہ ہو کر کہا کہ دیکھئے حضرت علی کی مدح میں انہوں نے ایسا مبالغہ کیا کہ رفض سے گذر کر حلول کے عقیدہ تک پہنچ گئے ۔ خدا ایسے عقائد سے ہمیں محفوظ رکھے ۔ بدایونی کہتے ہیں کہ میں نے عرض

کیا کہ یہ تخیل حضرت امام شافعی رح کے اشعار سے ماخوذ ہے ۔ ؎

لوانّ المرتضیٰ ابدیٰ محلہ ۔۔۔ لصار الناس طُرًّا سجدًا لہ
کفیٰ فی فضل مولانا علی ۔۔۔ وقوع الشک فیہ انہ اللّٰہ

بدایونی کہتے ہیں یہ سنکر مخدوم الملک نے بڑی غضب آلود نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور کہا یہ اشعار حضرت امام شافعی رح کے نہیں ہو سکتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یہ اشعار میر حسن میبذی نے بھی تو حضرت علی کے دیوان الشعر کی شرح میں لکھے ہیں ۔ اس پر مخدوم الملک نے کہا کہ میبذی بھی تو رافضی ہی تھا ۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بعض ثقہ حضرات سے سنا ہے کہ روضۃ الاحباب کی تیسری جلد امیر جمال الدین محدث کے قلم سے نہیں بلکہ میرک شاہ نام کے ایک صاحب نے لکھکر ان کی طرف منسوب کر دی ہے ۔ مخدوم الملک نے کہا میں نے بھی روضۃ الاحباب کی دوسری جلد میں بعض لغویات پر مناسب حواشی لکھوائے ہیں ۔

تصانیف

آپ کی تصانیف بہت ہیں جن میں چند یہ ہیں ۔ ۱؎ کشف الغمہ، ۲؎ منہاج الدین ۳؎ عصمت الانبیاء ۴؎ شرح العقیدۃ الحافظیہ ۵؎ رسالہ فی تفضیل العقل علی العلم ۔ ۶؎ فقہ میں رسالہ فی الصباح ۷؎ شرح شرح الجامی، ۸؎ شرح شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

۹۹۱ھ میں احمدآباد میں آپ کی وفات ہوئی ۔ مآثر الامراء میں ہے کہ بادشاہ کے حکم سے کسی نے آپ کو زہر دیدیا تھا ۔ وفات کے بعد آپ کا جنازہ احمدآباد سے جالندھر لایا گیا اور وہاں دفن کر دیئے گئے ۔ ؎۱

دربار ملی میں آپ کا تذکرہ اس طرح ہے کہ اشرع متین کے پھیلانے میں ہمیشہ کوشاں رہے ۔ کٹر سنی تھے ، ان کی سعی و کوشش سے بہت سے ملحد

؎۱ دربار اکبری ص۳۱۸ ، نزہۃ الخواطر اردو ۳۳ ص۲۱۹ ، طبقات اکبری جلد اول ص۴۶۵ گلزار ابرار ص۴۹۵ ، منتخب التواریخ ص۷۰ . نزہۃ الخواطر عربی ۲۳۴ ص۲۰۳

اور بے دینوں کو سزا دی گئی۔ کتاب "روضۃ الاحباب" کے متعلق وہ بڑے اصرار سے کہا کرتے تھے کہ اس کا تیسرا باب امیر جمال الدین کا نہیں ہے۔ جس سال گجرات فتح ہوا ہے۔ ان دنوں یہ فتح پور میں شاہی دیوان خانے کے وکیل تھے اور بڑے جاہ و جلال کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ملا عبدالقادر بدایونی جب پنجاب کے سفر سے واپس لوٹے تو ایک روز شیخ ابوالفضل کہ ہنوز دربار تک ان کی رسائی نہ ہوئی تھی۔ اور حاجی سلطان تھانیسری کی معیت میں ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے۔ مخدوم الملک اس وقت مذکورہ کتاب کا تیسرا باب کھولے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ: دیکھو ولایت ایران کے ظالمانِ دین نے مذہب میں کیا کیا خرابیاں پیدا کی ہیں؛ پھر وہ شعر دکھایا جو منقبت میں تھا۔

ہمیں بس بود حق نمائی او کہ کردند شک در خدائی او

پھر بولے: اس نے (تیسرے باب کا مصنف) تو رفض سے بھی کئی درجے آگے بڑھکر یہ معاملہ حلول خداوندی تک پہنچا دیا ہے۔ میں نے بھی یہ طے کیا ہے اس جلد کو شیعوں کے سامنے آگ دکھاؤں؛

اگرچہ عبدالقادر ان دنوں گوشۂ گمنامی میں تھے۔ اور ان سے ان کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ پھر بھی انہوں نے جرأت سے کام لیا اور کہا کہ: یہ شعر تو اس بیت کا ترجمہ ہے جو امام شافعی رح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس طرح ہے:

لو ان المرتضیٰ ابدی محلہ لصار الناس طرا سجدا لہ
کفی فی فضل مولانا علی وقوع الشک فیہ انہ اللہ

اس پر انہوں نے ان کو گھور کر دیکھا اور پوچھا کہ یہ کہاں لکھا ہے؟ انہوں نے

جواب میں کہا۔ "دیوان امیر کی شرح ہیں" کہنے لگے "دیوان کا شارح قاضی میر حسین تو بدعتی ہے، اس کے علاوہ اُسے بھی لوگوں نے رافضی کہا ہے" ملّا نے کہا کہ "یہ بات دوسری ہے" ادھر شیخ ابوالفضل اور حاجی سلطان ہر لمحے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ملا کو خاموش رہنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ "ملا نے پھر فرمایا کہ "میں نے بعض مستند راویوں سے یہ سنا ہے کہ یہ تیسرا باب میر جمال الدین کا نہیں ہے بلکہ ان کے بیٹے میرک شاہ یا کسی اور شخص کا نوشتہ ہے یہی سبب ہے کہ یہ تحریر پہلے دو ابواب کی تحریر سے مختلف ہے۔ اور اس میں محدثانہ روش کے بجائے شاعرانہ طرز اختیار کیا گیا ہے" جواب میں بولے "اے بابا میں نے تو دوسرے باب میں بھی ایسی ایسی چیزیں دیکھی ہیں جو بصراحت بدعت اور عقیدۂ فاسد پر دلالت کرتی ہیں، میں نے ایسے مقامات پر حواشی بھی لکھے ہیں۔

چنانچہ ایک جگہ مصنف لکھتا ہے کہ جب طلحہ رضؓ نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو آپ نے فرمایا "ید شلاء و بیعۃ شلاء" ذرا غور تو کرو کہ جو ہاتھ غزوۂ اُحد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ بنا اور جسے گیارہ زخم آئے تھے۔ اُسے حضرت علیؓ برا شگون سمجھیں، کہ جو شرعًا ممنوع ہے۔ میرے نزدیک ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا یہ ناممکنات میں سے ہے۔

بدایونی نے کہا کہ "شگون اور فال میں تو بہت فرق ہے" اب پھر ابوالفضل چپکے سے بدایونی کے ہاتھ کو زور زور سے دبا کر ان کو بولنے سے روک رہے تھے۔ اتنے میں مخدوم الملک نے ان دونوں سے پوچھا کہ "ان صاحب کی تعریف کیا ہے؟" دونوں نے بدایونی کے بارے میں کچھ بتایا اور اس طرح بدایونی کہ یہ ملاقات بخیر و خوبی گزر گئی۔ جب باہر آئے تو دوستوں نے کہا کہ آج سمجھو خیر ہوئی جو انہوں نے تمہاری باتوں پر اعتراض نہ کیا ورنہ ان

سے چھٹکارہ دلانے والا کوئی نہ تھا۔

مخدوم الملک نے جب شروع شروع میں ابوالفضل کو دیکھا تو وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ: "یہ شخص دین میں بہت زیادہ خلل کا باعث ہوگا"

چو بہ طفلیش بدیدم بمخدوم اہل دین را
کہ شود بلائے جاں ہا بہ شما سپردم ایں را

(جب میں نے اسے اس کے بچپن ہی میں دیکھا تھا تو اسے اہل دین کو دکھا کر کہا تھا کہ یہ بلائے جان ہوگا، اسے میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔)

مخدوم الملک ۹۹۰ھ میں مکہ معظمہ سے واپسی کے بعد بمقام گجرات عالم بقاء کو سدھارے۔ قطعہ ذیل سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

رفت مخدوم ملک وبا خود برد | رحمۃ اللہ نشان پیشانی
جستم از دل چو سال تاریخش | گفت بیشمار مصرع ثانی

آپ کا علمی پایہ

مقالات شیرانی میں ہے کہ: آپ عہد اکبری کے مشہور عالم ہیں۔ انہوں نے دہلی میں مولانا ابراہیم بن معین حسینی ایرجی سے حدیث پڑھی تھی۔ شیخ مبارک جیسے ملاحدہ کے زیر اثر اکبر نے ۹۸۷ھ بمطابق ۱۵۷۹ء میں انہیں حرمین بھیج دیا۔ تو وہاں کے علماء نے جنہیں ابن حجر ہیثمی بھی شامل تھے۔ ان کا بڑی عزت و احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ بدایونی نے لکھا ہے کہ یہ فقہ، اصول، حدیث وغیرہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے سردار شمار ہوتے تھے۔ [1]

---

[1] مقالات عرشی ص ۵۳۔

شیخ عبدالنبیؒ صدر شہیدؒ

(م ۱۲ ربیع الاول ۹۹۱ھ / ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۳ء / ۱۵۸۴ء)

شیخ عبدالنبی شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے پوتے ہیں۔ جو امام ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ شیخ عبدالنبی علوم نقلیہ میں ممتاز تھے اور علم میں بڑا تبحر حاصل تھا۔ علم حدیث میں عالی سند رکھتے تھے، ہندوستان میں تعلیم ختم کرنے کے بعد چند بار مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاکر حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ شیخ عبدالنبی افادہٗ علوم کے باوجود چشتیہ سلسلہ کے اوراد واشغال کے پابند تھے۔ حبس دم کی مشق یہاں تک پہونچی تھی کہ ایک پہر تک سانس روک کر مشغول رہتے۔ [۲]

جلوس اکبری کے دسویں سال میں مظفر خاں دیوان اعلیٰ کے وسیلہ سے کل ہندوستان کے صدر الصدور مقرر ہوئے اور بعد میں یہ مقام حاصل ہوگیا تھا کہ سلطنت کے اہم معاملات بھی ان کے صوابدید پر موقوف تھے۔ اکبر بادشاہ کی نگاہ میں بھی آپ کی قدر و منزلت تھی۔ بادشاہ حدیث سننے کے لئے ان کے دولتکدہ پر حاضر ہوتا تھا۔ اور شیخ عبدالنبی کی ترغیب سے احکام شرعی کے اجرا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نفاذ میں بہت کوشاں تھا۔ آپ کی صحبت سے اکبر کا یہ حال تھا کہ خود اذان دیتا اور امامت بھی کراتا بلکہ مسجد میں جھاڑو بھی دیتا تھا۔ [۳]

ایک روز سالگرہ کی تقریب کے موقع پر اکبر بادشاہ کے لباس پر زعفران کا رنگ چھڑک دیا گیا تھا۔ شیخ عبدالنبی نے غضبناک ہوکر دربار میں اس طرح عصا چلایا کہ اکبر بادشاہ تک جا پہونچا۔ بادشاہ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس نے اپنی ماں سے

---

[۱] النور السافر ص ۳۳۹ [۲] مآثر الامراء [۳] ایضاً۔

شکایت کی۔ اسکی والدہ حمیدہ بانو بیگم نے کہا کہ میرے بیٹے ! رنجیدہ نہ ہو یہ بات تمہاری نجات کا ذریعہ ہے ۔ قیامت تک لوگ ذکر کیا کریں گے کہ ایک عالم نے بادشاہ وقت کے ساتھ ایسا معاملہ کیا اور بادشاہ نے اس پر تحمل کیا ۔ [۱]

چونکہ شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری روزانہ بادشاہ کا احتساب کرتے جس سے وہ پریشان ہوگیا تھا ۔ فیضی ابوالفضل کو جب اس کی پریشانی کا علم ہوا تو انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمارا علم شیخ عبدالنبی اور شیخ عبداللہ سے زیادہ ہے اگر حضور اجازت دیں تو قوی دلائل سے ہم ان کو ملزم ٹھیرائیں ۔ چنانچہ ایک روز دسترخوان پر طعام مزعفر بھی تھا ۔ جب شیخ عبدالنبی نے اس کو کھایا تو ابوالفضل نے کہا کہ اے شیخ اگر زعفران حلال تھا تو تم نے بادشاہ سے اس طرح باز پرس کیوں کی اور اگر حرام ہے تو خود کیوں کھایا ۔ [۲]

جلوس اکبری کے چوبیسویں سال اکبر بادشاہ نے علماء اور دانش مندوں کی ایک مجلس قائم کی اور ان سب کے اتفاق رائے سے یہ طے ہوا کہ بادشاہ وقت امام اور مجتہد زمانہ ہے ۔ دینی مسائل میں جس بات کو وہ اختیار کرے لوگوں کیلئے اس کا قبول کرنا باعث ثواب ہے ۔ دنیوی زندگی کی سہولت اور مسلمانوں کی مصلحت کی غرض سے بادشاہ اپنی صائب رائے سے جو طریقہ اختیار کرے اس کی پیروی کرنا ہر شخص پر لازم ہے اور جو حکم بھی دے بشرطیکہ سنت و فرض کے خلاف نہ ہو اس کی مخالفت کرنا دنیاوی نقصان اور آخرت کے خسارے کا سبب ہوگا ۔

اس مضمون کو تیار کرکے شیخ عبدالنبی ، شیخ عبداللہ ، غازی خاں بدخشی اور اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء سے مہریں لگوالیں ۔ [۳]

جب شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک سلطانپوری کے متعلق بادشاہ کو یہ بات پہونچی کہ

---

[۱] مآثرالامراء [۲] ایضاً [۳] ایضاً ۔ بحوالہ منتخب التواریخ ۔ النور السافر ۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم سے زبردستی مہر لگوائی گئی ہے۔ اکبر بادشاہ نے اُسی سال شیخ عبدالنبی کو حاجیوں کے قافلہ کا سالار بنا کر وہ نقدی ان کے حوالہ کی جو ان مقدس مقامات کے شرفاء اور مستحقین کو بھیجی جاتی تھی۔ شیخ عبداللہ کو بھی ساتھ روانہ کردیا۔ اس طرح دونوں حضرات کا اخراج عمل میں آیا اور حکم دیا گیا کہ حرمین شریفین میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہیں اور بن بلائے اپنے ملک ہندوستان واپس نہ آئیں۔

جب مرزا محمد حکیم کے آنے اور بہادر بنگال کے سرداروں کی سرکشی کیوجہ سے ہندوستان میں فتنہ و فساد برپا ہوا تو ان دو حضرات نے واپسی کا ارادہ کیا اور شریف مکہ کے دھمکانے اور حکم شاہی کے باوجود جلوس اکبری کے ستائیسویں سال میں احمد آباد گجرات میں آکر مقیم ہو گئے لیکن دشمنوں نے از سر نو ان حضرات کی مخالفت کرکے بادشاہ کے حضور میں طلب کرالیا۔ چنانچہ بادشاہ نے محاسبہ کے لئے قید کرکے شیخ ابوالفضل کے حوالہ کردیا۔

قید و بند کے زمانہ میں بادشاہ نے کئی مرتبہ کہلا بھیجا کہ آپ حضرات دین کے معاملہ میں اگر سختی سے باز آجائیں تو آپ کو وہی مقام دیا جائے گا جو پہلے تھا لیکن شیخ عبدالنبی اس دین فروشی کو مسترد فرماتے رہے۔ [1]

ایک مرتبہ اکبر بادشاہ نے کسی کافر کو شیخ عبدالنبی کے قتل پر مامور کیا وہ شخص جب بھی بُرے ارادے سے آپ کے پاس آتا تو آپ کو نماز و تلاوت میں پاتا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر اور اگر آپ ہمارے ہندوؤں کے بڑے بڑے لوگوں میں سے سوا شخاص کو قتل کروانا چاہیں تو میں حاضر ہوں لیکن یہ آپ کا مسلم شیخ تو ہر وقت اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ لہذا آپ مجھے معذور رکھیں۔ [2]

---

[1] النور السافر [2] ایضاً۔

اس کے بعد آپ کی شہادت کے بارے میں بیانات مختلف ہیں صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ آپ کے سامنے زھر کا پیالہ پیش کیا گیا مگر آپ تاڑ گئے اور فرمایا میں اپنی خودکشی میں معاون نہیں بن سکتا اس کے بعد خود بادشاہ کے حکم سے آپ کو سولی دیدی گئی۔ بعضے لکھتے ہیں کہ ابوالفضل بادشاہ کا مزاج شناس تو تھا ہی اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ شیخ عبدالنبی کے قتل کی بازپرس نہ ہوگی چنانچہ اس نے ۱۲ ربیع الاول کی شب ۹۹۰ھ یا ۹۹۲ھ میں پوشیدہ طور پر پھانسی دلوادی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک روز شیخ عبدالنبی فتح پور پہنچ گئے۔ اور اکبر کو برا بھلا کہا۔ اس نے آپ کے منہ پر پوری قوت سے گھونسہ مارا اور راجہ ٹوڈرمل کے حوالہ اس بہانہ کر دیا کہ ان سے ستر ہزار روپیہ کا حساب لیا جائے جو مکہ معظمہ جاتے وقت ان کو دیئے گئے۔ اس کے بعد حوالات میں آپ کو محبوس رکھا گیا۔ اور رات کو کسی نے آکر ان کا گلا گھونٹ دیا۔ اور دوسرے دن دوپہر تک مینارہ والے میدان میں لاش پڑی رہی۔

ابوالفضل نے آپ کے قتل کے بعد بھی اپنا بغض ان الفاظ سے ظاہر کیا ہے کہ اس بدسگال سے پوچھ گچھ ہوئی تو اس نے خاموشی اور سرشاری کے سوا کچھ نہ جواب دیا۔ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا جہاں اس کا پیمانہ زندگی لبریز ہوگیا۔

آپ صاحب تصانیف بھی تھے۔ جیسا کہ تذکرہ علماء ہند ص۱۳۴ پر لکھا ہے کہ آپ کی ایک تالیف "وظائف النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے کتب خانہ میں ہے۔

سماع پر بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ "قفال مروزی جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کیا ہے ان کی رد میں بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔"[1]

---

[1] مآثر الامراء ج۲ ص۵۶۲

آپکے قتل کی وجوہ :- ایک قصہ پیش آگیا کہ جن دنوں اکبر بانسواڑہ کے سفر سے واپسی پر فتح پور میں قیام پذیر تھا تو متھرا کے قاضی، قاضی عبدالرحیم نے ان (عبدالنبی) کے پاس شکایت کی کہ "اپنا ارادہ ایک مسجد بنانے کا تھا۔ لیکن یہاں کے ایک سرکش مالدار برہمن نے اس زیر تعمیر مسجد کا سامان اٹھوا کر بت خانے کی عمارت پر صرف کر دیا ہے۔ جب ہم نے اس پر اعتراض کیا اور رکاوٹ ڈالنا چاہی تو اس کم بخت نے (اس کے منہ میں خاک) حاضرین کے سامنے (اس واقعے کے گواہ ہیں) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں گستاخی کی اور مسلمانوں کی بری طرح تذلیل و توہین کی، جب شیخ نے اس برہمن کو طلب کیا تو وہ حاضر نہ ہوا۔ اس پر بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھیجا گیا وہ اس برہمن کو دربار میں لائے۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ لوگوں کی زبانی سنا تھا وہ بے کم وکاست کہہ سنایا اور کہا کہ اس امر کی تحقیق ہو چکی ہے کہ اس نے گستاخی کی تھی چنانچہ علماء میں سے بعض نے تو اسے قابل گردن زنی ٹھہرایا۔ اور بعض اسکی تشہیر اور جرمانے کے قائل تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء دو گروہوں میں بٹ گئے۔

اس سلسلے میں ان میں بہت بحث و مباحثہ ہوا۔ شیخ عبدالنبی نے بڑی کوشش کی کہ بادشاہ سے اس کے قتل کا حکم حاصل کریں۔ لیکن بادشاہ نے کھلم کھلا حکم دینے سے گریز کیا۔ اور اشارۃً و کنایۃً یہ کہا کہ "شرعی سزاؤں کا تعلق تم سے ہے ہم سے کیا پوچھتے ہو"

شیخ نے مکان پر پہنچتے ہی اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب بادشاہ کو اس صورتِ حال کا پتہ چلا تو اِسے بہت طیش آیا۔ پھر ادھر تو اندرون حرم سے بیگمات نے اور ادھر باہر سے تمام ہندو مقربین نے بھی شور کیا۔

بدایونی لکھتے ہیں کہ "اس موضوع پر بڑی لمبی چوڑی بحث ہوئی۔ اس

دوران لوگوں نے دیکھا کہ بادشاہ کی مونچھوں کے بال شیر کے بالوں کی طرح کھڑے ہوگئے ۔ ادھر لوگ مجھے پیچھے سے ٹھوکے دے رہے تھے کہ میں مزید بحث کو ختم کروں ۔ اچانک بادشاہ جھلا کر بولے ؛ یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو بیہودہ ہے ؛ میں اسی وقت آداب بجالا کر واپس حجرے میں چلا آیا ۔ اس دن سے میں نے ایسی جرأت کرنا اور بحث مباحثے میں حصہ لینا ترک کر دیا ۔ اور گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھا ۔ کبھی کبھار دور ہی سے تسلیم بجالاتا تھا ۔ اور بس ۔ اس واقعے کے بعد شیخ عبدالنبی کو روز بروز زوال ہوتا گیا ۔ بادشاہ اور ان کے درمیان گویا ایک پردہ حائل اور ایک کھنچاؤ پیدا ہوگیا ۔ دونوں ایک دوسرے سے دور دور رہنے لگے ۔ اور شیخ نے دربار میں جانا بالکل بند کر دیا۔

انہی دنوں فیضی کا باپ شیخ مبارک آگرہ سے کسی معاملے کی مبارکباد دینے فتح پور آیا ۔ بادشاہ نے اس کے سامنے بھی یہ سارا واقعہ دھرایا ۔ اس نے جواب میں یہ کہا کہ آپ تو خود اپنے دور کے امام اور مجتہد ہیں ۔ آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ آپ شرعی یا ملکی احکام کے بارے میں ان لوگوں سے رجوع کریں ۔ جنہیں علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ اور جو فقط جھوٹی شہرت کے مالک ہیں ۔

بادشاہ نے کہا ؛ اب تم ہمارے استاد ہوگے اور ہم تم سے درس لیا کریں تم ہمیں کسی طرح ان ملاؤں سے چھٹکارا دلادو ؛ اس نے بھی اپنی پرانی رقابتوں اور دشمنیوں کا بدلہ لینے کے لئے موقع غنیمت جانا اور اپنے خبث باطن کے سبب کہنے لگا ؛ آپ اپنے مجتہد ہونے کا دعویٰ کر دیں اور اس ضمن میں ان لوگوں سے محضر لکھوالیں ؛ چنانچہ یہی وہ واقعہ ہے جسکی بنا پر اس نے یہ محضر تیار کیا کہ بادشاہ نہ صرف یہ کہ مجتہد ہے بلکہ دیگر مجتہدوں سے بھی افضل ہے

پھر شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو عام لوگوں کی طرح زبردستی پکڑ کر ان پاجیوں کی محفل میں لایا گیا۔ اور کسی نے ان کی تعظیم تک نہ کی۔ وہ جوتیوں کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اور ان سے زبردستی اور بہ جبر و اکراہ اس محضر پر دستخط کروالئے گئے۔[1]

النور السافر میں ہے کہ ! ۹۹۱ھ مطابق ۱۵۸۳ء میں شیخ عبدالنبی صدر کو شہید کر دیا گیا۔ جو علم میں بڑا تبحر رکھتے تھے۔ اور اکبر کے نزدیک قابلِ تعظیم تھے یہاں تک کہ اکبر بذاتِ خود آپ کی خدمت کرتا تھا مگر پھر اس کے بعد آپ کو ابتلا پیش آیا جس پر آپ کا صبر بھی ضرب المثل ہے۔ جیل خانے میں جہاں آپ کو انواع و اقسام کے طریق سے عذاب دیا گیا وہاں بادشاہ اکبر آپ کے پاس آدمی بھیجتا کہ دینی تصلّب کو اب بھی آپ چھوڑ دیجئے۔ تب آپ سلطنت کے عہدوں پر جس طرح پہلے تھے بحال کر دئے جاؤ گے۔ مگر آپ کی طرف سے وہ جواب ملتا جس سے سلطان کا غیظ و غضب اور بڑھتا۔ بادشاہ نے کسی کافر کو آپ کے قتل کا حکم دیا تو ایک مدت تک اس کو بجا نہ لا سکا اس لئے کہ جب بھی وہ آپ کے پاس جاتا تو آپ کو نماز، تلاوت وغیرہ میں مشغول پاتا اور آپ کے قتل سے توقف کرتا اور وہ بادشاہ سے کہتا کہ آپ مجھے اگر سَو کفّار کے مارنے کا حکم کریں تو میں بجا لا سکتا ہوں لیکن یہ مسلمان، اس کو میں مار نہیں سکتا۔ اس لئے کہ میں نے اس کو ہمیشہ اپنے پروردگار کی طاعت و عبادت میں پایا ہے۔ اس لئے اس سے مجھے معذور رکھئے۔

کئی دفعہ آپ کے پاس زہر کا پیالہ لایا گیا اور آپ نے شاید محسوس فرما کر اس کے تناول کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس میں کیا ہے اور میں اپنی جان کے قتل کرنے پر خود اعانت نہیں کر سکتا۔

---

[1] منتخب التواریخ، دربار ملی ص ۲۵۵ ۔

اس لئے کہ یہ دین میں حرام اور ناجائز ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے آپ کو گلا گھونٹ کر مارنے کا حکم دیا۔ جس پر عمل کیا گیا اور آپ شہید ہوئے۔ اور یہ ۱۲ ربیع الاول کی شب میں ۹۹۰ھ بمطابق ۱۵۸۲ء میں آپ کو شہید کیا گیا۔ [1]

اعمالِ خیر

متعدد مرتبہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ حاضری کا شرف پایا اور وہاں علم حدیث حاصل کیا۔ جب واپس لوٹے تو اپنے آباء و اجداد کے طرز سماع کے منکر تھے۔ اور محدثین کی روش اختیار کی تھی۔ طہارت و پاکبازی اور تقویٰ کے علاوہ عبادتِ ظاہری میں مصروف رہتے تھے۔ جب عہدۂ صدارت پر فائز ہوئے تو لوگوں کو بے حساب اراضی مددِ معاش کے لئے دی اور بہت سے وظیفہ اور اوقاف بھی قائم کئے۔ جو وظائف و اوقاف انہوں نے قائم کئے اس کا عشر عشیر بھی کسی اور صدر نے نہ کیا ہوگا۔

اخبار الاخیار میں آپ کے حالات اس طرح ہیں کہ! شیخ عبدالقدوس رح کے صاحبزادہ شیخ عبدالنبی رح تھے۔ جو اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوانی میں زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر بعض فقہائے کرام سے تھوڑا سا علم حدیث حاصل کرکے اپنے وطن واپس آئے اور پھر زہد و عشق میں مشہور رہے۔ اپنے والد اور چچا صاحبان سے مسئلہ توحید و سماع میں گفتگو کی، آپ کے والد صاحب نے قوالی کے جواز میں ایک کتاب لکھی۔ آپ نے عدم اباحت میں ایک رسالہ سپرد قلم فرمایا، اس سے اگرچہ آپ کو کافی تکلیف اٹھانی پڑی، لیکن یہی رسالہ آپ کی شہرت کا سبب بنا، بادشاہِ وقت اس زمانے میں ایک ایسے وزیر اعظم کا طلبگار تھا جو عالم اور دیندار ہو۔ چنانچہ بعض اسباب و ذرائع سے آپ ۹۷۱ھ میں کرسیٔ وزارت پر جلوہ افروز

---

[1] النور السافر ص ۳۳۹۔

ہوئے۔ ایّام وزارت میں آپکی مہر میں یہ الفاظ منقوش تھے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ؕ

آپ نے دورانِ وزارت میں اپنی محنت کی بدولت زیادہ عزّت ومنصب حاصل کیا۔ آپنے وزیراعظم ہوتے ہی ظلم وتشدد کو ختم کیا۔ اور اچھی طرح سے مال وجاہ حاصل کیا۔ بادشاہِ وقت کو آپ سے بڑی عقیدت تھی جس کی وجہ سے دوسرے لوگ بادشاہ کی نگاہ میں حقیر نظر آنے لگے اور دوسرے سترفار کے ساتھ آپکے مقابلے میں ان کے منصب سے کم معاملہ ہونے لگا۔ غرضیکہ جو کوئی آپ کی طبیعت کے مطابق نہ ہوتا وہ بادشاہ کے یہاں حصولِ منصب سے محروم رہتا۔ کچھ عرصہ کے بعد ۹۸۶ھ میں بعض اسباب کی بناپرمزاج شاہی میں کچھ فرق آگیا اور آپ عہدۂ وزارت سے معزول ہو گئے۔ آپکواور مولانا عبداللہ سلطانپوری کو جوکہ افغانوں کے دور سے اب تک معزز ومکرم تسلیم کئے گئے تھے۔ جن کا لقب مخدوم الملک تھا اور جو صحیح الرائے، عقلمند اور تجربہ کار مشہور تھے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنے کا حکم دیدیا گیا۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ! آخرکار پریشان ہوکر دونوں حضرات مکہ مکرمہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔

مخدوم الملک نے گجرات کے علاقہ میں پہنچ کر ۹۹۱ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور شیخ عبدالنبی لوٹ کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے، عرصۂ دراز تک جیل میں محبوس رہے اس سے پہلے بادشاہ کی نظر میں آپ جتنے معزز ومکرم تھے اب اتنے ہی ذلیل وخوار اور غیرمعتبر ہوئے۔ وہیں جیل خانہ میں ۹۹۲ھ میں انتقال فرمایا۔[1]

---

[1] اخبارالاخیار ص۴۶۵۔

شیخ محمود بن محمود

(م ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۴ء)

شیخ فاضل علامہ حکیم محمود بن محمود عباسی قاضی شہاب الدین بن شمس الدین سندھی ثم گجراتی ۔ یکے از علمائے کبار۔ حضرمی فرماتے ہیں کہ وہ طب و معالجات میں کمال درجہ مہارت رکھتے تھے ۔ ان کی فراست و طبابت کا یہ واقعہ قابل بیان ہے کہ ایک بادشاہ نے سلطان محمود بیگرہ والیٔ گجرات کے حضور چند نفیس تحائف میں کنیز بھی پیش کی جو سلطان نے ایک وزیر کو عطا فرمادی ۔ اتفاق کی بات مقاربت سے قبل حکیم صاحب نے کنیز کی نبض دیکھ کر وزیر سے کہا کہ آپ اس سے مقاربت سے پرہیز رکھئے ورنہ آپ مرجائیں گے ۔ وزیر نے اس تجربہ کے لئے کنیز کو اپنے ایک غلام کے سپرد کیا ۔ خلوت صحیحہ کے بعد غلام واقعی مرگیا ۔ اس پر وزیر نے حکیم محمود سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ اس کنیز کی والدہ کو حالت حمل میں ایسی چیزیں کھلائیں گئیں جن کا اثر کنیز کو ورثہ میں ملا ۔ اور ہدیہ بھیجنے والے نے بادشاہ کو اس طریق سے قتل کرنا چاہا تھا ۔ احمد آباد میں حکیم صاحب کی وفات ۹۹۲ھ مطابق ۱۵۸۴ء میں ہوئی[1] ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

شیخ محمد بن احمد فاکہی

(م ۲۱ جمادی الاولیٰ ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۴ء)

شیخ ابو السعادات محمد بن احمد بن علی فاکہی مکی حنبلی ۔ آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ۹۲۳ھ میں ہوئی ۔ جمیع علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ ابو الحسن بکری شیخ

---

[1] نزھۃ الخواطر اردو ۵/۱۲ عربی ۵/۱۲ ص ۳۴۸ ۔

الاسلام ابن حجر ھیثمی اور شیخ محمد خطاب قابل ذکر ہیں ۔ یہ سب مکہ مکرمہ کے زبردست علماء میں سے تھے ۔ ان حضرات کے علاوہ حضر موت اور زبید کے علماء سے بھی استفادہ کیا ۔ حضرمی نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے جن حضرات سے اکتساب کیا ہے ان کی تعداد نوّے سے زیادہ ہے ۔ ؎۱

اشتغال بالعلم کا یہ عالم تھا کہ اربعین نودیہ، عقائد نسفیہ المقنع درفقہ حنبلیہ، جمع الجوامع، الفیہ ابن مالک، تلخیص المفتاح، شاطبیہ درقرأت نورالسعید لابن سید الناس ۔ یہ ساری کتابیں ازبریاد تھیں ۔ قرآن مجید کے بھی جید حافظ تھے اور سبعہ قرآن کی تلاوت کرتے ۔

تصانیف

آپ نے نظم ونثر دونوں میں کئی مفید رسالے لکھے منجملہ ان کے آیۃ الکرسی کی تفسیر نورالابصار شرح مختصر الانوار، رسالہ درلغت ۔ باب السلاطین مشہور ہیں ۔

اوصاف

حضرمی فرماتے ہیں کہ میرے والد انہیں شیخ الاسلام سے یاد کرتے وہ بڑے فیاض تھے بعضوں نے یہاں تک کہا کہ ان سے زیادہ سخی ہم نے دیکھا ہی نہیں ۔ اشراف اور عرب کے لوگوں میں سے جو کوئی بھی ھندوستان آیا وہ ان کا احسان مند رہا ۔ ؎۲

عجیب اتفاق

ایک عجیب اتفاق کی بات ہے ان کے بھائی شیخ عبداللہ اور شیخ عبدالقادر کا شمار اہل علم وفضل میں ہوتا تھا ۔ ان تینوں بھائیوں کا انتقال یکے بعد دیگرے دس سال کے وقفہ سے ہوا ہے ۔ چنانچہ سب سے پہلے شیخ عبداللہ کی وفات ہوئی ۔ دس سال کے بعد شیخ عبدالقادر کی رحلت ہوئی ۔ اور پھر دس سال کے بعد شیخ محمد بن

؎۱ النورالسافر ص ۳۶۳ ؎۲ ایضاً ۔

احمد فاکہی کا انتقال ہوا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ کا ذکر شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی معجم میں کیا ہے کہ تین مشایخ عراقی بلقینی اور ابن الملقن اپنے زمانہ کے مایۂ ناز علماء میں سے تھے ان میں عراقی فنون حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بلقینی مذہبِ شافعی کے زبردست عالم تھے۔ اور ابن الملقن کثرتِ تصانیف میں مشہور تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش دوسرے کے ایک سال بعد ہوئی اور وفات بھی اسی وقفہ سے ہوئی۔

وفات:۔ شیخ محمد بن احمد فاکہی تیس سال تک درس و تدریس اور خدمت خلق میں لگے رہے۔ بروز جمعہ ۱۲ جمادی الاولی ۹۹۲ھ میں احمد آباد میں وفات ہوئی اور یہیں آسودۂ لحد ہوئے۔ [1]

شعر گوئی کا ملکہ بھی بہت عمدہ تھا۔ آپکا ایک شعر ہے۔ ؎

طبعت علی حب المعزة والثناء
وارجوهما فی طول عمری دیدنی

آپکی شان میں شیخ عبد اللطیف کا مدحیہ قصیدہ ہے۔

یا علامة الدنیا ویا عالم غدا | یقصر عن غاته فی العلی البدر

النور السافر میں لکھا ہے کہ: آپ کا سنِ ولادت ۹۲۳ھ ہے۔

آپ کو جمیع علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور آپ نے مذاہب اربعہ کی کتب پڑھی تھیں۔

آپ کے مشائخ میں سے علامہ ابو الحسن بکری اور ابن حجر ہیتمی، اور شیخ محمد حطاب ہیں۔ نیز مکہ مکرمہ، حضرموت اور زبید کے بکثرت دیگر علماء بھی ہیں۔

---

[1] النور السافر نزھۃ الخواطر اردو ص۲۲۴ عربی ص۲۸۳ ص۲۸۴۔

کہتے ہیں کہ تقریباً نوے سے زائد مشائخ سے انہوں نے علم حاصل کیا۔ آپ کو یہ کتابیں حفظ تھیں۔ اربعین نووی، عقائد نسفیہ، حنابلہ کے فقہ میں مقنع، اصول فقہ میں جمع الجوامع، نحو میں الفیہ ابن مالک، معانی و بیان میں تلخیص المفتاح، قرأت میں شاطبیہ اور سیر میں نور العیون جو ابن سید الناس یعمری کی ہے نیز قرآن کریم کے آپ حافظ تھے۔ اور تجوید کی ساتوں قرأتوں میں پڑھتے تھے۔ آپ کو نظم اور نثر پر بھی عبور حاصل تھا۔ اور متعدد مفید رسائل اور تالیفات آپنے تالیف فرمائیں۔ ایک آیت الکرسی پر تالیف کی دوسری شرح مختصر الانوار، جس کا نام نور الابصار ہے جو فقہ شافعی میں ہے۔ اسی طرح لغت میں ایک رسالہ ہے نیز ایک عظیم کتاب تصنیف کی اور سلاطین میں سے کسی کے نام سے اس کا نام رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں آپ کو بڑی قبولیت عطا فرمائی تھی اس کے باوجود اختلاط اور میل جول سے آپ بہت دور رہتے۔ فرمایا کرتے تھے۔

اَلْاُنْسُ بِاللّٰہِ نورٌ سَاطِعٌ وَالْاُنْسُ بِالنَّاسِ سَمٌّ قَاطِعٌ

ایک مرتبہ بعض وزراء کی مجلس میں استفہام انکاری پر گفتگو ہو رہی تھی تو کسی نے ان کی طرف خطاب کرتے ہوئے "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" یہ آیت پڑھی، تو انہوں نے برجستہ انکی طرف مخاطب ہو کر "اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ" پڑھی۔

آپ مہمانوں پر بہت زیادہ خرچ کرتے اسی لئے کوئی چیز آپ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔ ہمیشہ قرضدار رہتے۔

آپ پر تواضع کا اس قدر غلبہ تھا کہ بعضے لوگ اس کو چاپلوسی سمجھتے۔ ہندوستان آپ پہنچے اور ایک طویل مدّت یہاں مقیم رہے۔ پھر اپنے وطن مکہ مکرمہ ۹۵۷ھ میں لوٹ گئے۔ اسی سال آپ نے حج کیا پھر مدینہ منوّرہ پہنچکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی پھر آئندہ سال دوسرا حج کیا۔ اس کے بعد ہندوستان ۹۶۰ھ بمطابق ۱۵۵۲ء میں واپس لوٹے اور وفات تک یہیں مقیم رہے۔

علامہ ابو السعادات کی شان میں شیخ عبداللطیف اُبیر نے ایک قصیدہ کہا جس کا یہ شعر ہے۔

یا علامۃ الدنیا ویا عالم غدا ۔۔۔ یقصّر عن غایاتہ فی العلی البدرُ

تباھت بہ کجرات لما ثوی بہا ۔۔۔ فان فخرت یوما یحق لہا الفخر [1]

۹۹۲ھ ۱۲ رجادی الاولیٰ بروز جمعہ علامہ ابو السعادات فاکہی نے انتقال فرمایا

شیخ احمد بن بدرالدین

م ۴ ررمضان المبارک ۹۹۲ھ

شیخ عالم محدث احمد بن بدرالدین لقب شہاب الدین۔ علم وفضل میں نامور صلاح وتقویٰ میں مشہور تھے شیخ عبدالقادر نے آپ کا تذکرہ "النور السافر" میں اس طرح کیا ہے کہ۔

آپ کا سال ولادت ۹۰۲ھ اور مولد مصر ہے۔ اور وہیں کے اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔ منجملہ ان اساتذہ کے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری۔ شیخ

---

[1] النور السافر ص ۳۶۳-۵۔

علامہ برہان الدین بن ابو شریف ۔ شیخ کمال الدین ، شیخ زین الدین الغزی، شیخ نور الدین ملتجی ہیں ۔

شیخ الاسلام ابو العباس طنبداوی بکری سے زبید میں ۹۲۶ھ میں ملاقات ہوئی اور ان سے استفادہ کیا ۔

آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والد محترم اپنے زمانہ قیام شام میں صاحب فراش ہوگئے تو انہوں نے بواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صحت کے لئے دعا کی ۔ خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے کندھے پر تھپکی دے کر فرمایا ۔ اے ابو احمد کھڑے ہو جاؤ تو وہ صحت یاب ہو گئے ۔ ان کے فرزند متولد ہوا اس کا نام احمد رکھا گیا تب ان کی کنیت ابو احمد قرار پائی ۔

آپ کی کئی تصانیف ہیں ۔

۱ ۔ شرح المنہاج للنووی (در فقہ)
۲ ۔ شاطبیہ (قرأت)
۳ ۔ العمدۃ للمقدسی (الحدیث)
۴ ۔ الاربعین

آپ تقویٰ میں فائق تھے ۔ اور قلیل الاختلاط تھے ۔ شب جمعہ ۴ رمضان المبارک ۹۹۲ھ کو احمد آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے۔[1]

النور السافر میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین احمد بن شیخ بدر الدین عباسی مصری شافعی ۔ آپ کی ولادت مصر میں ہوئی تاریخ ولادت ۹۰۳ھ ہے ۔ آپ نے ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۴ء ۴ صفر شب جمعہ میں احمد آباد میں وفات پائی ۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر نوّے سال تھی اور عرب کے قبرستان

---

[1] النور السافر، نزھۃ الخواطر اردو ج ۵ ص ۳ ، عربی ج ۴ ص ۱۹ .

میں احمد آباد میں آپ کو دفن کیا گیا۔ جہاں آپ کے قریب آپ کے شاگرد اور آپکے ساتھی شیخ محمد بن عبدالرحیم عمودی کی بھی قبر بنائی گئی ہے۔

دونوں کے درمیان کافی اتحاد اور بڑی محبت تھی گویا کہ یک جان دو قالب میں، آپ علماء عاملین اور اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین میں سے تھے۔ آپ نے جن شیوخ سے علم حاصل کیا وہ یہ ہیں۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ برہان الدین بن ابی شریف، امام نورالدین محلی، شیخ کمال الدین طویل، شیخ زین الدین غزی، اور شیخ نورالدین ہلیجی ہیں۔

شیخ الاسلام ابوالعباس طبنداوی بکری سے بھی ۹۳۶ھ میں زبید میں علم حاصل کیا۔ فقہ میں آپ کو نووی رح کی کتاب؛ منہاج، قرأت میں؛ شاطبیہ، حدیث میں مقدسی کی؛ عمدہ، اور نووی رح کی؛ اربعین حدیث، اور نحو میں؛ اجرومیہ، اور؛ مختصر ابی الشجاع، ازبر اور حفظ تھیں۔ تمام ہی علوم میں آپکو دسترس حاصل تھی مگر علم الحرف، علم الفلک اور علم المیقات میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ بڑے متورع، لوگوں سے بہت کم اختلاط اور میل جول رکھنے والے کتاب وسنت پر عامل اور سلفِ صالحین کے طریقے پر عامل تھے۔

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد کے متعلق قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے والد شام جاکر شدید بیمار ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کندھے پر دست مبارک مار کر ارشاد فرمارہے ہیں۔ ؛قُم یا أبا احمد، حالانکہ اس وقت احمد نامی ان کی کوئی اولاد نہ تھی تو جب آنکھ کھلی تو بالکلیہ مرض جاتا رہا، اٹھ کھڑے ہوئے۔ مصر سے جب چلے تھے تو آپ کی بیوی حاملہ تھی چند روز کے بعد خبر پہنچی کہ؛ آپ کے ہاں اللہ نے لڑکا

دیا،، اس کا نام آپ نے احمد رکھا صحیح بخاری کے اساتذہ وطلبہ میں جو اشعار معروف ہیں۔

كَانَ الْبُخَارِي حَافِظًا وَمُحَدِّثًا جَمَعَ الصَّحِيحَ مُكَمَّلَ التَّحْرِيرِ
مِيلَادُهُ صِدْقٌ وَمُدَّةُ عُمْرِهِ فِيهَا حَمِيدٌ وَانْقَضَى نُورٌ

یہ شیخ شہاب الدین احمد کے شعر ہیں وفات سے پہلے آپ نے اپنے کسی تلمیذ سے لکھوایا۔

وامنح صَدِيقَكَ مااستطعت صَدَاقَةً وادفع عَدُوَّكَ بِالَّتِي فَاذَا الَّذِي

انہوں نے تلمیذ سے یہ بھی املا کروایا کہ میں نے علامہ عبداللہ اباکثیر سے مکہ مکرمہ ۹۲۳ھ میں یہ سنا۔ وہ بیان کرر ہے تھے کہ ایک شخص علماء مصر میں سے مکہ مکرمہ آئے پرانے زمانے میں اور وہاں رہنے لگے۔ ایک دن حرم میں کرسی پر بیٹھے تاکہ لوگوں کو نصیحت کریں تو حمد وصلوٰۃ کے بعد سب سے پہلے جو انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی وہ یہ تھی؛ انہوں نے کہا مجھے بچپنے میں تہذیب سکھاتے ہوئے میرے والد نے یہ شعر پڑھا تھا۔

إِذَا شِئْتَ أَنْ تَحْيَا سَلِيمًا مِنَ الْأَذَى وَذَنْبُكَ مَغْفُورٌ وَعِرْضُكَ صَيِّنٌ
فَلَا يَنْطِقَنْ مِنْكَ اللِّسَانُ بِسَوْءَةٍ فَلِلنَّاسِ سَوْآتٌ وَلِلنَّاسِ أَلْسُنُ

نیز آپ نے شاگرد سے یہ بھی املا کروایا شیخ عبداللہ اباکثیر سے نقل کرتے ہوئے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اعرابی آیا۔ اور عرض کیا: أَفِي قُرْآنِكَ مِثْلُ هٰذَا،، ؟ کیا آپ کے قرآن میں اس کے مانند ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا ؟ تو اعرابی نے چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فَإِنْ جَهَرُوا بِالْقَوْلِ فَاعْفُ تَكَرُّمًا وَإِنْ سَتَرُوا عَنْكَ الْمَقَالَةَ لَمْ تَسَلِ

فرماتے ہیں اسی پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تھی، وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

نیز شیخ عبداللہ سے نقل کرتے ہوئے یہ اشعار بھی انہوں نے لکھوائے۔

مَنْ لَّمْ یَبْکُوْہُ نَاصِحُوْہُ　　یَضْحَکُ مِنْ حَالِہٖ عِدَاہُ
اَدَّبَہُ الْاَیَّامُ وَاللَّیَالِیْ　　مَنْ لَّمْ یُؤَدِّبْہُ وَالِدَاہُ

میاں خان چشتی

م ۵ رجمادی الاولیٰ ۹۹۵ھ مطابق ۱۲ر اپریل ۱۵۸۷ء

حضرت میاں خان چشتی، ملتانپور کے نزدیک دریائے سابرمتی کے کنارے پر حجرہ بناکر وہاں مقیم تھے۔ اسی جگہ آپ کی قبر بھی بنائی گئی۔ قریب میں ایک بڑی مسجد ہے۔ جو ملک مقصود کی تعمیر کردہ ہے۔ آپ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

میاں خان چشتی شیخ نظام الدین نارنولی کے مرید تھے اور آپ خواجہ خاتون علی تاج ناگوری چشتی کے، وہ خواجہ اسمٰعیل بن خواجہ حسن سرمست فاروقی چشتی کے، اور وہ خواجہ حسن سرمست ابن خواجہ سالار کے؛ اور وہ خواجہ اختیار الدین

[1] الانوار السافرہ ص ۲۶۲ تا ۲۶۴۔

عم کے، اور وہ خواجہ محمد صابی کے، اور وہ خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی رح کے مرید تھے۔ آپ کے یہاں کا قاعدہ یہ تھا کہ آپ کسی سے زیادہ ملتے جلتے نہیں تھے۔ خلوت میں رہتے۔ اگر کوئی شخص ملاقات کے لئے آتا تو حجرے کے اندر سے آواز دیتے کہ کون ہو؟ جب وہ اپنا نام بتاتا پوچھتے کہ کبھی ملاقات کیلئے آئے ہو۔ اگر وہ کہتا کہ میں پہلے کبھی نہیں آیا تو حجرے کا دروازہ کھول دیتے تھوڑی دیر ملاقات کرکے اس کو رخصت فرما دیتے۔ اور اگر وہ کہتا کہ ایک بار یا اس سے پہلے ملاقات کرچکا ہوں تو جواب دیتے کہ فقیر وہی ہے جس کو آپ دیکھ چکے ہیں۔ دوبارہ دیکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ ایک مرتبہ شیخ محمد چشتی بن شیخ حسن محمد اپنے والد سے اجازت لے کر میاں خان کی ملاقات کو چلے۔ حجرہ کی زنجیر کھٹکھٹائی حسب عادت آپ نے پوچھا کہ کون ہو؟ شیخ محمد نے پرجوش آواز میں فرمایا ابھی تک کس کس میں پڑے ہو۔ میاں خان تھوڑی دیر سوچ میں رہے۔ اس کے بعد ٹھنڈا سانس بھر کر کہا کہ آجاؤ۔ معلوم ہوا کہ شیخ حسن محمد کے صاحبزادے آئے ہوئے ہیں۔ حجرہ کا دروازہ کھولا اور ان سے گفتگو فرمائی تو اہل دل اور ہم جنسوں کیلئے استثنار ہے وہ عوامی قاعدہ ان کے لئے نہیں تھا۔ ۵ رجمادی الاولیٰ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ [1]

ملک چاندوالد میاں جمو جی

آپ کی زاد بوم احمد آباد ہے۔ آپ کا جسم شریعت کا مظہر اور دل طریقت کا منبع تھا۔ آپ نے اپنے وطن سے حجاز کی طرف سفر اختیار فرمایا اور مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی جس رات آپ نے عالم جاودانی کو کوچ فرمایا اسی رات احمد آباد میں ایک اور

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۸۴۔

شخص کا بھی انتقال ہوا۔ جو ظلم اور تکلیف دینے میں بدنام تھا۔ چند روز بعد شہر کے بزرگوں میں سے کسی نے اس ظالم شخص کو خواب میں دیکھا کہ وہ توبخشے ہوئے لوگوں کی طرح خوشحال ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھ یہ معاملہ کیسے کیا گیا۔ اس نے کہا جس رات میری موت کا پیام آیا اس رات کو ملک چاند کا بھی سفرِ آخرت تھا۔ اس رات فرشتوں کو حکم ملا کہ آج کی رات جس کو بھی واپسیں سفر پیش آئے چاہے وہ نیک ہو یا خطا کار اس کے نامہ اعمال پر بخشش کے قلم سے خط کھینچ دو۔ اس تاریخ کے مرنے والوں کو اس بہتر نجات کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ [1]

شیخ جمال محمد جموجی پور ملک چاند

متوفی ۹۹۷ھ بمطابق ۱۵۸۹ء

آپکا نام جمال محمد اور زادبوم احمدآباد گجرات ہے۔ آپ کا مزار عادل پور برہانپور میں دریا خاں رومی کے باغیچہ کے اندر ہے جو آپ کے با اعتقاد مریدوں میں سے تھے۔

آفتاب طلوع ہونے سے عشاء تک مدتوں تفسیر اور حدیث کا درس دینے کا شغل رکھا اور ایسا نہیں کہ فیض کا دروازہ دشمن کے واسطے بند کر کے صرف دوست کے واسطے کھولا ہو۔ تعلیم دینے میں کبھی آشنا کو بیگانہ پر ترجیح نہ دی۔ ۹۹۷ھ میں سفر حجاز کے واسطے روانہ ہوئے۔ شیخ محمود عبداللہ، شیخ عبدالقادر اور دوہ ملک پیر محمد حسن جنہوں نے اولیاء اللہ کے حالات کا تذکرہ لکھا ہے یہ تینوں اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔

شیخ طاہر یوسف نے جب سنا کہ غوث الثقلین شیخ محی الدین جیلانی کا پیراہن شیخ جموجی کے پاس ہے۔ تو شیخ طاہر آپ کے پاس گئے مسیح الزماں اور دیگر چند مشائخ

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۴۳۔

وقت بھی ہمراہ بھٹے قمیص کی دامن بوسی سب کو نصیب ہوئی۔

آپ نے ۹۹۸ھ بمطابق ۱۵۸۹ء میں برہانپور میں انتقال فرمایا، اور دریا خان رومی کے باغیچہ میں مدفون ہوئے۔ [1]

شیخ جمال الدین محمد بن علی جشیری

متوفی ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۰۰ھ بمطابق ۳۱ جنوری ۱۵۹۲ء

شیخ جمال الدین محمد بن علی جشیری کا احمد آباد میں ۱۰۰۰ھ بمطابق ۱۵۹۲ء میں ۱۷ ربیع الثانی کو انتقال ہوا ہے، مشہور مشائخ میں سے تھے۔ اور آپ کی بڑی شہرت تھی۔ آپ کے متعلق بڑی کرامات مشہور رہیں۔ بنو جشیر یہ اہلِ ولایت اور اہل صلاح کا شروع ہی سے خاندان چلا آرہا ہے، آپ کا نسب بنی ذھل بن عامر سے ملتا ہے جو عک بن عدنان کا بطن ہے۔ اور انکا خرقہ اور تصوف کا سلسلہ ابی الغیث بن جمیل یمنی تک پہنچتا ہے۔ ان میں سے ایک جماعت کا شرجی نے طبقات میں ذکر کیا ہے جن میں سے بطور خاص علی بن احمد جشیر جو مشائخ کبار میں سے ہیں جن کا ۸۲۲ھ میں انتقال ہوا ہے۔ اسی طرح ان میں سے محمد بن عمر بن احمد بن جشیر ہیں۔ جو بڑے فقیہ عالم اور عارف کامل تھے۔ ان کی بھی بڑی کرامات مشہور رہیں جشیر خاندان کے تصوف کے بڑے ابو الغیث بن جمیل یمنی کا انتقال ۶۵۱ھ میں ہوا ہے۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۴۳۸، صفحہ ۴۳۹۔ نزھۃ الخواطر صفحہ ۷۹، ۱۳۹ ج ۴۔

[2] النور السافر صفحہ ۴۱۲۔

شیخ طٰہٰ چشتی

م سنہ ۱۰۰۰ھ مطابق سنہ ۱۵۹۱ء

آپ حضرت سلیم چشتی کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ جب سلیم چشتی سفر حج پر روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حج سے واپسی پر گجرات پہنچے تو شیخ سلیم چشتی نے احمدآباد میں مقرر کر دیا۔ شیخ محمد شیروان اور بعض دوسرے عزیزوں کو بھی آپکے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ شیخ طٰہٰ نے عرض کیا کہ حضور اس علاقے میں بڑے بڑے اولیاء اللہ ہیں جنکی شہرت پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے میں یہاں رہ کر کیسے کام کرسکوں گا۔

آپ نے فرمایا یہ تمام لوگ تمہارے تابع اور فرمانبردار بن جائیں گے شیخ طٰہٰ احمدآباد میں قیام پذیر ہوئے۔ وہاں کے بزرگوں نے آپ کا باطنی امتحان لیا پھر آپ کے تابعدار بن کر روحانی فائدہ حاصل کرنے لگے۔

معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ ! اکبر کے زمانے میں مظفر ہوائی گجرات کا سلطنت دار بنا دیا مظفر شیخ طٰہٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے ہاتھ سے میری کمر پر تلوار باندھ دیں تاکہ اس کی برکت سے ہندوستان کی سلطنت میرے زیر نگیں رہے۔

حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ہندوستان کی سلطنت کو اللہ تعالیٰ نے اکبر بادشاہ کے سپرد کر دیا ہے میں کون ہوتا ہوں کہ اس میں تبدیلی کی کوشش کروں۔ یہ بات سنتے ہی مظفر غصے سے بھڑک اٹھا اور کہنے لگا کہ اکبر کے لشکر سے لڑنے کی بجائے میری تلوار تمہارے خون سے تر ہوگی۔ شیخ نے فرمایا کہ میرا اور تیرے درمیان ایک ہفتہ کی مہلت ہونی چاہئے۔ اسکے بعد جو مرضی ہو کرنا۔ ابھی ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ اکبر کی فوجیں

گجرات آپہونچیں اور گجرات پر قبضہ کر کے مظفر کو وہاں سے نکال دیا۔

شیخ طٰہٰ کی وفات ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ [۱]

چوں طٰہٰ بلطفِ خدا و نبی
ازیں دیر دون شد بجنت رواں
شود وصال ز رحیل آں شاہ دیں
ز مہزوم مرحوم طٰہٰ عیاں
۱۰۰۰ھ

ملک محمود بن پیارو

م ۱۰۰۰ھ مطابق ۱۵۹۱ء

شیخ فاضل محمود بن پیارو حنفی مشہور بہ ملک محمود۔ یکے از فضلائے مشہورین در گجرات۔ ان کے والد ملک پیارو برہانپور میں وزیر تھے۔ وہ جب قتل ہو گئے تو ملک محمود برہانپور سے گجرات آ گئے۔ انہوں نے طریقت و راہ سلوک طے کرنے کے لئے سید عرب شاہ حسینی بخاری کا دامن پکڑا۔ پھر حرمین شریفین کا سفر فرمایا اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر واپسی میں آگرہ میں قیام فرما ہوئے۔ یہ دور سلطان اکبر تیموری کا تھا۔ جس نے آپ کی بڑی قدر کی۔ اپنا جلیس مقرر کر لیا۔

کچھ عرصہ بعد شیخ معین الدین اجمیری کے مقبرہ کی تولیت سپرد کر دی۔ پھر کچھ مدت کے بعد ۹۸۵ھ میں آپ گجرات تشریف لے گئے۔ اگرچہ سلطان کو آپ کا اجمیر سے جانا ناگوار تھا مگر جب اس نے ملک محمود کے رجحانِ قلب کا اندازہ کر لیا تو انکی علیحدگی منظور کر لی۔

آپ فقہ و حدیث میں ماہر تھے اور شعر گوئی میں ملکہ تامہ حاصل تھا۔ شیریں سخن تھے۔ اخلاق کریمانہ سے متصف تھے۔ مصفی نے اُن سے گجرات میں ملاقات کی اور

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۸۴۔

لکھا ہے کہ جب بھی ان کی خدمت میں باریاب ہوا انہیں جامع الصفات پایا ۔ ہر ایک کے نزدیک محترم و مقبول اور محبوب تھے

ملک محمود کو مخدوم جہانیاں بخاری کے جانشین مخدوم شاہ عالم بخاری سے ایسی عقیدت ہو گئی کہ انہوں نے بادشاہ سے اس درگاہ کی مجاورت کی درخواست کی جو بڑے پس و پیش اور رد و بدل کے بعد قبول کر لی گئی اور وہ احمد آباد جا کر اس آستانہ کے مجاور بن بیٹھے توکل و قناعت کا گوشہ اختیار کر لیا اور اسی مجاورت میں انتقال ہوا ۱۰۰۱ھ میں احمد آباد میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے ۔ [۱]

ملک القضاۃ صدر جہاں فیض اللہ بن زین العابدین

مصنف محمود شاہی

ملک القضاۃ صدر جہاں فیض اللہ بن زین العابدین بن حسام بنبانی / بنبانی محمود شاہ بیگڑہ، بادشاہ گجرات کے دربار میں تھے ۔ اور ۹۰۳ھ میں اس بادشاہ کی طرف سے دکن میں سفارت پر گئے تھے اور اسی سال انہوں نے کتاب مجمع النوادر لکھی اور ۹۰۷ھ میں طبقات ناصری کے تتبع میں طبقات محمود شاہی لکھی ۔ [۲]

شیخ محمد

مصنف مناہل الانظار و ادویہ مفردہ

محمد بن عبداللہ لاری نے سلطان محمود شاہ (۸۶۳ھ - ۹۱۷ھ) کے حکم سے "مناہل الانظار" اور "ادویہ مفردہ" دو کتابیں تالیف کیں ۔ [۳]

---

[۱] گلزار ابرار صفحہ ۳۹۶، نزھۃ الخواطر صفحہ ۳۵ جلد ۵۰۲، منتخب التواریخ صفحہ ۶۳۸ ۔ [۲] طبقات ناصری صفحہ ۳۹۶ جلد ۲
[۳] تاریخ ادبیات فارسی ادب صفحہ ۳۳۵ جلد ۱

مولانا عبدالکریم شیرازی

مؤلف طبقاتِ محمودیہ

شیخ علامہ عبدالکریم بن عطاء اللہ شیرازی ۔ آپ کا وطن شیراز ہے ۔ سلطان محمود شاہ کبیر کے عہد میں احمدآباد تشریف لائے اور احمدآباد میں شیراز کا سا ماحول پیدا کردیا ۔ علم تاریخ و رجال اور علوم حکمیہ میں ممتاز الاقران تھے ۔ آپ کے ایک صاحبزادے تھے ۔ جن کا نام عطاء اللہ تھا ۔ جو سلف کے متبع اور اپنے والد محترم کے پیرو تھے ۔

تصانیف طبقات محمودیہ ، جن میں حضرت آدمؑ کی تخلیق سے لے کر ۹۱۵ھ مطابق ۱۵۰۹ء تک کے واقعات کے ساتھ ہر دور کے اکابر علماء و شعراء اور ملوک و امراء کے حالات تحریر فرمائے ہیں ۔[1]

تاریخ ادبیات فارسی میں ہے کہ!

اس کتاب کے مصنف عبدالکریم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں ڈری کا خیال ہے کہ شاید یہ وہی مُلّا عبدالکریم ہمدانی ہوں جنہوں نے بہمنی خاندان کے مشہور وزیر محمود گاواں کے حالاتِ زندگی لکھے تھے ۔ اور جن کا خلاصہ فرشتہ نے محمد شاہ بہمنی کے حالات کے آخر میں دیا ہے ۔

بقول مؤلف والی ہرمز ، توران شاہ (۸۷۵ھ - ۸۷۶ھ) نے انہیں دو ایک سال تک ایک ہزار دینار کا وظیفہ دیا ۔

۸۷/۱۴۸۷-۸۹۲ھ میں یہ والی ہرمز کی طرف سے بادشاہ (غالباً شاہ گجرات) کے پاس ایک سفارت پر بھیجے گئے ۔ جہاں راستے میں ان کا جہاز تباہ ہوگیا تھا بعد میں

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۳۳ نزھۃ الخواطر اردو صفحہ ۳۲۲ ۔ عربی صفحہ ۲۰۱ جلد ۴ ، ۳۲۶ ۔

انہوں نے محمود شاہ بیگڑہ (۸۶۳ھ - ۹۱۷ھ) کے ایماء پر یہ کتاب لکھی ہو گی۔
طبقات محمود شاہیہ" کا نام طبقات اکبری اور "گلشن ابراہیمی" کے مؤلفین نے اپنے مآخذ
میں دیا ہے۔ یہ ایک عام تاریخ ہے جو ۹۰۵ھ - ۹۱۰ھ تک کے حالات و
واقعات پر مشتمل اور ایک فاتحہ اور نو طبقات میں منقسم ہے۔ فاتحہ میں حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے پہلے تیرہ سالوں کا ذکر ہے۔ ہر طبقے میں ایک صدی کے
حالات سال بسال مندرج ہیں۔ اور ہر طبقے کا آغاز ہجری سال سے ہوتا ہے۔ دسویں
صدی ہجری کے پہلے پانچ سالوں کے واقعات "خاتمہ" کے ذیل میں دیئے ہیں۔
نویں طبقے اور خاتمے میں جنوبی ہند بالخصوص گجرات کے واقعات کے بارے میں
بہت سا مواد ملتا ہے۔

ضمیمہ مآثر محمود شاہی

مآثر محمود شاہی کے نام سے دو کتابیں لکھی گئیں۔
ایک عبدالخالق معروف بہ "سر برہنہ" نے لکھی۔
جو بقول مؤلف "طبقات محمود شاہی" ۸۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ اور ایک
"مآثر محمود شاہی" (گجرات کی تاریخ) جو بقول ریو "تاریخ محمود شاہی" بھی کہلاتی
ہے عبدالکریم نے لکھی ہے۔

بعضوں کا خیال ہے کہ ممکن ہے یہ اول الذکر کا ضمیمہ ہو یا پھر اسی نام کی ایک اور
کتاب کا ضمیمہ جو محمود شاہ بیگڑہ کے حکم پر لکھی گئی۔ جس کے دیباچے میں مؤلف نے نہ اپنا نام دیا
ہے اور نہ کتاب کا۔

ضمیمہ مرصع زبان میں لکھی ہوئی سلطان محمود شاہ بیگڑہ کے دور کی تاریخ ہے جو سلطانؒ
کے حکم پر لکھی گئی۔ اس کا آغاز (۸۹۲ - ۸۹۷ھ) سے ہوتا ہے۔ جب سلطان مذکور
نے بہادر گیلانی کے خلاف لشکر کشی کی اور اختتام اعظم ہمایوں کے ہاتھوں قلعہ آسیر کی
فتح (۹۱۶/۱۵۱۱ء) پر ہوا ہے۔ سلہ (سلہ تاریخ ادبیات فارسی ادب صفحہ ۲۹۹)

قاضی عبداللہ بن قاضی ابراہیم

آپ اکابر علماء اور اتقیاء میں سے تھے، آپ نے علم وفضل مخدوم عبدالعزیز ابہری ہروی سے حاصل کیا۔ آپکی طبیعت نہایت درجہ تیز تھی، اور ورع وتقویٰ میں کامل تھے۔ ابتدار میں آپ اپنے وطن دربیلہ میں مقیم رہے۔ جب شاہ بیگ نے سندھ کو فتح کیا تو ان دنوں آپ نے باغبان اور راوت میں بھی کچھ عرصہ سکونت اختیار کی اور ۹۲۴ھ میں سندھ سے ہندوستان پہنچے اور وہاں سے مدینہ طیبہ جاکر مقیم ہوگئے اور وہیں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ کے خلفاء میں سے شیخ صالح، شیخ رحمت اللہ اور شیخ حمید تھے۔

شیخ رحمۃ اللہ:۔ آپ اپنے زمانے کے یکتا تھے۔ آپ نے مناسک حج میں تین رسالے تحریر فرمائے جن پر مناسک میں لوگوں کا معمول رہا ہے۔ آپ حرمین کی مقدس سرزمین میں مدفون ہیں۔

شیخ حمید:۔ آپ فضائل وکمال سے آراستہ وپیراستہ تھے علوم نقلیہ وعقلیہ میں کامل مہارت رکھتے تھے اور حدیث وتفسیر میں بھی خصوصاً آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

جس وقت مظفر بن سلطان محمود گجراتی اکبر کے امراء میں سے ایک امیر شہاب خان پر غالب آگیا اور احمد آباد پر قبضہ کرلیا۔ خانخاناں امراء کی ایک جمعیت لے کر مقابلے کیلئے پہنچے۔ اور سلطان مظفر کو شکست دی اور متعدد علماء کو کام پر لگایا جن میں سے تاریخ معصومی کے مصنف بھی تھے۔ مصنف تاریخ معصومی نے مشکوٰۃ اول سے اخیر تک اور دوسری کچھ کتابیں اس وقت گجرات میں رہ کر شیخ حمید سے پڑھیں

اور حدیث کی اجازت حاصل کی ۔ شیخ حمید خان اعظم کھوکہ کی رقابت میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ پہنچکر مقیم ہو گئے ۔ اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور علمارِ مکہ میں علمارِ حدیث میں سے بلکہ ان کے مقتدار علمار میں سے بن گئے ۔ [۱]

مولانا مجذوب شاہ منصور

۹۳۴ھ میں سلطان چانپانیر سے جب دکن کی طرف عماد الملک کی مدد کے لیے چلے ہیں تو برہانپور کے رستہ پر مولانا مجذوب شاہ منصور رہتے تو اسکیر حاکم محمد خان ان سے ملنے کیلئے پہنچے اور ان سے کسی بشارت کی توقع کی کہ جنگ کے متعلق کچھ خوشخبری عنایت ہو ۔ ان کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کو انہوں نے توڑا اور ایک جانب میں پھینک دیا تو اس کے ٹکڑے جو الگ الگ ہو چکے تھے وہ اڑنے لگے ۔ [۲]

قاضی عبداللہ سندھی

شیخ عالم فقیہ قاضی عبداللہ ابن ابراہیم عمری سندھی مہاجر مدنی مولد دربیلہ صوبہ سندھ ۔ تحصیل درسیات شیخ عبدالعزیز ابہری شارح مشکوٰۃ سے کی اور خود مدت تک تدریس فرمائی ۔ جب سلطان شاہی بیگ قندھاری سندھ پر قابض ہوا تو آپ حرمین کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے ۔

۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۰ء میں گجرات پہنچے جہاں شیخ علی متقی برہانپوری سے ملاقات ہوئی جن کی شہرت چار دانگ گجرات میں تھی حتی کہ بہادر شاہ بھی ان کا معتقد

---

[۱] حبرۃ سیوم صفحہ ۲۰۲ [۲] ظفر الوالہ صفحہ ۱۵ ج ۱

تھا، اور چاہتا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو لیکن شیخ متقی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بہرحال کچھ مدت احمد آباد میں شیخ علی متقی کی خدمت میں رہکر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور تھوڑی مدت میں وہیں انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ معصومی سے ان مقتدر مشاہیر علماء کے ترکِ وطن کرنے کی شہادت ملتی ہے اولاً ۹۲۷ھ میں قلعہ بھکر سے سادات کو بیدخل کیا گیا اس کے بعد قاضی عبداللہ بن ابراہیم ۹۳۴ھ میں گجرات چلے گئے اور وہاں سے حجازِ مقدس جا پہنچے اور وہیں وفات ہوئی۔

مولانا شیخ کمال مالوی

سلطان محمد شاہ کے زمانے میں گجرات میں شیخ کمال مالوی تشریف لائے انکے ذمہ کچھ قرض تھا جسکی ادائیگی کی قدرت کا مطالبہ کیا گیا لیکن ان میں ادائیگی قدرت نہیں تھی۔ آپ نے اس کے بارے میں خلجی کو لکھا خلجی نے اس کو قبول کر لیا۔ ساتھ ہی خلجی نے درخواست کی کہ گجرات مجھے دیدیا جائے۔ آپ نے قبول کر لیا۔ جب خلجی اور سلطان قطب الدین باہم مقابل ہوئے تو شیخ قطب عالم نے اپنے صاحبزادے مولانا منجھن شاہ عالم کو شیخ کے پاس بھیجا کہ سلطان قطب الدین کے لئے دعا کریں اور ان کے لئے مدد کا ان سے سوال کریں تو شیخ کمال مالوی نے جواب دیا کہ ایسا ایسا ہوا ہے۔ اور اب اَلْحُرُّ حُرٌّ مَا وَعَدَ، شریف آدمی وعدہ کو پورا کرتا ہے۔ شاہ عالم نے عرض کیا کہ اگر اس کا سبب قرض ہی ہے تو میرے والد اس کے کفیل ہیں کہ وہ ادا کر دیا جائیگا تو شیخ کمال مالوی نے جواب دیا کہ یہ تقدیری امر ہے۔ جو ہوچکا وہ لکھا جاچکا۔ اس پر مہر لگ چکی۔ میں اب وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔ اور شیخ نے اپنی جیب سے ایک مہر شدہ خط دکھایا پھر شاہ عالم کو دو تیر دیئے تاکہ ان دونوں تیروں

کو پھینکے۔ شاہ عالم دونوں کو لے کر اپنے والد کے پاس لوٹے وہ مسکرائے اور فرمایا کہ وہ راضی نہیں ہوئے۔ پھر خود قطب عالم نے خون ریزی کو روکنے کے لئے تیر کے نوک دار حصے کو دور کر کے صرف لکڑی والا حصہ دونوں تیروں کا سلطان کے پاس بھیجا اور اس کے بعد سلطان قطب الدین کو فتح ہوئی۔ بعضوں نے یہ قصہ مولانا شیخ کمال مالوی جن کا مزار علیم پور میں ہے۔ جو دارالسلطنت احمدآباد میں مسجد خداوند خان کے برابر میں ہے اس مسجد کا نام مسجد ملک عِلم ہے۔ انکی طرف یہ قصہ منسوب کیا ہے۔ پھر وہ قصہ ذکر کیا ہے جو مرأۃ احمدی میں ہے۔ سلہ

مرأۃ احمدی میں ہے کہ! شیخ کمال مالوی کا مزار خداوند خاں کی مسجد کے پشت میں علیم پور میں واقع ہے۔

مرأۃ سکندری میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ شیخ کمال باکمال بزرگوں میں سے تھے چونکہ سلطان محمود خلجی مالوہ کے حاکم کو بزرگوں کے ساتھ بہت زیادہ اعتقاد تھا جہاں بھی وہ کسی درویش کامل اور صاحب تصرف بزرگ کے متعلق سنتے چاہے دور ہوں چاہے نزدیک ہوں تو ان کے لئے تحفے اور ہدایا بڑے اخلاص اور نیازمندی کے ساتھ بھیجتے اور ان کے ساتھ محبت اور تعلق استوار کرتے۔ شیخ کمال کے ساتھ بھی آپ کو پہلے سے تعارف اور تعلق تھا چنانچہ نقد وجنس آپ کی خدمت میں بھیجنے لگے اور استدعا کی کہ اگر بادشاہ کی درگاہ سے علی الاطلاق ملکِ گجرات میرے نام پر مقرر ہو جائے تو خدام اور خانقاہ کے مصارف حضرت شیخ احمد کھٹو کا وظیفہ جو تین کروڑ گجراتی تنکے ہیں وہ میں مقرر کر دونگا۔ اور پانچسو تنکے سونا ارسال کیا سلطان محمد شاہ بن احمد شاہ کو کسی خود غرض نے خبر پہونچا دی کہ شیخ کمال باوجودیکہ درویشی کا دعویٰ کرتے ہیں اور دنیا سے تجرد کے مدعی ہیں وہ زر و جواہر کو اس

سلہ ظفر الوالہ صفحہ ۱۱-۶/۱

قدر دوست رکھتے ہیں کہ قرآن پاک کا غلاف بھی سونے کا ہے۔ جو سلطان محمود خلجی نے بھیجا ہے جب تفتیش کی گئی تو یہ سچ نکلا اور یہ سونا سلطان محمد نے قبضہ میں کر لیا جس کی وجہ سے سلطان کی طرف سے شیخ کمال بہت زیادہ رنجیدہ ہو گئے اور رات دن اللہ جلّ و اعلیٰ کی بارگاہ میں سلطان محمد کی معزولی اور سلطان محمود کے تخت نشین ہونے کیلئے دعا کرتے رہے اور سلطان محمود کو لکھ کر بھیجا کہ گجرات کی طرف متوجہ ہو جائیں سلطان محمود اسّی ہزار فوج لے کر گجرات پر قبضہ کے ارادے سے چلے ادھر امراء نے سلطان محمد کو احمدآباد کی سلطنت سے معزول کر کے سلطان قطب الدین ان کے صاحبزادے کو سلطنت کی گدّی پر بٹھایا تھا۔ جب خبر پہنچی کہ سلطان محمود تسخیر گجرات کے ارادے سے بہت بڑے لشکر کو لے کر پہنچ رہا ہے۔ سلطان قطب الدین نے حضرت قطب الاقطاب قطب عالم سے توسل کیا اور مریدانہ ان کے یہاں جا کر عرض کی کہ اس سلسلہ کی سلطنت اور ہمارے خاندان کی سلطنت آپ بزرگوں کا عطیہ ہے اور سلطان محمود اس طرف کو آ رہا ہے میں اس کی امید کرتا ہوں کہ اس کا شر آسان طریقہ سے ٹل جائے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ تم اطمینان رکھو حق تعالیٰ قادر مطلق ہیں۔ البتہ اس فتنہ کا باعث بھی بعض بزرگوں کی رنجش خاطر ہے۔ جو نا عاقبت اندیشی سے پیدا ہوئی۔ اور نا عاقبت اندیشی آپ کے پدر بزرگوار کی طرف سے سرزد ہوئی تھی۔ اس کا علاج بھی کر لیا جائے گا یہ فرمایا اور سوچا کسی شخص کو شیخ کمال کے پاس عذر و معذرت کے لئے بھیجوں کہ تقصیرات آپ معاف فرما دیں۔ قطب الاقطاب نے اس کے لئے صاحبزادے شاہ منجھن کو یعنی شاہ عالم کو بطور خاص بھیجا کہ شیخ کو ہماری دعا پہنچاؤ اور ان سے معافی مانگو کہ باپ کی غلطی کا مواخذہ بیٹے سے کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ اور سلطان محمود کو لکھ دو کہ صلح مصالحت کے طریقہ کو اختیار کر کے واپس لوٹ جائے۔ والد ماجد

کے حکم کو لیکر جب شاہ عالم شیخ کے پاس پہنچے اور پیام پہنچایا، شیخ نے قبول نہیں کیا
شاہ عالم نے پھر واپس آکر والد ماجد سے قصہ بیان کیا قطب العالم نے دوبارہ آپ کو
بھیجا، یہاں تک کہ تین دفعہ نہایت نیازمندی سے شاہ عالم نے پیغام پہنچایا آخری مرتبہ
میں شیخ کمال نے سختی کے ساتھ گفتگو کرنی شروع کردی کہ سات سال کی مدت ہو چکی
ہے کہ میں قادرِ ذوالجلال کی بارگاہ سے استدعا اور دعا کر رہا ہوں کہ ملک گجرات
سلطان محمود کے نام مقرر ہو جائے اب وہ باپ جس نے ہم پر ظلم کیا اس کے لڑکے
کو گجرات کی سلطنت حوالے کردی جائے ؟ اور اس کو تسلیم کیا جائے ؟ اور سلطان
محمود جو فقراء اور درویشوں کا محب اور معتقد ہے اس کو مقصد کے حصول کے بغیر واپس
کر دیا جائے یہ نہیں ہو سکتا اس لئے آپ میاں برہان الدین کو ہماری دعا پہنچائیں
اور کہیں کہ تیر ترکش سے نکل چکا ہے اس کا واپس لوٹنا محال ہے۔ مگر حضرت شاہ
عالم نے تبسم فرماتے ہوئے اسی وقت جواب دیا۔

اولیا را ہست قدرت از الٰہ　　تیر رفتہ باز گردانند ز راہ !!

یہ سنکر شیخ غضبناک ہو گئے کہنے لگے کہ یہ بچوں کا کھیل
نہیں ہے لوحِ محفوظ پر نظر کرو، ملکِ گجرات سلطان محمود کے نام کر دیا گیا ہے۔
یہ فرماتے ہوئے ہاتھ اوپر کو اٹھایا اور غیب سے ایک کاغذ ہاتھ میں لے کر شاہ عالم
کو دیا کہ یہ فرمان حکومتِ گجرات کے متعلق کہ یہ حکومت محمود خلجی کے نام درست کردی
گئی ہے اس لئے اب اس باب میں مبالغہ کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا آپ واپس
چلے جائیں اور صورتِ واقعہ اپنے والد سے عرض کر دیجئے اس جواب کو سنکر
ہاشمی رگ جنبش میں آئی۔ وہیں پر اس کاغذ کو پارہ پارہ کرکے فرمایا
کہ یہ دیوانِ قضا کا نوشتہ اور لکھا ہوا قطب العالم کی اجازت کے بغیر منظور نہیں
ہوتا۔ اس وقت شیخ کو کام کا انجام پتہ چلا کہ تقدیر ایسی ہوتی ہے۔ شیخ اسی وقت
بے ہوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ سید زادہ نے جلدی کی اور یہ کہتے ہی جان بحق ہو گئے

یہ واقعہ ۸۵۰ھ میں پیش آیا جب یہ خبر قطب الاقطاب کو پہنچی تو فرمانے لگے کہ منجھلے نے جلدی کردی ابھی تحمل کرنا چاہیئے تھا۔ [1]

مولانا کمال مالوی سے سلاطینِ گجرات کی عقیدت

۹۱۹ھ میں سلطانِ گجرات بارہ ہزار سوار سو ہاتھیوں کو لے کر نکلے اور مولانا شیخ عبداللہ اور مولانا شیخ کمال مالوی کی قبر کی زیارت کے لئے پہونچے اور ظہر کی نماز دھار کی حوض پر جاکر پڑھی وہاں محل میں تھوڑی دیر اترے آرام کیا اور پھر سوار ہوئے اور جاکر ان دونوں اولیاء کی قبر پر حاضری دی اور وہاں صدقہ خیرات کیا۔

سیّد مبارکؒ بخاری

ابوالفتح احمد شاہ کے ۹۶۱ھ میں تختِ شاہی پر بیٹھنے کے بعد سید مبارک بخاری کو امیرالامراء بنایا گیا اور آپ کا لقب "المجلس الاشرف" رکھا گیا۔ اور تمام افغان آپکی تابعداری میں دیئے گئے جب ۹۶۱ھ میں حالات خراب ہوگئے اور ملکِ گجرات آپس میں تقسیم کرلیا گیا تو تقسیم اس طرح ہوئی کہ سلطان کے لئے صرف احمدآباد اور اس کے متصل حویلی وغیرہ کے علاقے اور دیہات تھے۔

اعتماد خاں کیلئے کڑی، چھالاوار، پٹیلاد، نڑیاد، بھیل، رادھنپور، سمی، مونجپورا سوراشٹر، تھے۔ اور اس وقت سے پٹن کھمبایت اور رستاسی کے نام سے جو اس علاقے کے دیہات مشہور تھے تمام کے تمام سید مبارک کو دیدیئے گئے اور اس کے متعلقہ علاقوں میں سے دھولکہ، دھندوقہ، کھوکھا، کپڑونج،

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی صـ۹۳

چانپانیر، سرنال، باراستول، یہ سب سید مبارک کے بطے ہوئے۔ [1]

سکندر بن محمد عرف منجھوبں اکبر

مصنف مرآۃ سکندری
ولادت سنہ ۹۶۱ھ

مصنف سکندر بن محمد عرف منجھوبں اکبر ۱۵۵۴ء/۹۶۱ھ کے لگ بھگ محمود آباد میں پیدا ہوئے۔ خان اعظم (مرزا عزیز کوکہ، گورنر پنجاب) کی ملازمت میں گجرات کے بادشاہ مظفر شاہ ثالث کے خلاف مہم (۱۵۹۱ء/۱۰۰۰ھ) میں شریک ہوئے۔

جہانگیر نے احمد آباد میں ان سے ملاقات کی۔ اور ان کا ذکر اپنی توزک میں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انہیں شاہی ملازمت میں آٹھ نو برس ہو چکے تھے۔ 'مرآۃ سکندری' ۱۶۱۱ء/۱۰۲۰ھ میں لکھی گئی۔ سلاطین گجرات یعنی مظفر شاہ اول سے مظفر شاہ ثالث کی وفات (۱۰۰۰ھ) تک کی تاریخ ہے۔ ان سے قبل گجرات کی جو تواریخ لکھی گئیں وہ مختصر تھیں۔

اس کتاب میں انہوں نے سلاطینِ گجرات کی خوبیوں کے ساتھ ان کی خامیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں سیاسی واقعات کے علاوہ تمدنی، معاشرتی اور عمرانی حالات بھی آ گئے ہیں۔

سیدی علی چلپی

ترکی امیر البحر سیدی علی نے اپنے سفرنامہ کے طور پر محیط اور مرآۃ الممالک کے نام سے دو کتابیں لکھی ہیں۔ محیط میں ان راستوں کا مفصل بیان ہے جو عرب جہاز

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ صفحہ ۳۹۹-۳۹۸۔

رانوں نے قرون وسطیٰ کے پچھلے دور میں اختیار کئے تھے قبل اس کے کہ اہل پرتگال ان کو معلوم کرتے محیط کے جن ابواب میں تفصیلی بیانات ہیں ان کا ترجمہ ڈاکٹر ایم بٹنر (DR. M. BITTNER) نے جرمن زبان میں کیا ہے۔

سیدی علی کی دوسری کتاب مرآۃ الممالک کا جرمن، فرانسیسی اور انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے۔ آپ سلطان سلیمان اول کے زمانہ میں تھے اور ان کی خدمات کا بیشتر حصہ اسی کی ملازمت میں گذرا۔ اس کے باپ کا نام حسین تھا۔ اس کا بیان ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد سے ان کے باپ اور دادا شاہی اسلحہ خانہ غلطہ کے مہتم تھے۔ انہوں نے خود بھی فن جہاز رانی کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔ یہ فتح رہوڈس (RHODES) کے موقعہ پر موجود تھے۔ اور ان تمام لڑائیوں میں شریک تھے جو بحر روم میں واقع ہوئیں۔ نیز خیرالدین پاشا کی تمام فتوحات میں اس کے ہمرکاب تھے انہوں نے ہیئت، فلسفہ اور فن جہاز رانی پر کتابیں لکھیں اور کاتب رومی کے نام سے مشہور ہوئے۔ سلطان ترکی نے سیدی علی چلپی کو مصر کا امیر البحر مقرر کرکے ترکی بحری بیڑے کو بصرہ سے واپس لیجانے پر مامور کیا۔

سیدی علی حلب سے موصل ہوتے ہوئے بغداد پہنچے اور وہاں سے کربلا کی زیارت کے لئے گئے۔ بغداد واپس آکر قطۃ الامارہ کو روانہ ہوئے۔ اور واسط سے گذر کر زکیہ گئے۔ وہاں سے بصرہ پہنچے۔ یکم شعبان ۹۶۱ھ کو بصرہ سے مصر کی طرف جہاز سے روانہ ہوئے اور راستہ میں مسقط کے قریب پرتگالی جہازوں سے مقابلہ ہوا۔ جس میں پندرہ میں سے صرف ۹ ترکی جہاز محفوظ رہ سکے۔ اس کے بعد یہ مختصر ترکی بیڑا ایک زبردست طوفان میں گرفتار ہوکر ھندوستان کے مغربی ساحل کی طرف بہہ نکلا۔ اس طوفان میں ان جہازوں کو بہت نقصان پہنچا خود سیدی علی کا جہاز بری طرح زخمی ہوگیا آخر بمشکل تمام یہ مجروح بیڑا سورت پہنچا جہاں عماد

الملک وزیر سلطان احمد نے اسے مدعو کیا تھا۔

جس زمانے میں سیدی علی گجرات پہنچے وہ اس ملک کے لئے نہایت انتشار اورابتری کا زمانہ تھا چند ہی روز قبل محمود ثانی قتل کیا جاچکا تھا۔ اوراس کی جگہ احمد خاں احمد شاہ ثانی کے لقب سے تخت پر بیٹھایا گیا تھا اور محض نام کا سلطان تھا۔ علی چلپی نے گجرات کے سیاسی حالات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں سلطان محمود کے قتل اور ناصر الملک خداوند خاں اور عادل خاں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس وقت کی سیاسی فضا میں نمایاں حصہ لیا تھا یہ دیکھ کر کہ بحری راستہ سے مصر پہنچنا ناممکن ہے۔ سیدی علی نے بری راستہ سے سندھ پنجاب اور افغانستان ہوتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ آخر نومبر یا ابتدائے دسمبر ۱۵۵۴ء میں وہ اس طویل سفر کیلئے روانہ ہوئے۔ اور بھروچ، بڑودہ، چمپانیر اور محمود آباد سے گذرتے ہوئے احمدآباد پہنچے جو اس وقت بھی گجرات کا دارالسلطنت تھا۔ راستہ میں انہیں تاڑ کے درخت نظر آئے اور انہوں نے تاڑی کو دیکھا یہ ان کے ساتھیوں کے لئے عجیب چیز تھی۔ وہاں انہیں بڑے بڑے برگد کے درخت بھی دکھائی دیئے جن کی جڑیں شاخوں سے لٹک رہی تھیں۔ اور وہ اس قدر وسیع تھے کہ اُن کے نیچے ہزاروں آدمی کھڑے ہو سکتے تھے۔ بعض مقامات پر خیمہ کے ہر چہار طرف بے شمار بندر اور چھوٹے چھوٹے طوطے جمع ہوجاتے تھے، سورت سے روانہ ہونے کے تقریباً پچاس روز بعد غالباً جنوری ۱۵۵۵ء کے آخری حصہ میں سیدی علی احمدآباد پہنچے اور وہاں وزیر عماد الملک اور سلطان احمد ثانی سے ملاقات کی، سلطان بہت مہربانی سے پیش آئے اور ایک گھوڑا اور کئی اونٹ اور سفر خرچ کے لئے روپیہ پیش کیا۔

سیدی علی کا بیان ہے کہ سلطان نے انہیں بھروچ کی گورنری بھی پیش کی تھی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ عماد الملک کے مکان پر اتفاق سے ایک پرتگالی سفیر سے

ملاقات ہوگئی۔ دونوں میں گفتگو نہایت تیزی سے ہوئی اور سفیر نے سیدی علی کو دھمکی دی کہ تم کسی بندرگاہ سے نہ جاسکو گے۔

جس کا جواب سیدی علی نے یہ دیا کہ میں خشکی سے بھی سفر کرسکتا ہوں احمد آباد کے قیام میں سیدی علی نے شیخ احمد مغربی کے مزار کی زیارت کی اور یہیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب محیط کی تالیف بھی کی ہے۔ [1]

شیخ جمال الدین مولانا قاضی محمد حسین قریشی مہائمی قاضی العسکر

یہ سنہ ۹۶۲ھ میں الغ خان کے ساتھ فوج میں تھے، جب خلجی کے مقابلے کے لیے نہر کو پار کرنے کے انتظار میں الغ خان نے کئی دن کنارے پر انتظار کیا، اس لیے کہ اس قدر مدوجزر تھا کہ پانی کو عبور کرنا بہت مشکل تھا، اسی میں اکتا کر ایک دفعہ مرجان شامی جو مقدمے پر امیر تھے انہوں نے نہر کو کشتی کے ذریعے عبور کرنا چاہا تو الغ خان نے ان کو منع کرنے کے لیے علماء کو بھیجا جن میں سے صاحب ظفر الوالہ کے الفاظ میں: المُفَنَّنُ المُتَقَنُ الاستاذ الصَّاحِبُ جامع شَتَّاتِ الفَخرُ قَاضی العسکر جَمال الدنیا والدین مولانا قاضی محمد بن حسین القریشی المہائمی؛ بھی تھے اسی طرح سنہ ۹۷۰ھ کے واقعات کے ذیل میں بھی آپ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ: والاستاذ الکامل جمال الدنیا والدین محمد بن حسین القریشی المہائمی المعروف بالقاضی وکان احد زمانہ فضلاً وادباً۔

اور سنہ ۹۸۰ھ میں جب مغل گجرات میں داخل ہوگئے اور یہ تمام امراء ادھر ادھر منتشر ہوگئے تو اس وقت شیر خان کے ساتھ جو حضرات چلے گئے ان میں مولانا قاضی جمال الدین محمد بن حسین قریشی مہائمی بھی ہیں۔ اور شیخ جمال کے ساتھیوں میں

---

[1] معارف ۱ ج ۲ ص ۱۔

اس وقت شیخ الہ داد جونپوری بھی تھے ۔ جن کے متعلق یہ الفاظ ہیں : جامع فنون التسلیة فی حرکاته وسکناته شیخ الہ داد الجونپوری ۔ [1]

مولانا شیخ کمال محمد

مولانا شیخ کمال محمد کا ذکر ظفر الوالہ میں ۹۶۵ھ کے واقعات کے ذیل میں ہے ۔ [2]

مولانا عبد اللطیف بن محمد المعروف بالدبیر

متوفی دسویں صدی ھجری

جب ہندوستان پہنچے تھے اس وقت سے عماد الملک کے مکان میں رہتے تھے اور سلطان محمود کے بعد جو فتنے پیدا ہوئے اس وقت بھی احمد آباد میں عماد الملک کے ساتھ رہے اور انہیں کے ساتھ نکل کر بھروچ آئے ۔ پھر جب عماد الملک احمد آباد کی طرف لوٹ گئے تو سورت آ گئے اس کے بعد ظفر الوالہ میں لکھا ہے کہ : وھذہ البقعة مقبولة وکان بہا اذ ذاک من کل صنف من الناس خیارھم ، اور یہ شہر ، یہ علاقہ بڑا مقبول تھا ۔ اس میں صلحاء اور اخیار میں سے ہر قسم کے لوگ تھے ۔ مولانا عبد اللطیف عماد الملک کے ساتھ رہتے تھے ، اس کے باوجود سورت کے والی آپ سے محبت کرنے لگے اور آپ کے معتقد ہو گئے اور آپ کو یہاں ٹھہرایا ۔ آپ کی خدمت کی اس لئے آپ یہاں رہ گئے بلکہ آپ کے یہاں قیام کے ایام آپ کے لئے عید اور خوشی و مسرتوں کا باعث رہے ۔ ایک مصرعہ ہے ۔

کُلّ اَرْضٍ تُنْبِتُ العِزَّ طَیِّبٌ ۔ جہاں بھی عزت ملے وہ جگہ اچھی ہے ۔

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ ص ۴۵۱-۵۳۸-۵۶۳ ۔ [2] ایضاً ص ۴۸۳-۴۸۴ ۔

ایک دفعہ مولانا عبداللطیف اسی مجلس میں تھے ان سے کہا گیا کہ، خداوندخان سورت پہنچ گیا، اس وقت مجلس میں خداوندخاں کے وزیر ریحان بدرالدین جہانگیر خاں مولانا عبداللطیف کے پاس تھے، اور وہ بھی مولانا کے معتقدین میں سے تھے تو مولانا عبداللطیف نے ان سے فرمایا کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے مجلس سے ایک طرف ہو جائیں اور جب میں بلاؤں تب آئیں۔

خداوندخاں مجلس میں پہنچے بہت خوش خوش گویا کہ وہ ساری دنیا کے مالک بن گئے۔ پہنچتے ہی آپ کے قدموں میں گر پڑے، بوسہ دینے لگے مولانا نے انہیں گلے لگایا۔ اس کے بعد سماع کی مجلس ہوئی۔ عید نہ ہونے کے باوجود اس دن عید کا گمان ہوتا تھا۔ اس کے بعد مولانا عبداللطیف نے ان کے وزیر ریحان بدرالدین کا تذکرہ شروع کیا اور یہ کہ وہ خداوندخان کی خدمت میں ہونے چاہئیں۔ خداوندخان نے پوچھا کہ وہ کدھر ہیں مولانا نے باہر سے ان کو بلایا وہ سلام کرکے داخل ہوئے اور مولانا عبداللطیف نے ان کے متعلق ان کو اچھی طرح رکھنے کا خداوندخان کو حکم دیا کہ ان کو معاف کر دیجئے اور اچھی طرح رکھئے۔

جب خداوندخان واپس لوٹ کر گئے تو ان کو بھی گھوڑے پر سوار کرکے لے گئے۔ اور قلعے کے پاس پہنچ گئے۔ خداوندخاں بڑے تیز ذہن کے آدمی تھے۔ اسی طرح شیخ مولانا عبداللطیف بھی بڑے ادباء میں سے تھے مگر ان کی باتوں میں مزاح زیادہ ہوتا تھا۔ قلعے میں پہنچ کر جب خداوندخان کی مجلس شروع ہوئی تو سب سے پہلے جو انہوں نے بات شروع کی وہ یہ تھی کہ، بچہ عبداللطیف بچہ ہی کہلائے گا اگرچہ وہ نبی کا صاحبزادہ ہو،" اس سے عمادالملک کی طرف سے جو خط لکھا تھا اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

ریحان بدرالدین کہتے ہیں کہ یہ کلمہ مولانا عبداللطیف کے متعلق سن کر میں تو کانپنے لگا میرا حال خراب ہوگیا اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ میں نے بہت طویل مدت عمادالملک کی خدمت میں رہ کر اس سے بھی زیادہ خطوط لکھے ہیں۔

یہ سوچ کر میں سمندر کی جانب دیکھنے لگا۔ تاکہ کچھ سکون حاصل ہو۔ تو وہ میری طرف کو
لوٹ کر میرے متعلق بھی اسی طرح کا کلمہ کہہ کر وہی باتیں یاد دلانے لگے تو میں نے کہا
کہ مجھے عماد الملک نے حکم دیا تھا اور معذور تھا، وَاِنَّمَامُورُ مَعْذُوْرٌ، تو اس پر انہوں
نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ باتیں سنکر میں خاموش تو ہو گیا۔ مگر مجھے ان کی طرف سے
خوف محسوس ہونے لگا اس لئے جیسے ہی مجلس سے اٹھے تو میں جلدی سے دروازے
کی طرف دوڑا اور نکل کر مولانا عبداللطیف کے پاس پہنچ گیا اور ان سے ماجرا
بیان کیا کہ اگر زندگی اس کے ہاتھ میں ہوتی تو آج میں زندگی کھو بیٹھا ہوتا
اور مجلس میں جو گفتگو ہوئی وہ ان سے دہرائی تو مولانا ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ
ہونے لگے۔

ریحان بدر کہتے ہیں کہ میں نے مولانا عبداللطیف کے ہاتھ کو چوما اور پیدل ہی سورت
سے بھروچ کی طرف روانہ ہو گیا۔

خداوند خان جب مولانا عبداللطیف سے ملنے کے لئے پہنچے تو اپنے ساتھ مولانا
کیلئے تیس رطل سونا اور عنبر، مشک، عود، زعفران اور زرباد یہ تمام خوشبوئیں ایک
مَن ملا کر لے گئے، اور حلویات، مٹھائیاں اور سبزیاں دس مَن اور قند ششو من اور
ایک گاؤں جس کی آمدنی پانچ ہزار محمودی تھی، مولانا کی خدمت میں سب پیش کیا
جبتک خداوند خاں زندہ رہے مولانا سورت ہی میں رہے۔ اس کے بعد بھروچ
لوٹ آئے وہاں کچھ عرصہ رہے تھوڑی مدت ہی بھروچ میں ٹھہر کر اس کے بعد
امیر الامراء الغ خان کے پاس پہنچ گئے۔

مولانا عبداللطیف بہت مزاحی طبیعت رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ
رستم نے مجھے قاصد بنا کر بھیجا (یہ بھروچ کے محاصرے کے وقت رستم کے ساتھ
تھے) کہتے ہیں کہ مجھے رستم نے شرف الدین مرزا کے پاس بھیجا جو محمد شاہ فاروقی

کے ساتھ بھروچ کے مضافات میں آکر مقیم ہو گیا تھا۔ جب میں اس سے گفتگو کر کے جواب لے کر واپس لوٹا تو میں نے دیکھا کہ رستم دروازے پر کھڑا ہے اور سامنے سے آنے والوں کو دیکھ رہا ہے دبوس[1] اُس کے ہاتھ میں ہے۔

میرے پیچھے شرف الدین کا کوئی خادم تھا جس کا مجھے علم نہیں تھا کہ کوئی پیچھے بھی ہے۔ تو رستم دروازے کے ایک کنارے پر کھڑا ہو کر پوچھنے لگا کہ یہ کون ہے تو میں نے اس خادم کی طرف دیکھا مگر میں نے رستم کے چہرے کو بہت بدلا ہوا پایا اس دوران اس نے اپنے ہاتھ سے دبوس بھی پھینک دیا اور ذرا اس نے حرکت کی تو میں یہ سوچ کر کہ کہیں غصے میں میرا قصد کر رہا ہے۔ جلدی سے دروازے سے باہر نکل گیا تو اس نے مجھے بہت نرمی سے آہستگی سے آواز دی میں واپس گیا تو وہ ہنس کر پوچھنے لگا کہ میں تو اس خادم کا قصد کر رہا تھا تم تو میرے والد کے بمنزلہ ہو یہ دیکھ کر تم کیوں بھاگ گئے تھے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرے اور عصر کی نماز کی تیاری کرنے لگے مجھ سے پوچھا کہ با وضو ہو؟ میں نے کہا کہ تم نے جو حرکت کی تھی وہ وضو کو باقی رہنے دے سکتی ہے تو یہ سنکر اس نے ایسا قہقہہ لگایا کہ میں نے اس دن کے علاوہ کبھی اس طرح قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے اس کو نہیں دیکھا۔ شیخ عبداللطیف دبیر نے صاحب النور السافر کے بھائی فضل اللہ کی ولادت پر یہ اشعار کہے۔

بدا کوکب من افق عز و سودد — به یسر اللہ الامانی کما نشا
و زهت به الدنیا و عاد لاهلها — نشا طالهم عاطی المدامة و النشاء
ولا غرو منه انه خیر بضعة — لخیر عباد اللہ ان قام او مشی
ومن عجب ان جاء عام ظهوره — لقد وافق الاسم الشریف بلاغشا
وهذا هو الحظ العظیم بلا مرا — وذلک فضل اللہ یوتیه من یشا[1]

---

[1] بڑے دستے والا چمچہ [2] النور السافر ص ۲۹۱، ظفر الوالہ بمظفر و الہ ص ۲/۴۴

علامہ ادیب ابو القاسم میرکی

علامہ ابو القاسم میرکی نے حاجی خان کی شہادت پر یہ مرثیہ کے اشعار کہے۔

لقد فقدنا وزیرًا فی عصرہ فرید   لفقدہ الروح ذابت والصخر ثم الحدید

تاریخہ جاء شطر فار السعید شہید۔

اسی طرح عبدالملک بن اسد خان کے مرثیہ میں انہوں نے یہ اشعار کہے جنکو ۹۷۴ھ میں پہلے قید کیا گیا پھر شہید کیا گیا۔

ابن الوزیر فقدنا   عبدالملک المکرم   ظلم بہ قد تقضی

کما جری فی محرم   تاریخہ جاء یحکی   علیہ رب ترحم[1]

سیّد حامد بخاری

سیّد حامد بخاری بن سیّد میراں بن سیّد مبارک : سیّد مبارک گجرات کے بڑے سرداروں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ اپنے وطن اوچ سے گجرات پہنچے۔ ایک روز راستے میں ایک مست ہاتھی سے مقابلہ ہو گیا۔ سیّد نے مجبور ہو کر ایک ایسا تیر اس کی پیشانی پر لگایا کہ سوفار[2] کے علاوہ اس (پیشانی) پر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ اس روز سے وہاں کے لوگ ان کے تیر کی قسم کھانے لگے۔ اس کے بعد تو وہ رفتہ رفتہ سرداری کے منصب پر فائز ہوئے۔

سید مبارک نے بٹن، دولقہ اور دندوقہ کے بہت سے محلات جاگیر میں

---

[1] ظفرالوالہ بمظفر والہ صفحہ ۵۰۹۔ [2] دہان تیر۔

حاصل کرلئے ۔ ان میں سے دولقہ اور رندوقہ ان کے مرنے کے بعد سید میراں اور ان کے بعد سیّد حامد کی جاگیر میں مقرر ہوئے ۔

جب اکبر بادشاہ پٹن پہنچے تو سید مذکور (حامد بخاری) اپنی جماعت کے ہمراہ حاضر ہوئے ۔ اور جب گجرات کی حکومت خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کے سپرد ہوئی تو سید مذکور (حامد بخاری) انکی کمک پر مقرر ہوئے ۔ خان اعظم مرزاؤں کی لڑائی میں احمد آباد کے انتظام پر تھے ۔ اٹھارہویں سال جلوس اکبری میں ان کو دولقہ اور رندوقہ کی اور پھر ملتان کی حکومت ملی ۔ اور بنگرام، بلوچستان، کابل، اٹک کی لڑائیوں میں حصہ لیا اور بلگرام میں شہید ہوئے ۔ [۱]

ظفر الوالہ میں آپکے متعلق لکھا ہے ! ۹۷۸ھ میں رستم خان نے محمد شاہ اسیر کے حاکم کو لکھا کہ الغ خان کی اولاد کی بنسبت تم اس ملکِ گجرات کے زیادہ حقدار ہو اس طرح لکھ کر ان کو بلایا ۔ اس نے اکلیسر کے اطراف میں آکر نزول کیا اور رستم خان دوسرے کنارے کی طرف جاکر اس سے ملا اور واپس قلعے میں آیا ۔

رستم خان کے علاوہ اس سے مکاتبت کرنے والوں میں اور امیں جو رستم خان کے ہمراہی ہو گئے تھے ۔ سیّد حامد بن سیّد میراں بن سیّد مبارک بخاری بھی تھے جو دھولقہ کے حاکم تھے ۔ اور امیر شرف الدین مرزا انکے ہمراہ تھے جو خواجہ احرار نقشبندی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے ۔ [۲]

کوتہ نامی شاعر

۹۷۹ھ میں کوتہ نامی شاعر بڑے مشہور تھے شاعر وقت سمجھے جاتے تھے علم موسیقی کے بھی استاد مانے ہوئے تھے، انکی صاحبزادی لال کور کی تھی ۔ [۳]

---

[۱] تاریخ مآثر الامراء صفحہ ۲ [۲] ظفر الوالہ بمظفر والہ صفحہ ۵۳۱ [۳] ایضاً صفحہ ۵۴۸ ۔

شمس خاں بن داؤد قریشی

مسندِ عالی شمس خان بن داؤد قریشی نائب شمس خان المعروف بہ کروری بہت بڑے عالم، فاضل، اور مدبر تھے۔ کتابوں کا بے حد شوق تھا۔ ان کا کتب خانہ ۹۸۰ھ بمطابق ۱۵۷۲ء میں موجود تھا۔ فقہ کی مشہور کتاب "نصاب الاحتساب" جو درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے وہ اسی کتب خانہ کی ہے۔ یہ کب ضائع ہوا اس کا پتہ نہ چل سکا۔ کیا عجب ہے کہ اکبر کے قبضۂ گجرات کے وقت لوٹ کی نذر ہو گیا ہو۔ شمس خاں کا کوئی ذکر گجرات کی تاریخوں میں نہیں ملتا لیکن سترہ رسائل میں ایک شمس خاں تولی وزیر مظفر شاہ آخری کا البتہ ذکر ملتا ہے۔[1]

ملک محمد امین کمال

ان کو گجرات کا باشندہ لکھا گیا ہے۔

یہ امین وہ ہیں جنہوں نے بہرام گور اور حسن بانو کے قصے کو قدیم اردو میں نظم کیا ہے ان کے متعلق نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب "دکن میں اردو" میں صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ بیجاپور کے باشندے تھے اور ابراہیم عادل شاہ کے زمانے سے تعلق رکھتے تھے اور نام انہوں نے مختصراً صرف امین لکھا ہے، لیکن شمس اللہ قادری نے کتاب "اردوئے قدیم" میں ان کا پورا نام ملک محمد امین کمال دیا ہے۔ اور انہیں سلطان بہادر (۱۵۲۵ء-۱۵۲۶ء/ ۹۳۲ھ-۹۴۳ھ) اور محمود شاہ ثانی (۱۵۳۶ء-۱۵۵۳ء)

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ صـ۲۲۲ .

۹۴۳ھ - ۹۶۱ھ) کے زمانے کا شاعر کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایین ان بادشاہوں کے ندیمان خاص میں سے تھے ۔

ملک محمد ایین کمال میں لطیفہ گوئی اور بدیہہ گوئی کا وصف بھی تھا ۔ سکندر بن محمد نے "مرآۃ سکندری" میں ان کے اس رخ کا تعارف کرایا ہے ۔ اور لطائف کا ذکر بھی کیا ہے ۔ اس قسم کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی مثالیں انبیاء اور اولیاء کی زندگی میں بھی ملتی ہیں ۔ محمد ایین حضرت شاہ عالم کے ارادتمند تھے جس سے ان کی ثقاہت شخصی کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ ملک محمد ایین کمال نے بہرام وحسن بانو کا قصہ لکھنا شروع کیا ۔ لیکن پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے ۔ یہ کام اس دور کے ایک اور شاعر دولت نے کیا ۔ [1]

شیخ محمد جی برہنہ سر

آپ کی زاد بوم احمد آباد گجرات ہے ۔ شیخ صدرالدین ذاکر سے آپ کا تعلق ارادت ہے ۔ آپ کا سلوک حالت جذب سے ملا ہوا تھا ۔ جس کی وجہ سے اکثر آپ پر حالت جذب طاری رہتی ۔ آپ کے فرائض نماز روزہ وغیرہ ازلی حفاظت سے قضا ہونے سے محفوظ رہتے ۔ صاحب گلزار ابرار تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ کے پیر و مرشد ۹۸۳ھ میں میں حضرت غوث الاولیاء کی قبر مبارک پر حاضری کے لئے گجرات سے گوالیار کو تشریف لے گئے تو آپ اس وقت اپنے مرشد کی اجازت سے شیخ حبیب شطاری کے ہمراہ اپنے وطن کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو راستہ میں آپ کا گذر مانڈو پر بھی ہوا ۔ تو چند روز آپ کی صحبت حاصل رہی ۔ اپنے وطن پہنچنے کے چند دن بعد آپ کی زندگانی کا آفتاب واپسیں نفس کے افق میں غروب ہو گیا ۔ اور انتقال فرما گئے ۔ [2]

---

[1] تاریخ ادبیات صفحہ ۲۳۹/۴۲ [2] گلزار ابرار صفحہ ۴۸۲ ۔

شیخ عارف قندھاری

آپ کی تالیف "تاریخ اکبری یا تاریخ محمد عارف قندھاری" مشہور ہے۔ آپ بیرم خاں خانخاناں کے "میر ساماں" تھے گجرات میں بیرم خاں کی وفات کے وقت آپ اس کے پاس موجود تھے، یقیناً عبدالرحیم خانخاناں اور بیوہ کے ساتھ احمد آباد بھی آئے ہوں گے، اسکی وفات کے بعد آپ حج کیلئے چلے گئے۔ واپسی پر کچھ عرصے تک بہار میں رہے اور ۱۵۷۷ء/ ۹۸۵ھ میں بہار سے اکبر کے دربار میں آگئے۔
یہ کتاب عہد اکبر کے ۱۵۷۹ء/۹۸۷ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے یہ غالباً ایک بہت بڑی تاریخ تھی جس کا اب صرف آخری حصہ رہ گیا اور باقی کا ناپید ہے اس لئے کہ اس میں ہمایوں کے عہد کے واقعات کے بھی اشارات ملتے ہیں۔ [۱]

نشانی

نام علی احمد، مولانا حسین نقشی مہرکن کے صاحبزادے تھے اپنے علم و فضل کے لحاظ سے مشہور رہے۔ نقش رازی اپنے والد بزرگوار سے سیکھی۔ دونوں نے اس فن کو بڑی ترقی دی۔ مولانا نشانی نگینہ پر ایسی نقش سازی کرتے کہ بے مثل و بے مثال ہوتی۔
لوگ عراق، خراسان اور ماوراءالنہر تک انکی نقاشی کو بطور تبرک ساتھ لے جاتے علم و فضل میں بھی ان کا پایہ بلند تھا لیکن نقش سازی اور مہرکنی نے دوسرے کمالات پر پردہ ڈالدیا تھا۔ گو صرف ایک صدی کے صوبہ دار ہوئے لیکن ملا بدایونی کا بیان ہے کہ کسی امیر سے کم تر نہ تھے۔ ہیئت اور طبعیات کے ماہر تھے۔ ہر طرح کی خوشنویسی کرتے۔ املا اور انشاء میں بھی بے مثل سمجھے جاتے تھے۔ ملا بدایونی

---

[۱] تاریخ ادبیات فارسی صفحہ ۱۵۲ ۔

کا بیان ہے کہ اگر وہ شاعر ہوتے تو انکی شاعری، جریدۂ روزگار پر باقی رہتی۔ مگر کبھی کبھی شعر کہتے اور تخلص اپنے پیشے کے مطابق رکھا۔ جس زمانے میں اکبر نے گجرات فتح کیا تو انہوں نے اکبر کے نام کا سکہ کندہ کرکے دربار میں پیش کیا اور تاریخ میں یہ اشعار کہے۔ ؎

خسروا سکہ گجرات بنام تو زدند ÷ ملک را سایۂ عدل تو تبارک بادا
اے خوش آں دم کہ چو تاریخ ولے از من پرسی ÷ گویمت سکۂ گجرات مبارک بادا

بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے فیضی کے عقائد کو پسند نہیں کرتے تھے۔ فیضی نے بہت فخریہ لکھا تھا۔ ؎

شکر خدا کہ عشق بتاں است رابھرم ... درملت برہمن دور دین آذرم

اس کے جواب میں انہوں نے ایک طویل قصیدہ کہا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

؎ شکر خدا کہ پیرو دین پیمبرم ... حب رسول وآل رسول است رابھرم
بے زارم از برہمن و ناقوس واہرمن ... منکر زدیں راھب وقسیس وآذرم
قائل بروز حشر و قیام قیامتم ... امیدوار جنت وحوری و کوثرم
حاسد بسوئے من بحقارت نظر مکن ... چوں نیستی خلیل منم پا بر آذرم

فیضی اکبر کا بڑا چہیتا شاعر اور ہم مجلس تھا لیکن اکبر کا لحاظ کیے بغیر اس سے شاعرانہ معرکے کرتا اور اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتا۔ ؎[1]

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۳۵۵/۳ ۔ بزم تیموریہ صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹ ۔ منتخب التواریخ اردو صفحہ ۵۴۴

شیخ ابو حبو بن خضرؒ

شیخ نعمان اسیری کے رشتہ داروں میں سے تھے ۔ اور شیخ فضل اللہ سے تعلق ارادت حاصل تھا ۔ آپ اصحاب ہمت و توکل و اخلاق فاضلہ میں سے تھے ۔معرفت الٰہیہ کا وافر حصہ آپ نے پایا تھا ۔ آپ کا منظوم کلام درد مندوں کے لئے درماں تھا ۔ دسویں صدی کے مشائخ میں مورخین آپ کا ذکر کرتے ہیں ۔ [1]

فسونی بعہد اکبر

آپ کا نام محمود بیگ تھا ۔ ابوالفضل نے آپ کے نام کے ساتھ "شیرازی" لکھا ہے ۔ اور ملا بدایونی نے آپ کو یزدی بتلایا ہے ۔ لکھتے ہیں کہ آپ ٹھٹھ سے آکر شاہی ملازم ہوئے ۔ (ج ۳ صـ۲۹۷)

ریاض الشعراء میں آپ کے نام کے ساتھ تبریزی لکھا ہوا ہے ۔ ابوالفضل نے آپ کا ذکر شعراء میں تو ضرور کیا ہے لیکن صرف اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا کہ آپ نیکیوں میں نامور ہیں ، اور علم نجوم کے ماہر ہیں ، اس کے بعد اس نے آپ کے ۲ اشعار نقل کئے ہیں ۔ (آئین اکبری صـ۲۸۱)

ملا بدایونی نے لکھا ہے ؛ طبع بہ شعر مناسبت داشت "

ریاض الشعراء میں ہے کہ اکبر کے علاوہ جہانگیر اور شاہجہاں کے دربار سے بھی منسلک رہے ۔ جہانگیر نے ان کو افضل خاں کا خطاب بھی عطا کیا تھا ۔ لیکن توزک جہانگیری میں افضل خاں فسونی کا ذکر نظر سے نہیں گزرا ۔ مخزن الغرائب میں افضل خاں فسونی کے

---

[1] اکابرین گجرات ، اذکار ابرار صـ۳۴۲ ۔

ذکر ملتا ہے کہ "در زمان اکبر بادشاہ واقعہ نویس گجرات بودہ است"،
آئین اکبری میں ان کی دو رباعیاں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے (ایضاً ص۱۸۹)

از دست جفائے تو اگر بگریزم ۔۔۔ دور از تو بکوچہ بر سر ریز
برخاک رہے کہ افتم از بنشینم ۔۔۔ برگرد سرکہ گردم از برخیزم [۱]

شیخ نور محمد خلیل جاپانیری

آپ بوہرہ قوم میں سے ہیں، ساٹھ سال تک خوردہ فروشی کی بساط سے قناعت، توکل اور رضا بہ قضا کے ساتھ نعمت حاصل کرتے رہے۔ بازار میں تجارت کیلئے بیٹھتے اور اپنے مقام خلوت در انجمن کے چہرہ پر --- پردہ ڈالے رہتے جب حضرت غوث الاولیاء گوالیار سے ہجرت فرما کر گجرات تشریف لائے تو ایک روز بازار جاپانیر کے راستہ میں حضرت غوث الاولیاء کی کیمیا اثر نگاہ شیخ کے استغراق پر جا پڑی فرمایا: اے شیخ کہاں تک فطری نور مخفی رکھوگے بہت مدت ہوئی ہے کہ لوح محفوظ سے تمہارا خطاب شیخ نوراللہ ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت غوث الاولیاء نے آپ کا ہاتھ اپنے ولایت بخش ہاتھ سے پکڑ کر دکان سے اٹھا لیا اور دکان فقراء پر لٹا کر آپ کو خانقاہ میں لے آئے۔ اسی وقت خلعت خلافت پہنا کر رہنمائی اور شیخوخیت کی مسند پر بٹھایا۔ پھر آخر عمر تک آپ سوائے مسجد کے اپنے حجرہ سے باہر نہیں نکلے۔ اور "اللہ نور السموٰت والارض" کا مظہر بن گئے۔ ابدی خوابگاہ احمد آباد ہے۔ [۲]

---

[۱] بزم تیموریہ ص۲۷۴ [۲] گلزار ابرار ص۲۰۹

مولانا شیخ محمود سہروردی

۱۴ر ذوالقعدہ دسویں صدی ھجری

د وہ حکایت نامی رسالے اور شرائف محمودیہ میں لکھا ہے کہ : آپکی جائے ولادت ملتان ہے ۔ اور ٹھٹھہ کے علاقہ میں اور لاہور وغیرہ میں بھی آپ تشریف لے گئے وہاں سے حضرت شاہ عالم کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مستفیض ہوئے اور اجازت اور خلافت پائی ۔ اور قطب پور کے قریب میں پرانے اساول میں سابرمتی کے کنارے آپ نے اقامت فرمائی ، جام خیرالدین نے اس قلعہ کی بنیاد رکھی تھی ، جو لکر کوٹ کے نام سے مشہور ہے اور شیخ کا مزار بھی اسی جگہ دریائے سابرمتی کے کنارے پر ہے اور جام خیرالدین کی وصیت کے موافق ان کا مزار بھی شیخ کے پائنتی میں ہے ، اور بی بی مرکی بھی اپنے باپ کے پہلو میں مغربی جانب میں ہے اور شاہ بھیکن کا مزار جام خیرالدین کے پہلو میں مشرق کی جانب میں ہے ۔ شیخ محمد سہروردی کی وفات ۱۴ر ذوالقعدہ کو ہوئی ۔ [1]

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی صہ ۵۶ ۔

شیخ ابن

دسویں صدی ہجری تقریباً

شیخ ابن ایک مجذوب تھے، انہوں نے ایک مسجد احمدآباد میں بنوانی شروع کی تھی، ابھی مسجد ناتمام تھی کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ اسی مسجد میں محوِ خواب ہیں وہ مسجد جالی والی کے نام سے مشہور رہی۔ آپ کے بعد شیخ سعید نے تعمیر کا کام جاری رکھا۔ یہ مسجد سیدی سعید کے مکان کے قریب ہونے کی وجہ سے سیدی سعید کہلانے لگی، شیخ ابن کے حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔ [۱]

مفتی محمد اکبر

دسویں صدی ہجری کے آخر میں

شیخ فاضل علامہ محمد اکبر بن محمد شریف اپنے زمانہ کے ان علماء میں سے تھے جو علوم حکمت وفلسفہ میں فائق تھے۔ آپ احمدآباد کے مسند افتاء پر بھی فائز رہے۔ شیخ محمد محسن صدیقی کے علاوہ دوسرے کئی علماء نے آپ سے اکتساب کیا۔ میر زاھد شرح المواقف پر آپ نے حاشیہ تحریر فرمایا۔ [۲]

مولانا حبیب اللہ

دسویں صدی ہجری تقریباً

علامہ حبیب اللہ بن شمس الدین کابلی صوبہ گجرات کے مشہور علماء میں سے

---

[۱] تاریخ صوفیائے گجرات، [۲] نزھۃ الخواطر عربی ۴۲۲ ج ۴ صفحہ ۲۹۱۔

تھے ان کا لقب منصب الملک ہے جو گجرات ہی کے ایک سلطان کا دیا ہوا تھا آپ محمود شاہ صغیر کے زمانہ میں گجرات میں سفارت پر مامور تھے۔ اور ان کے عم بزرگوار شیخ سراج الدین عمر بن کمال الدین نہر والی آصف خاں کے وکیل تھے ایدر کی فتح تک آپ زندہ تھے۔ سلطان محمود کو اس فتح کی خبر انہوں نے لکھی۔ آپ سفارت کے ساتھ معرکوں کی تیاری میں لشکریوں کے صلاح کار بھی تھے جیسا کہ آصفی نے اپنی تاریخ ظفر والہ میں ذکر کیا ہے۔ [۱]

سیّد کمال الدّین بن سید شاہ میر شیرازی

دسویں صدی ہجری

اساول احمد آباد میں آپ کا قیام تھا۔ جہاں عمر بھر علمی خدمات انجام دیتے رہے اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ وہاں کی جامع مسجد کے پیچھے آپ کو دفن کیا گیا۔ [۲]

فقیہ العرب حسن ڈابھولی

شیخ علامہ حسن ڈابھولی مشہور بہ فقیہ العرب۔ بستی سرکھیج جو کہ مضافات احمد آباد میں ہے وہاں سلطان محمود، شاہ کبیر اور ان کے صاحبزادے مظفر شاہ حلیم کے دور میں تھے۔ وہاں درس و افادہ میں مصروف تھے، ان کے تلامذہ میں شیخ عبدالقادر راجینی کے علاوہ بھی بے شمار حضرات ہیں۔ [۳]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۰۱ ، ۱۵۲ ، [۲] اکابرین گجرات ص ۵۹۴ ، تاریخ اولیاء گجرات۔

[۳] گلزار ابرار ، نزہۃ الخواطر ص ۱۶۲ ج ۴ ، ۱۶۱۔

شیخ سعد اللہ چشتی

دسویں صدی ھجری

آپ شیخ عزیز اللہ چشتی کے دوسرے فرزند ہیں۔ عالم و فاضل تھے ایک عرصہ تک درس و تدریس کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان کے صاحبزادے مخدوم رفیع اللہ عالم و فاضل متقی و پرہیزگار تھے۔ [1]

مولانا یونس لاکہ

لاکہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔

اب بھی ضلع سورت میں لاکھی قبیلہ موجود ہے۔ آپ کو علم کی تعلیم دینے اور بصیرت کے حاصل کرنے میں شیخ وجیہہ الدین علوی اور قاضی عیسیٰ احمد آبادی کے برابر قدرت حاصل تھی۔ قاضی عبدالغنی، سید ابراہیم بھکری، شیخ نظام الدین ابن کبیر ملا طیب سندھی اور قاضی اسحق اسیری جن کے حالات گلزار ابرار میں لکھے گئے ہیں آپ کے شاگرد ہیں۔ [2]

شیخ احمد بن محمد بن عبدالرحیم

وفات ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۵۹۲ء

شیخ عبدالقادر بن شیخ کے تلامذہ میں شیخ احمد بن محمد بن عبدالرحیم باجابر بھی معروف ہیں جن کا لقب شہاب الدین باجابر حضرمی ہے۔ شلی نے اپنی تاریخ

---

[1] تذکرہ قاریان ہند۔ [2] گلزار ابرار صفحہ ۲۶۵۔

میں انکا بھی تذکرہ کیا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ ، دیکھنے والا دیکھتے ہی آپ کے رعب اور ہیبت کیوجہ سے مرعوب ہوجاتا آپ کے چہرے انور سے علم وفضل ٹپکتا تھا۔ آپ نے اپنے والد شیخ محمد سے علم حاصل کیا ان کے ظل عطوفت میں تربیت پائی۔ اور ان کے علوم سے آپ بہرہ ور ہوئے۔

والد محترم کے علاوہ دیگر علماء سے بھی آپ نے علم حاصل کیا اس کے بعد ناظم ہندوستان ہوئے ۔ اور ہندوستان پہنچ کر شیخ عبدالقادر بن شیخ کی صحبت میں رہکر علم حاصل کیا، آپ بڑے اونچے شعراء میں سے تھے ، زیادہ تر آپ نے سادات اہل بیت کی تعریف میں قصائد کہے۔ شیخ عبدالقادر بن شیخ کی مدح میں آپ نے یہ قصیدہ کہا ۔ سہ

وما قصدی الجزاء سوی انتسابی الیٰ عُلیاکم یوم القیامۃ

مگر قضاء وقدر کے فیصلے انسان پر غالب آتے ہیں ۔ ہندوستان پہنچکر مال و دولت اور عیش وعشرت سے آپ نے کچھ حصہ بھی نہیں پایا تھا کہ اس سے پہلے ہی آپ کی وفات ہوگئی ۔

صاحب خلاصۃ الاثر لکھتے ہیں کہ ؛ جب بھی میں آپ کو یاد کرتا ہوں تو میرا غم تازہ ہوجاتا ہے ،، اسی لئے انہوں نے آپ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے[1] جس کا نام صدق الوفا ہے ۔ لاہور میں ۱۰۰۱ھ بمطابق ۱۵۹۲ء میں آپنے وفات پائی ۔

میر سید جلال صدر مقصود عالم

معاصر شمس الدین الرملی و تقی الدین الغزی

آپکی ولادت ۱۵ رجمادی الاخری ۱۰۰۳ھ بمطابق ۲ رفروری ۱۵۹۵ء ہے اور ؛ وارث رسول ؛ سے تاریخ ولادت نکلتی ہے ۔

---

[1] خلاصۃ الاثر ۱۷

آپ محمد بخاری رضوی کے فرزند ہیں، جن کا سلسلہ پانچ واسطوں سے شاہ عالم تک پہنچتا ہے۔ شاہ عالم کا مزار احمدآباد میں ہے۔ میر سید جلال کا لقب مقصود عالم تھا آپکے والد میر سید محمد شاہ عالم کے سجادہ نشین تھے۔ اور فضل و بزرگی سے آراستہ تھے۔ فقر و توکل میں ممتاز تھے۔ آپ نے قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی عبارت میں کیا ہے جس زمانے میں جہانگیر بادشاہ گجرات کے سمندروں کی سیر کے ارادے سے نکلے تو کھنبایت میں میر سید محمد نے نہایت تعظیم و تکریم سے ان کے ساتھ وقت گذارا۔ شاہ جہاں سے بھی میر سید محمد کی دو مرتبہ ملاقات ہوئی۔ پہلی مرتبہ شہزادگی کے زمانے میں احمدآباد میں اور دوسری دفعہ جب شاہ جہاں جنیر سے دارالخلافہ کی طرف آرہے تھے۔ میر سید محمد کا ۱۰۴۵ھ میں انتقال ہوا اور شاہ عالم کے مزار کے مغربی دروازے کے پاس گنبد میں دفن ہیں۔ اپنی تاریخ ولادت کے متعلق شیخ سعدی کا مصرعہ پڑھ دیتے تھے۔

من و دست و دامان آل رسولؐ

میر سید محمد کے صاحبزادے میر سید جلال صورت و سیرت میں بہت خوب اور پاکیزہ تھے۔ علوم و فنون میں بھی مہارت رکھتے تھے شعر و شاعری سے بھی مناسبت تھی۔ اور رضائی ان کا تخلص تھا یہ مشہور رباعی ان ہی کی ہے۔ ؎

در نخوت و کبر لاعلاجم چہ کنم | باآنکہ اسیر احتیاجم چہ کنم
میرم بنیاز و ناز دلبر نکشم | من عاشق معشوق مزاجم چہ کنم

صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں کہ!

ملا محمد صوفی مازندرانی، ایران سے آکر احمدآباد میں مقیم ہوگئے تھے ان کو میر جلال سے تعلق خاطر ہوگیا اور ملا میر کو تعلیم دیتے تھے انکے اشعار پر لطف ہوتے ہیں۔ یہ شعر انکے ساقی نامے کا ہے۔ ؎

نمی ماند ایں بادہ اصلا بآب
تو گوئی کہ حل کردہ اند آفتاب

ملا محمد مازندرانی کی بیاض کا نام "بت خانہ" تھا۔ اس میں شعراء کے دواوین سے ساٹھ ہزار اشعار منتخب کئے تھے۔ گجرات کے صوبے دار سیف خاں کو ملا سے بڑی عقیدت تھی۔ ملا مازندرانی نے وفات سے قبل یہ رباعی کہی تھی۔ ؎

اے شاہ نہ تخت و نہ نگیں می ماند   از بہر تو یک دو گز زمیں می ماند
صندوق خود و کاسۂ درویشاں را   خالی کن و پر کن کہ ہمیں می ماند

جہانگیر نے بھی جب یہ رباعی سنی تو اس پر رقت طاری ہوگئی۔

شاہ جہاں کی تخت نشینی کے بعد وہ اپنے والد کے حکم سے سلطنت کی مبارکباد دینے کے لئے دارالخلافہ آگرہ آئے بادشاہ نے آپ کا بہت اعزاز و اکرام کیا۔ دوسری مرتبہ پھر بادشاہ کے پاس آئے۔ چونکہ پہلے بھی اس خاندان کے چند لوگ سلاطین گجرات کے بڑے امرار میں سے تھے اس لئے شاہ جہاں نے بڑے اصرار کے بعد لباس درویشی اتروایا اور موسوی خاں کی بجائے سید جلال کو ہندوستان کی صدارت کا عہدہ عنایت کیا۔

سید جلال نے اخلاق فاضلہ سے آراستہ اور عالی خاندان سے وابستہ ہونے کی بناپر بادشاہ سے کہا کہ سابق صدر موسوی خاں کے تساہل اور بے خبری کی وجہ سے اکثر ایسے آدمیوں کی مدد معاش مقرر ہوئی ہے جو اس کے مستحق نہ تھے اور اکثر لوگ جعلی سندوں کی بناپر بہت سی اراضی پر قابض ہوگئے ہیں تمام ملک میں شاہی حکم پہونچا کہ تحقیق و تنقیح تک مددِ معاش کی سندیں ضبط کرلی جائیں۔ اس حکم کی بناپر لوگوں نے سید جلال کو بڑا بدنام کیا۔

کہتے ہیں کہ ملا محمد صوفی مازندرانی جوانی میں ایران سے ہندوستان آئے اور اکثر

علاقوں کی سیر و سیاحت کے بعد احمد آباد میں مقیم ہو گئے موصوف کا میر جلال سے تعلق ہو گیا اور وہ انہیں تعلیم دیا کرتے تھے۔

میر سید جلال کے دو لڑکے تھے۔ ان میں سید جعفر شاہ عالم کے روضہ کے جانشین ہوئے اور سید علی ہندوستان کی صدارت پر فائز ہوئے۔

میر سید جلال صدر کی وفات لاہور میں ۱۰۵۷ھ میں ہوئی۔ جسدِ خاکی احمد آباد منتقل کر کے والد کے پاس دفنایا گیا۔ ان کے پوتے سید جعفر نے اس جملے سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ "سید محمد آخر الاولیاء"[1]

شاہ جہاں نامہ میں آپ کا ذکر اس طرح پر ہے کہ: اس نفس مطمئنہ کے افعال و اقوال کی تعریف کرنا ممکن نہیں کیونکہ انسانی اور ملکوتی صفات کا عروج جمیل اس کی ذات والا صفات میں جلوہ گر تھا۔ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اولاد علی رض کے باعث افتخار تھے۔ سیادت و شرافت کے آثار پیشانی سے ٹپکتے تھے اور چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ واقعی آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اولاد علی رض ہیں۔ ذی علم، صاحب استعداد، مومن، متقی تھے، اور معرفت الٰہی سے بہرہ مند علوم الٰہی کی خوب تحصیل کی تھی۔ اولیاء اللہ کے مشرب و مقامات سے ایسے آگاہ تھے کہ ذوق معرفت دل میں سما گیا تھا۔ رفتہ رفتہ معرفت اور وجدان کے بلند ترین درجے حاصل کر لئے۔ عارفوں کے اسرار و رموز ان کے دل بیدار پر روشن ہو گئے۔ ریاضت و عبادت کی کثرت اور علم و عمل کے امتزاج سے سلوک و معرفت کی تمام منزلیں طے کر لیں۔ اس کے باوجود خوش گفتاری، فصاحت، آداب مجلس اور بادشاہی محفلوں کے آداب میں کامل تھے۔ یہ صفات اگرچہ جزئی ہیں لیکن انسانِ کامل کا زیور ہیں۔ حرکات و سکنات کی سنجیدگی، گویائی، موزوں طبعی،

---

[1] مآثر الامراء، ج ۲ ص ۴۰۰، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۱۳، تذکرہ قاریان ہند ص ۱۲۸، اخبار الاخیار۔

دقیقہ سنجی میں طاق تھے کبھی کبھی نشاط و انبساط کے تقاضے اور عہد شباب کی سرخوشی میں عاشقانہ و عارفانہ اشعار بھی کہتے۔ چونکہ ان کا سلسلۂ نسب ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت علی بن موسیٰ رضا رح تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس مناسبت سے رضائی تخلص رکھا تھا۔ اس سید ذیجاہ کے کلام میں سے یہاں تین رباعیاں لکھنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

رُباعی

آں ماہ کہ مہر او مرا مضطر داشت — وز خاک فراق بر سوم افسر داشت
چوں پردہ ز خورشید رخ خود بر داشت — تا کہ دیدم کہ در کلاہم سر داشت

عشق است کہ کام دل و جاں می شکند — عشق است کہ پیدا و نہاں می شکند
عقلم آزر شدہ است و عشق ابراہیم — کایں تنہا می تراشد آں می شکند

ہر چند کہ چوں روح مجرد پاکم — آلودہ و پابند جہاں خاکم
مانندۂ مہتاب بہ پائے ہمہ کس — می افتم و نور دیدہ افلاکم

یہ فرشتہ صفات سید اپنے پدر بزرگوار کے زمانے میں نیز ان کے وصال کے بعد بھی جب بھی دربار شاہی میں تشریف لائے شاہانہ عنایت سے مشرف ہوئے۔ شاہ جہاں بادشاہ انہیں اپنی مجلس خاص میں بلاتے۔ شاہجہاں نے کئی بار فرمایا کہ "ما بدولت کے عہد حکومت میں سید جلال کا وجود نہایت غنیمت ہے۔ سچ پوچھئے تو حسب نسب، صورت شان، وجاہت و شرافت، ظاہری اور باطنی کمالات کے سبب اگر کوئی شخص شاہ جہاں کا مقرب بننے کا مستحق ہو سکتا ہے تو وہ یہی سید ذیجاہ ہے۔ ان صفات کی بدولت یہ صورت تھی کہ بادشاہ سلامت ایک لمحے کو سید جلال کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔ پیش نظر رکھنے کی یہ سبیل نکالی کہ ۹ رشعبان ۱۰۵۲ ھ

۲ر نومبر ۱۶۴۲ء کو بڑے اصرار کے ساتھ انہیں صدر کل کا عہدہ عنایت کرکے چھ ہزاری ذات، دو ہزاری سوار کا منصب عطا فرمایا۔ تمام محتاجوں، مسکینوں، عابدوں، صالحوں کی عرضیوں پر انہی کے دستخط ہوتے اور انہیں مدد معاش یا جاگیر دیجاتی۔

سادات رضویہ کے اس چشم و چراغ کی ولادت ۱۲ر جمادی الثانی ۱۰۰۳ھ/ ۲۲ر فروری ۱۵۹۵ء کو ہوئی "وارث رسول" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ سن ۲۱ر جلوس میں بتاریخ یکم جمادی الاول ۱۰۵۷ھ ۴ر جون ۱۶۴۷ء جہان فانی سے باغ بہشت کو روانہ ہوئے۔

بتاریخ یکم جمادی الاول ۴ر جون ۱۶۴۷ء لاہور کے واقعات سے خبر ملی کہ جامع فضائل، سید عالی نسب، سید جلال صدر الصدور متعدد امراض میں مبتلا رہ کر ۲۳ر ربیع الثانی ۲۹ر مئی ۱۶۴۷ء کو جہانِ فانی سے بہشت بریں کو سدھارے، بادشاہ نے پاکیزہ نسب سید کے انتقال پر افسوس کیا۔ بارگاہ الٰہی میں مغفرت کی دعا مانگی۔

مرحوم کے تین بیٹے ہیں۔ بڑا لڑکا سید جعفر کہ حضرت علی مرتضیٰ رض کی اولاد کا فخر ہے اپنے آباء و اجداد کا سجادہ نشین ہے۔ دوسرا فرزند خلاصۂ سادات کرام مظہر لطف ازلی سید علی جس کے پر نور چہرے سے شرافت و جلال ٹپکتا ہے حضرت نے اُسے دو چند ترقی دیکر ہزاری ذات دو سو سوار کے منصب پر سربلند فرمایا تیسرا لڑکا سید موسیٰ ہے۔ دائم المرض ہے لہٰذا آپ نے اس کا وظیفہ مقرر کرکے حکم فرمایا کہ احمد آباد میں بیٹھ کر دعائے دولت کرتے رہو۔ [1]

---

[1] شاہجہاں نامہ ج ۲ صفحہ ۴۶۹۔

شیخ ابو تراب

وفات سنہ ۱۰۰۳ھ یا سنہ ۱۰۰۵ھ بمطابق سنہ ۱۵۹۶ء

شیخ فاضل علامہ ابو تراب بن کمال الدین بن صبغۃ اللہ چشتی ۔ آپ شیراز کے سلامی سادات سے تھے ۔ آپ چانپانیر میں پیدا ہوئے اور احمد آباد میں سکونت اختیار کی ۔ اپنے والد اور دادا سے تعلیم حاصل کی آپ کے دادا صبغۃ اللہ الملقب بہ سید شاہ میر کبار علماء سے تھے ۔ سلطان احمد کے پوتے سلطان قطب الدین کے زمانے میں گجرات آئے ۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے وطن واپس چلے گئے ۔ اور پھر دوبارہ شاہ اسمٰعیل صفوی کی شورش کے زمانے میں سلطان محمود بیگڑہ کے عہد میں اپنے بیٹے میر کمال الدین کے ہمراہ گجرات آئے ۔ اور چانپانیر محمد آباد میں جو وہاں کے سلاطین کا قدیم دار الحکومت ہے سکونت پذیر ہوئے اور طلبہ کے افادہ میں مشغول ہو گئے ۔ آپ نے مفید کتابیں تالیف کیں اور لائق بیٹے چھوڑے ۔ ان میں سب سے لائق ابو تراب کے والد میر کمال الدین ہیں ۔ جب شیخ میر ابو تراب کے دادا شیخ صبغۃ اللہ فوت ہوئے تو میر ابو تراب کے بڑے بھائی اور چچا کی اولاد رہ گئی ۔ یہ تمام سادات مغربیہ سلسلہ میں بیعت تھے ۔ اس خاندان کے نامور بزرگ شیخ احمد کھٹو ہیں ۔ شیخ ابو تراب کے خاندان کو سلامی اس لئے کہتے ہیں کہ غالباً ان کے بزرگوں میں سے کسی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ سے سلام کے جواب میں آواز سلام سنی تھی ۔

مختصر یہ کہ میر ابو تراب نے قابلیت سے اس ولایت گجرات میں ایک مقام پیدا کر لیا جس سال بادشاہ وہاں گیا تو میر ابو تراب جو اس علاقہ کے اصحاب شوریٰ میں ممتاز تھے گجرات کے سارے امیروں سے پہلے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔

جونانہ کے مقام پر خواجہ محمد صروی اور خاں عالم نے آپ کا استقبال کیا۔
۹۸۵ھ میں آپ کو حاجیوں کی قافلہ سالاری کا اعلیٰ منصب ملا۔ پانچ لاکھ روپے نقد اور دس ہزار خلعت میر ابوتراب کے حوالے ہوئے کہ آپ اپنی فراست سے ان مقامات مقدسہ کے مستحقین کو مناسب طریقہ سے پیش کردیں۔ حجاز کے سفر میں آپ نے مفوضہ خدمت اچھی طرح انجام دی اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کا نقش ساتھ لائے۔ اکبر بادشاہ نے حکم دیا کہ میر ابوتراب دارالخلافہ آگرہ سے چار کوس پر قافلہ کے ساتھ ٹھہریں بادشاہ کے حکم کے مطابق ارکان سلطنت نے ایک خاص جگہ آراستہ کی۔ اس کے بعد بادشاہ امرائے عظام اور علمائے کرام کے ہمراہ استقبال کے لئے گیا اور اس پتھر کے ٹکڑے کو جو جان سے زیادہ عزیز تھا اپنے کندھے پر رکھ کر چند قدم چلا۔ اس کے بعد امرائے سلطنت حسب مراتب سر پر رکھ کر شہر لائے اور وہ نقش قدم بادشاہ کے حکم سے میر ابوتراب کے گھر میں رکھا گیا خیر الاقدام اس کی تاریخ ہے (۹۸۷ھ)۔

مورخین کا خیال ہے کہ یہ قدم جعلی تھا جیسے کہ محمد ایوب قادری کی کتاب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں یہ بات مشہور تھی کہ بادشاہ وقت اکبر نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور دین محمدی کو ناپسندیدہ جانتا ہے اور اس کے استخفاف کی کوشش کر رہا ہے اس لئے مصلحت کی بنا پر مخلوق کی زبان بندی کے لئے اس نے تکلف و تصنع کے ساتھ استقبال کا یہ انتظام واکرام کیا چنانچہ اس کی تائید شیخ ابوالفضل کی تحریر سے بھی ہوتی ہے۔

اگرچہ اکبر جانتا تھا کہ اس نقش قدم کی کچھ اصل نہیں ہے اور علماء نے اس کا جعلی ہونا ثابت کردیا ہے لیکن اس نے اپنی پردہ پوشی کی خاطر اس عظیم انتساب کا خیال کیا اور اس کی تعظیم کی اور اس نے اس کا زبردست احترام کیا۔

گجرات کی حکومت جب اعتماد خاں کو ملی جو مدتوں سے وہاں کا حاکم تھا اور دوسرں

کے مقابلہ میں وہاں کی آبادی کے طریقے اچھی طرح جانتا تھا تو میر ابوتراب اس صوبہ کے امین مقرر ہوئے اور اپنے دو بھتیجوں میر محب اللہ اور میر شرف الدین کے ساتھ اس صوبہ میں متعین ہوئے۔

شیخ ابوتراب کی وفات ۱۰۰۳ھ یا ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ احمد آباد میں مدفون ہیں۔ مآثر الامراء کی رو سے ۱۵۹۶ء / ۱۰۰۵ھ میں اساول (احمد آباد) میں دفن ہوئے۔ آپ نے چند کتابیں فارسی میں تصنیف فرمائیں جن میں سے تاریخ گجرات مشہور ہے۔

"تاریخ گجرات" یہ گجرات کے حکمراں بہادر شاہ (۱۵۲۶ء-۱۵۳۶ء ۹۳۲ھ-۹۴۳ھ) کے حالات سے لیکر مظفر شاہ کے ہاتھوں احمد آباد کی فتح (۱۵۸۴ء/۹۹۲ھ) تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ [۱]

کتاب "مخدوم جہانیاں" میں آپکی کتاب "تاریخ گجرات" کے متعلق قدرے تفصیل ملتی ہے کہ میر ابوتراب گجراتی نہایت اہم سیاسی شخصیت تھے ۱۰۰۵ھ بمطابق ۱۵۹۶ء / ۱۵۹۷ء میں انکا انتقال ہوا، اور وہ اساول میں دفن ہوئے۔ جو احمد آباد (گجرات) کے مضافات میں واقع ہے۔ انہوں نے ایک تاریخ گجرات لکھی ہے جسے ۱۹۰۹ء میں مشہور مستشرق ڈینی سن راس نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) سے شائع کیا ہے۔ وہ اپنے مقدمہ میں اس قدم شریف کے سلسلے میں مزید رقم طراز ہیں۔

۹۸۸ھ بمطابق ۱۵۸۰ء میں ابوتراب کو گجرات جانے کی اجازت ملی تو بادشاہ (اکبر) نے انہیں اس نقش قدم کے لے جانے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی اور وہ اس (نقش قدم) کو اساول (متصل احمد آباد) لے گئے۔ وہاں انہوں نے اسکے

---

[۱] مآثر الامراء صفحہ ۸۵ جلد ۲۳۴، اعیان الحجاج، نزھۃ الخواطر عربی صفحہ ۲۳ جلد ۵ ۱۳، تاریخ ادبیات صفحہ ۵۴۴ جلد ۴۔

اعزاز میں ایک عمارت اور خانقاہ بنوائی۔ مرہٹوں کے دور میں جب اساول تاخت وتاراج ہوا تو میر ابو تراب کے اخلاف اس نقشِ قدم کو احمد آباد لے آئے۔

عہدِ اکبری کے یہ سیاسی عوامل و محرکات تھے کہ اس نقشِ قدم کی اتنی شہرت و عزت ہوئی، دہلی کے مشہور قدم شریف کی دیکھا دیکھی زمانہ شناس لوگوں نے ہند وپاکستان میں متعدد جگہ قدم شریف کی زیارتیں قائم کر رکھی ہیں جن کا تفصیلی ذکر ہے۔

سیّد ہبت اللہ

شیخ ابو تراب کے جد امجد

آپ شاہ میر کے نام سے مشہور تھے۔ آپ ان بزرگ سادات میں سے ہیں جو حسنی حسینی تھے۔ آپ شیراز کے بڑے علماء میں سے تھے۔ امیر صدر الدین محمد شیرازی کے ہمنشین اور مولانا جلال الدین محمد دوانی کے ہم عصر تھے۔ آپ سلطان محمود کبیر (بیگڑہ) کے زمانہ میں شیراز سے گجرات تشریف لائے اور چانپانیر میں قیام فرمایا۔ آپ سیادت وفضیلت کے نیر اعظم تھے۔ سلطان نے ان کی نہایت تعظیم وتکریم کی۔

آپ نے کئی کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ علم الہیئۃ کے بارے میں اپنے بیٹوں کے لئے ایک شرح ان کے زمانۂ اسباق میں تحریر فرمائی۔

۲۔ اسنی الکواشف فی شرح المواقف۔

۳۔ لوامع البرھان فی قدم القرآن۔

۴۔ محاکمہ شرح شمسیہ۔

۵۔ علم حدیث اور اصولِ حدیث کے بارے میں ایک رسالہ۔

آپ کی خوابگاہ احمد آباد میں ہے
آپ کے کئی بیٹے تھے جو سب سعادت مند اوصاف حمیدہ سے موصوف تھے۔
ان میں فرزند رشید شاہ کمال الدین محمد تھے۔ جو کمالات سے مزین اور محاسن سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

شیخ محمود بن عبداللہ

متوفی ۱۰۰۴ھ مطابق ۱۵۹۵ء

آپ کا مولد و منشاء گجرات اور مزار برہانپور میں ہے۔ جس وقت سماع میں آپ کو جوش آتا تھا، اور آپ کی آہ سے دریائے عشق میں طوفان پیدا ہوتا تھا تو آپ کے آنسوؤں کی موجوں پر موجیں آتی تھیں۔ آپ شیخ لشکر محمد عارف کے خلیفہ ہیں۔ قرآن حفظ تھا، دل آویز لہجہ اور داؤدی الحان سے تلاوت کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں میاں جمال جمو جی محدث تھے، اور درویش ملک پیر محمد حسن آپ ان دونوں اصحاب کی مصاحبت میں برہانپور سے سفر حجاز کو روانہ ہوئے۔ اور لوٹ آئے۔

مسیح القلوب کہتے ہیں ایک روز میں آپکی عیادت کے واسطے گیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے فلاں میرے واپسی سفر کا وقت آگیا ہے۔ آپ ایسی دعا سے میری مدد کریں کہ ارباب شہود کے طریقہ پر میں دفن کیا جاؤں۔

مولانا غوثی اور ان کے دیگر چند دوست رحلت کے روز آپ کے سرہانے میں موجود تھے۔ حلقہ چشم میں آنکھیں اس طرح عاشقانہ گردش کرتی تھیں کہ جیسے کوئی محبوب جان فشانی اور نظر بازی کرتا ہے۔ نیز مسیح القلوب کہتے تھے ہنگام رحلت

اسی طرح دو شخص اور بھی میری نظر سے گزرے ہیں، میرے عم مکرم شیخ طاہر بن یوسف اور شیخ الاولیاء۔ آپ کا سالِ رحلت ۱۰۰۴ھ بمطابق ۱۵۹۵ء ہے۔

آپ کی نظر و توجہ کی جاذبیت اس قدر تھی کہ ایک گویئے کا لڑکا آپکی نظر شفقت کے اثر سے مسلمان ہو گیا۔ جس پر مولانا غوثی کہتے ہیں۔ ؎

معشوق در لباس ایاز ست جلوہ گر غوثی مگر بدولت محمود میر سد[1]

مولانا غوثی لکھتے ہیں کہ: شیخ محمود بن عبداللہ صوفی صلاح و تقویٰ میں معروف علماء میں سے تھے۔ آپ کا مولد و منشاء گجرات ہے۔ آپ نے قرآن کریم حفظ کیا۔ اس کے بعد برہانپور گئے۔ طریقت شیخ لشکر محمد عارف برہانپوری سے حاصل کی پھر ۹۹۰ھ میں حجاز کا سفر کیا۔ اس وقت سفر میں شیخ جمال محمد محدث برہانپوری بھی ساتھ تھے۔ حج و زیارت سے فارغ ہو کر ہندوستان واپس آئے۔ آپ بڑے صاحبِ وجد و حال تھے ۱۰۰۴ھ میں برہانپور میں آپ نے انتقال فرمایا اور برہانپور میں دفن کئے گئے۔[2]

شیخ عبدالرحیم

متوفی ۱۰۰۵ھ بمطابق ۱۵۹۶ء

شیخ عبدالرحیم موضع احمدآباد سے پانچ کوس دور کپڑ ونج کے ہیں۔ اس مقام سے چل کر برہانپور سے ایک کوس کے فاصلہ پر دریا کے کنارہ حجرہ پسند کیا تھا۔ چند روز بعد علی عادل شاہ فاروقی فرمان روائے صوبہ خاندیس نے اس جگہ جامع مسجد اور ایک بڑی سرائے تعمیر کرا کر ایک شہر آباد کر دیا اور عادل پور نام رکھا

---

[1] گلزار ابرار ص۲۳۴۔ نزہۃ الخواطر ۵ ص۴۰۸ [2] گلزار ابرار ص۲۳۳۔

آپ کا حجرہ جامع مسجد کے متصل واقع ہوا ۔ اس میں شک نہیں کہ آپ فارغ البالی اور آزادی میں ہمت اور توکل کے آشنا تھے ۔

آپ کے مرشد طریقت شیخ ابراہیم قاری سندھی ہیں جن کا لقب مرغ لاہوتی ہے ۔ ایک روز آپ نے مسیح القلوب کی قطبیت کی خوشخبری لوگوں کو سنائی اور کہا کہ مجھ کو عالم خواب میں اس مضمون کی آگاہی دی گئی ہے ۔

آپ کی رحلت ۱۰۰۵ھ میں ہوئی ۔ اس حجرہ میں آپ کی قبر بنائی گئی جس میں بزمانۂ حیات قیام پذیر تھے ۔ قدس سرہ ۔ [1]

شیخ ہانسا بخاری

وفات ۱۰۰۵ھ/۱۰۰۶ھ بمطابق ۱۵۹۶ء/۱۵۹۷ء

آپ مخدوم جہانیاں کی نسل سے ہیں ۔ آپ آغاز جوانی میں سلوک اور شریعت کے پابند تھے ۔ اوسط عمر میں الہٰی جذبہ پیدا ہوا ۔ آپ نے ڈیڑھ سو برس عمر پائی ۔ بات کرتے وقت ہر ایک نیک و بد کی نسبت ہمیشہ اپنے نفس کی طرف کیا کرتے تھے ۔ لیکن مخاطب میں اس بات کے آثار بہت جلد ظاہر ہو جاتے تھے ۔ آپ کی زبان سے ایسی بات جو وقوع پذیر نہ ہو نکلتی ہی نہیں تھی ۔

سید قاسم پسر سید محمود بارہہ اکبر شاہ کے امرائے اعظم میں سے تھے ۔ یہ سید ۱۰۰۳ھ میں آپ کو اپنے ہمراہ شہر پٹن سے احمد آباد لے گئے تھے ۔ ایک روز ایک کنوئیں کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے ۔ سید نے ایک روپیہ آپ کے ہاتھ پر رکھا آپ نے اسی ہاتھ سے کنویں میں ڈال دیا ۔ لوگوں نے کہا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا، میں نے کچھ بُرا نہیں کیا ۔ ایک برہمن کے ہاتھ جنت کو بھیج دیا، چند روز

---

[1] گلزار ابرار ص۳۱۲ ۔

بعد آپ کی والدہ کے پاس سے اس مضمون کا خط آیا کہ "تم نے جو کچھ ایک برہمن کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچ گیا ہے" کہتے ہیں کہ جنت "آپ کی والدہ کا نام تھا اور یہ بھی عجب نہیں کہ "الجنۃ تحت اقدام امہاتکم" کے اعتبار سے کہا ہو۔ جب آپ لوٹ کر پٹن آئے تو ۱۰۰۵ھ یا ۱۰۰۶ھ میں انتقال فرمایا قبر صحن مکان میں بنائی گئی۔ [1]

ملک شیر خلوتی

متوفی ۱۰۰۵ھ بمطابق ۱۵۹۶ء

آپ شیخ مشائخ کے بیٹے اور بہاء الدین زکریا کے پوتوں میں سے ہیں سید مصطفے چشتی کے مرید تھے۔ زاد بوم احمد آباد گجرات اور خوابگاہ موضع بُود رجو علاقہ خاندیس میں ہے۔ آپ درویشی کی وضع کو سپاہیانہ وضع میں چھپایا کرتے تھے اولا معاہدہ کر لیا کرتے تھے کہ تمام رسوم سے آزاد رہونگا اور دوسرے سپاہیوں کی طرح سلام کے واسطے ہر روز نہیں آونگا بلکہ جس وقت لشکر کا سردار شکار کے واسطے یا لڑائی کے واسطے یا دیہات کے دیکھنے کے واسطے سوار ہوتا تھا اس وقت آپ بھی رکاب میں ہوتے تھے اور ان اوقات کے سوا دیگر اوقات میں باطن کی صفائی میں مشغول رہتے تھے۔
تمام دن رات کو نفل نمازوں میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ دسویں صدی کے بہت سے مشائخ سے فیض حاصل کیا تھا اور شیخ بدھا چشتی کی ملازمت سے بالخصوص علم طریقت یاد کیا تھا۔

۹۸۲ھ میں گجرات سے خاندیس آئے۔ چند روز اس ملک کے امرائے اعظم کی نوکری میں بسر کئے۔ جب آپ کی بزرگی اور آزادی کا شہرہ عادل شاہ فاروقی کے کان

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۱۹۹ء ۲۰۰

میں پہنچا جو اُس ولایت کا فرمان روا تھا تو اس نے حکم جاری کیا کہ لشکر کا سردار آپ کی اس نسبت کے شرف سے سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ملک نے بھی سردار کی التماس کو قبول فرمایا۔

سنہ [illegible]ھ میں جب عادل شاہ دکن کی لڑائی پر گیا تو آپ ہمراہی میں نہیں جا سکے اور نوکری ترک کر دی۔ قصبہ بودر کے ایک گوشہ میں خلوت اختیار کر لی۔

سنہ [illegible]ھ میں ملک علام کا فرمان طلب صادر ہوا جس کے بموجب دنیا کو رخصت کر کے آخرت کی طرف روانہ ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ [1]

شیخ بہلول دہلوی

م سنہ [illegible]ھ

محدث بہلول ابن کبیر قادری دہلوی، علم فقہ، حدیث اور تفسیر کے ماہر علماء میں سے تھے، آپ اصلاً شکارپور کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے منتقل ہو کر دہلی آ گئے۔ اور مفتی جمال الدین دہلوی سے علم پڑھا۔ پھر گجرات پہنچے۔ تو شیخ عبداللہ بن سعداللہ اور شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ دونوں کی صحبت میں ایک طویل مدت تک رہے پھر دہلی واپس آئے۔ اور طریق تصوف شیخ قمیص بن ابی الحیاۃ الساڈھوری سے حاصل کیا اور درس و افادہ میں مشغول ہو گئے۔ آپ اپنے زمانے میں صلاحِ عمل، کثرتِ عبادت اور طریقت میں ضرب المثل تھے۔ (کما فی اخبار الاصفیاء)

بدایونی (منتخب) میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ علم حدیث کے ماہرین میں سے ہیں اور فقر و درویشی اور فناء کے طریقے کو اکابر سے حاصل کیا اور معرفت

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۴۲۔

کی حلاوت اور استقامت کو ان سے حاصل کیا ۔

مدت تک افادہ اور افاضہ میں مشغول رہے اور دنیا کی طرف قطعاً التفات نہیں تھا ۔ ۱۰۰۰ھ میں ۱۴ رجب کی شام کو دہلی میں آپ نے انتقال کیا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی شہرت والا پتھر دفن کیا گیا ہے اس کے جوار میں آپ کو دفن کیا گیا ۔ [1]

شیخ علاؤ الدین ثانی مجذوبؒ

متوفی ۱۰۰۸ھ مطابق ۱۵۹۹ء

آپ کی گفتار غیبی علوم کا رسالہ اور آپ کی زبان لوح محفوظ کی مترجم تھی ۔ زاد بوم تھاسرہ ہے ۔ جو احمد آباد گجرات کے توابع میں سے تھا ۔ کہتے ہیں آپ کو الٰہی جذبہ نے ایکبارگی آلیا ۔ اپنے وطن سے اجمیر میں آئے اور چند سال اس شہر میں حالت وجد میں گذار کر گوالیار پہونچے چند روز کے بعد دار الخلافہ آگرہ چلے گئے ۔ جو ذی احتیاج آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ ان کے مافی الضمیر اور دل کے حال کا آپ کو علم ہو جاتا بغیر عرض حال کئے ہوئے ہر ایک شخص اپنے مدعا کا جواب آپ کی تقریر سے پالیتا تھا ۔

آپ کے خادم شیخ نظام کا بیان ہے کہ تاریخ ساتویں جمادی الآخر ۱۰۰۱ھ تھا کہ جب ہمارے زمانہ کے سپہ سالار مرزا عبدالرحیم خانخاناں گجرات سے چل کر اکبر بادشاہ کی ملازمت میں بمقام دار السلطنۃ لاہور حاضر ہوئے تو حکم ہوا کہ ایک کثیر لشکر اپنے ہمراہ لے کر صوبہ ٹھٹھہ کی فتح کے واسطے کوچ کریں یہ حال سنکر میرے دل میں آیا کہ صوبہ ٹھٹھہ میں بہت سے خدا شناس حق پرست لوگ ہیں کیونکر فتح کی صورت پیدا ہوگی ۔ ہنوز اس

---

[1] نزھۃ الخواطر ۱۳۳ ج ۵ ۔

خیال کی تصویر ذہن میں پورے طور پر منعکس ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ اپنے خشم آلود نگاہ سے مجھکو دیکھا اور بہت سی نئی نئی وضع کی تصنیف کی ہوئی گالیوں کا خلعت عطا کیا اور فرمایا تو کون ہے جو تجھکو بزرگوں کے قرارداد میں صواب اور خطاء کے ساتھ رائے زنی کا منصب حاصل ہو مالک قطب علاؤالدین ہے اور سپاہ سے جاننے والا اس کا برگزیدہ دوست ہے۔ ایسی خوبصورتی کے ساتھ فتح کا چہرہ نمایاں ہوگا کہ اس سے بہتر شکل کسی کے بھی تصور میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ آپ نے جیسے فرمایا تھا ویسا ہی ظہور پذیر ہوا اسی طرح جب سپہ سالار نے دکن کی فتح کے واسطے عزم کیا تھا تو آپ نے خوشخبری دی تھی کہ کارآمد قلعہ اس دفعہ ہم نے تمہارے واسطے فتح کردیا ہے تم اس قلعہ کو بے تامل دیکھ لوگے بالآخر ایسا ہی ہوا۔ قلعہ سے مراد احمد آباد نگر پایۂ تخت دکن ہے۔

۱۰۰۸ھ کے بعد دارالبقاء کی طرف کوچ فرما گئے حدود آگرہ میں آپ کی قبر ہے[1]

حکیم عثمان بوبکانی

متوفی ۱۰۰۸ھ بمطابق ۱۵۹۹ء

آپ شیخ عیسٰی ابن شیخ ابراہیم صدیقی سندھی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت مضافات سندھ کے ایک مقام بوبکان میں ہوئی۔ آپ کو حصول علم کا شوق اور خدا طلبی کا ذوق احمد آباد گجرات لے آیا جو ان دنوں مختلف علوم و فنون کے علماء و فضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ احمد آباد آمد سے پہلے ہی متداول کتب درسیہ سے فارغ التحصیل ہوچکے تھے۔ احمد آباد میں شیخ علامہ وجیہہ الدین علوی کے درس میں شریک ہوکر تفسیر و حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ نیز علوم تصوف کا بھی درس لیتے رہے پھر قاضی

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۴۴

محمود موربی اور شیخ حسین بغدادی کے پاس رہ کر علوم میں مزید تعمق حاصل کیا خصوصاً منطق ومعانی اور ریاضی وحکمت میں کمال پیدا کیا ۔

حصول علم میں یہ کامیابی حکیم عثمان کے ذوق طلب کے علاوہ سندھ کے ایک باخدا بزرگ مخدوم نوح ہالہ کی دعاء کا فیض اثر بھی ہے چنانچہ صاحب گلزار ابرار نے خود حکیم عثمان کی روایت سے لکھا ہے کہ ۔

میں ایک روز مخدوم ہالہ کی خدمت میں گیا اور چاہا کہ علمی کمالات حاصل ہونے کے واسطے دعاء کے لئے التماس کروں ۔ ابھی ضمیر کی مخفی بات زبان پر نہ آئی تھی کہ آپ نے فرمایا واتقوا اللہ یعلمکم ۔

جملہ علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ اختیار کیا ۔ آپ کے علمی فضائل وکمالات کا شہرہ دور تک پھیل گیا ۔ جب آپ برہانپور تشریف لائے تو بادشاہ وقت محمد شاہ فاروقی نے عزت واحترام کے ساتھ رکھا اور درس و فتویٰ نویسی کے اعلیٰ منصب پر آپ کو مامور کیا اور زرخیز اراضی کا ایک موضع آپ کے لئے نامزد کردیا ۔

۲۷ رسال آپ نے برہانپور میں درس وفتویٰ نویسی اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ فیض رسانی کے دریا بہائے اور علماء محدثین اور مفسرین کی ایک جماعت آپ کے فیض سے سیراب ہوئی ۔

جب برہانپور میں آپ کا درس شروع ہوا اس وقت مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جند اللہ برہانپور میں موجود نہ تھے وہ اپنے فاضل اجل چچا شیخ طاہر محدث کے درس سے فارغ ہو کر مزید حصول علم وکمال کی تلاش میں روانہ ہو چکے تھے اور مختلف مشائخ سے فیضیاب ہوتے ہوئے بمقام آگرہ شیخ جلال الدین ملتانی کی خانقاہ میں مقیم تھے کہ آپ کو اپنے چچا شیخ طاہر محدث کا خط پہونچا کہ : جیسا تم چاہتے ہو ویسے معلم برہانپور میں تشریف فرما

ہیں ان سے مراجعت کرو،

مسیح الاولیاء کے علاوہ قاضی عبدالسلام سندھی، شیخ صالح سندھی، قاضی نصیرالدین بنبانی، شیخ شکھ جی نے بھی آپ کے علوم سے استفادہ کیا ہے۔

صاحب گلزار ابرار نے آپکی تصنیفات کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی تصانیف بہت سی ہیں منجملہ انکے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ اور بخاری کی شرح ہے۔

شیخ عثمان بوبکانی نے تین بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ہے اور ہر بادشاہ نے آپ کی قدرومنزلت ایک دوسرے سے زیادہ ہی کی۔

۱۰۰۸ھ میں آپ اپنی جاگیری موضع پر تشریف لے گئے تھے کہ اکبر نے تسخیر خاندیس کے عزم سے خود اقدام کیا اور برہانپور کے اطراف افواج پھیلادیں۔ چونکہ ملکی نظام معطل تھا ڈاکوؤں نے مسلح ہوکر اس موضع پر حملہ کیا اور مال ومتاع لوٹ کر آپ کو اور آپ کے ۱۷ رفقار کو شہید کر ڈالا۔

آپ تقویٰ اور عبادت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ملا غوثی صاحب گلزار نے لکھا ہے کہ شیخ لشکر عارف فرمایا کرتے تھے کہ حکیم عثمان کے مثل اطمینان اور فراغتِ قلب سے عبادت کرنے والا مجھے نظر نہیں آیا۔

شیخ طاہر محدث فرماتے تھے۔

جیسی شکستگیٔ خاطر، عاجزی اور گمنامی حکیم کی ہے۔ میں نے عالموں میں کسی میں نہیں دیکھی۔ چالیس سال کے اندر کسی گھر کا لقمہ نہیں کھایا۔

آپ کی شہادت تقریباً ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء میں ہوئی۔ نوراللہ مرقدہ۔ [1]

حکیم عثمان بوبکانی ملا علی القاری اور بدرالدین القرافی کے ہمعصر ہیں۔

---

[1] تذکرہ قادیان ہند صفحہ ۱۶۳، تذکرہ اولیائے سندھ۔

شیخ مبارکؒ ناگوری

وفات ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۶۰۱ء

شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری۔ آپ قریشی النسل تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں شیخ موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے۔ ۸۸۰ھ میں یمن سے نکل کر سیستان میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کے والد شیخ خضر بزرگوں کی زیارت کے ارادہ سے دسویں صدی ہجری میں ھندوستان آئے قصبہ ناگور میں چند بزرگوں کی موجودگی کے باعث اقامت اختیار کر لی ۹۱۱ھ میں شیخ مبارک تولد ہوئے، چار سال کی عمر سے تعلیم شروع ہوئی۔ چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے۔

احمدآباد پہونچکر خطیب ابوالفضل گازرونی اور مولانا عماد طارمی سے بھی استفادہ کیا سلوک و تصوّف میں بھی اعلیٰ مقام حاصل کیا اور شیخ یوسف و شیخ عمر سے سلسلہ شطاریہ چشتیہ، سہروردیہ میں اجازت حاصل کی۔

۹۵۰ھ میں آگرہ پہنچے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۹ سال تھی۔ میر رفیع الدین صفوی کی خانقاہ میں قیام کیا۔ شیخ چندن قریشی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ پھر درس و تدریس میں لگ گئے آپ چاروں ائمہ کے احکام سے واقف تھے۔ آپ کے درس میں ہر مذہب و ملت کا آدمی شامل ہوتا۔

ملا بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ مبارک اپنے زمانے کے بڑے کامل شخص تھے۔ صلاح و توکل، زہد و تقویٰ میں فائق اقران تھے۔ ہمیشہ علوم دینیہ کے درس میں مشغول رہے۔ علم تصوّف کو کمال درجہ پر پہنچایا تھا۔ شاطبی آپ کو زبانی یاد تھی۔ قرآن شریف دس قرأت کے ساتھ یاد تھا۔

صاحب اخبار الاصفیاء لکھتے ہیں کہ ان کے کتب خانہ میں پانچ سو ضخیم کتابیں خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی موجود تھیں۔

آپکی ایک تصنیف ہے جس کا نام بدایونی اور طبقات کے مطابق "منبع نفائس العلوم" اور مآثر کے مطابق "منبع عیون المعانی" ہے (عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۵ ۔)

آپ کے سات لڑکے ہوئے جن کے نام یہ ہیں ۱۔ شیخ ابوالفیض ۲۔ شیخ ابوالفضل ۔ ۳۔ شیخ ابوالخیر ۴۔ شیخ ابوالبرکات ۵۔ شیخ ابوالمکارم ۶۔ شیخ ابوتراب ۷۔ شیخ ابوالحامد۔

شیخ مبارک کا انتقال ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۰۱ھ بمطابق ۱۹ مئی ۱۵۹۳ء میں ہوا، آگرہ میں مدفون ہیں۔ [۱]

آپ کے مفصل حالات ان کتب میں موجود ہیں۔

۱۔ آئین دوم، ۲۶۔ ۲۔ بدایونی سوم، ۷۳۔ ۳۔ طبقات ۲۱۰ ب ۴۔ مآثر، ۱۹۷، ۵۔ بیل، ۳۷۱۔ ۶۔ حدائق ۳۹۴۔ ۷۔ تذکرہ ۱۷۴۔ ۸۔ قاموس دوم، ۳۰۰۔

علامہ احمد بن علی بسکری

م ۱۳ ربیع الثانی ۱۰۰۹ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر ۱۶۰۰ء

علامہ احمد بن علی بسکری کے والد علامہ علی بن محمد بسکری نے علامہ محمد بن عبدالحق عقیلی مالکی کو تربیت دی تھی اور بچے کی طرح اپنے پاس رکھ کر انکی تربیت کی تھی اور علامہ محمد بن عبدالحق نے علامہ علی بن محمد بسکری سے علم حاصل کیا تھا۔

اسی لئے جب علی بن محمد بسکری کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے علامہ محمد بن عبدالحق عقیلی مالکی کو اپنی وفات سے کچھ پہلے وصیت کی کہ میرے بیٹے علامہ احمد بن علی بسکری کی تربیت تمہارے ذمہ ہے۔ اس لئے آپ نے علامہ محمد بن عبدالحق عقیلی مالکی سے تربیت پائی۔

۱۔ تذکرہ قاریان ہند،

ابتدائی علوم ان سے پڑھے اور تمام علوم سے فراغت تک اور تمام علوم میں مہارت تک انہوں نے تربیت کا حق ادا کیا، اور اپنے مربی واستاذ کی وصیت کو پورا کیا۔

صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ: شیخ احمد نہایت کتاب وسنت کے متبع صاحب علم و صلاح اور سلف صالحین کے طریقے پر چلنے والے تھے۔ بقدر کفاف پر قناعت کرنے والے، نہایت عفیف اور پاکدامن تھے۔ اور آپ کا کوئی وقت ضائع نہیں ہوتا تھا۔ ہر وقت تصنیف وتالیف یا مطالعہ کتب میں مشغول رہتے۔

آپکی متعدد تصانیف ہیں قہوے کے بارے میں آپ کا ایک مفید رسالہ ہے انتقال سے کچھ پہلے آپکی بینائی چلی گئی تھی اور آپ نے احمد آباد میں ۱۰۰۱ھ ۱۲ ربیع الثانی کو شب شنبہ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت آپکی عمر ستر برس تھی۔

آپ کے اشعار کا کچھ نمونہ یہ ہے۔ ؎

اَقْسَمْتُ بِاللّٰہِ مَاحَالَتْ مَوَدَّتُکُمْ ٭ یَوْمًا وَلَاحُلْتُ عَنْ عَهْدِیْ وَمِیْثَاقِیْ

وَلَاتَنَفَّسْتُ اَنْفَاسًا اُرَدِّدُهَا ٭ اِلَّا وَفِیْ ضِمْنِهَا دَمْعِیْ وَاَشْوَاقِیْ

کسی شاعر کا شعر آپ کے سامنے پڑھا گیا۔

صَحِیْحُ الْبُخَارِیْ لَوْ اَنْصَفُوْا ٭ لَمَا خُطَّ اِلَّا بِمَاءِ الذَّهَب

توآپ نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے اسے یوں پڑھا۔

صحیح البخاری لو انصفوا ٭ لماخط الا بماء البصر

وَمَاذَاکَ اِلَّا لِضَبْطِ الْاُصُوْلِ ٭ وَعَدْلِ الرُّوَاةِ بِنَقْلِ الْخَبَرْ

وَقَدْ فَاقَ فَضْلًا عَلٰی غَیْرِہٖ ٭ وَاَضْحٰی اِمَامًا لِکُتُبِ الْاَثَرْ

اسی طرح مشہور دعائیہ قصیدے پر آپ کی تضمین ہے فرماتے ہیں۔

اِنِّیْ تَعِبْتُ مِنَ الذُّنُوْبِ وَثِقْلِهَا ٭ هِیَ کَالْجِبَالِ فَلَا اُطِیْقُ لِنَقْلِهَا

فَامْنُنْ عَلَیَّ بِمَحْوِهَا وَبِغَسْلِهَا ٭ یَامَنْ یُرَجّٰی لِلشَّدَائِدِ کُلِّهَا

یَامَنْ اِلَیْهِ الْمُشْتَکٰی وَالْمَفْزَعُ

یَارَبِّ طَاعَاتِیْ اِلَیْکَ قَلِیْلَةٌ ٭ یَارَبِّ اَوْزَارِیْ عَلَیَّ ثَقِیْلَةٌ

مَالِی مَلَاذٌ وَلَا لِی حِیـلَـةٌ　　مَالِی سِوَی فَقْرِی اِلَیْكَ وَسِیْلَةٌ
وَبِالْاِفْتِقَارِ اِلَیْكَ فَقْرِی اَدْفَعُ
کَیْفَ السُّؤَالُ حَقِیْرَةٌ وَذَلِیْلَةٌ　　وَبِضَاعَةُ التَّقْوَی لَدَیَّ قَلِیْـلَةٌ
وَعَوَائِدُ الْاَفْضَالِ مِنْكَ جَزِیْلَةٌ　　مَالِی سِوَی فَقْرِی اِلَیْكَ وَسِیْلَةٌ
فَلَئِنْ رُدِدْتُ فَاَیَّ بَابٍ اَقْرَعُ
یَارَبِّ هٰذَا الْعَبْدُ اَصْبَحَ رَاجِیًا　　عَفْوًا مِنَ الْمَاضِی وَمَا هُوَ آتِیًا
وَتَکُوْنُ عَنِّی فِی الْقِیَامَةِ رَاضِیًا　　حَاشَا لِجُوْدِكَ اَنْ تُقَنِّطَ عَاصِیًا
اَلْفَضْلُ اَجْزَلُ وَالْمَوَاهِبُ اَوْسَعُ [1]

شلی نے آپ کے بھی حالات تحریر فرمائے ہیں اور آپکی بڑی تعریف کی ہے آپ نے اپنے والد اور شیخ، شیخ عبدالقادر بن عیدروس سے علم حاصل کیا۔ آپ نہایت خوبصورت اور خوش اخلاق بزرگ تھے، اور ہر گھڑی آخرت کی تیاری میں مصروف رہنے والے تھے۔ صاحب النورالسافر لکھتے ہیں کہ شیخ احمد بڑے علم وصلاح والے تھے کتاب وسنت کی اتباع کرنے والے اور سلف صالحین کے طریق پر چلنے والے تھے۔ آپ نہایت عفیف اور پاکدامن اور بقدر کفاف پر قناعت کرنے والے تھے، آپ کے اوقات نہایت منتظم مشغول رہتے یا تو کسی کتاب کے مطالعہ میں آپ مشغول پائے جاتے یا کسی کتاب کی تصنیف میں آپ مشغول ہوتے اسی لئے آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

اخیر عمر میں آپکی بینائی چلی گئی اور انتقال سے پہلے کچھ عرصہ آپ نے اسی طرح معذوری میں گزارا۔ آپ کی مدح میں خطباء، وشعراء نے بکثرت اشعار کہے ہیں جن میں شیخ عبداللطیف بن محمد کے یہ اشعار اور ان کا یہ قصیدہ بہت معروف ہے۔

اَعْنِی بِهٖ اَحْمَدَ الْمُخْتَارَ سِیْرَتَهٗ　　خُلْقًا وَخَلْقًا سِوَاهُ لَا یُسَاوِیْهِ

---

[1] النورالسافر ص۳۸۶ تا ۳۸۹

شهاب نجل علی البسکری بلدا	المالکی مذهبًا من ذا یضاهیه
قد خصه بجمیل الفضل خالقه	بسرطی معان فی معالیه
له بدیع بیان فی الخطاب یری	وغیر لفظ وقد جلت معانیه
اخبارہ قد اتت فی الحال تخبر عن	أبیات افکارہ المخصوص من فیه
حدیثه الحسن العالی روایته	أعلت لسامعه شانا وراویه

۲۰ راکتوبر ۱۶۰۱ء بمطابق ۱۰۰۹ھ میں ۱۳ ربیع الثانی سنیچر کی رات آپ نے احمد آباد میں انتقال فرمایا اور یہیں دفن کئے گئے ۔

اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے ۔

میری مدح سے مقصود احمد بن علی ہیں جنکے طور طریق کو خلقت اور اخلاق دونوں اعتبار سے پسند کیا گیا ہے جن کا کوئی ہمسر نہیں ، جو علی بن احمد کے فرزند ارجمند ہیں بسکری شہر کے باشندے اور مالکی المذہب ہیں کون ہے جو آپ کا مشابہ ہو ۔ جنہیں خالق جل وعلا نے فضلِ جمیل اور بلند درجہ کے الہامی علوم کے ساتھ خاص کیا ہے ۔ آپکا اندازِ گفتگو بہت نرالا ہے اور مختلف الفاظ میں ایک مضمون بیان فرماتے ہیں اور ان الفاظ کے معانی بھی بہت اونچے ہوتے ہیں ۔ اسی وقت آپ کے کچھ مخصوص اشعار جو آپ ہی کے دہن مبارک سے نکلے میری نظر کے سامنے آئے ۔ آپ کی گفتگو بہت اونچی ہے ۔ اس کا روایت کرنا باعثِ فخر ہے اور سامع وراوی دونوں کا درجہ بڑھاتا ہے ۔ [۱]

آپ ملا علی القاری کے معاصر ہیں

---

[۱] خلاصۃ الاثر ج ۱

میاں نجم الدّین مندوی

ولادت ۱۴۷۴ء / ۸۷۹ھ بمطابق ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء

آپ کی ولادت ۸۷۹ھ میں ہوئی ۔ شاہ جیو کے مرید تھے آپ نے ایکسو تیس سال کی عمر پائی ۔ آپ کے والد بزرگوار سلطان غیاث الدین مندوی کے وزیر تھے۔

آپ عالم و عارف با اثر صاحب حال دنیاداری سے علیحدہ تھے ۔ اور ستر چھپانے کی حد تک لباس پہنتے تھے ۔ آپ کی عمر سات برس کی تھی کہ آپ کے پیر و مرشد نے آپ پر توجہ کرکے اپنی جانب کھینچ لیا

کہتے ہیں کہ آپ نے احمد آباد میں ایک مردے کو زندہ کیا تھا اور اس واقعہ کے بعد آپ وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر کسی نے آپ کو وہاں نہ دیکھا ۔ چنانچہ احمد آباد سے روانہ ہوکر دہلی آئے ۔ زیادہ تر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے مزار پر حاضر رہتے تھے ۔ خواجہ صاحب کی روحانیت سے اجازت لے کر اجمیر گئے کچھ عرصہ بعد وہیں اجمیر میں انتقال کر گئے ۔

کہتے ہیں کہ خواجہ معین الدّین اجمیری رح نے اپنی اولاد میں سے کسی سے اس کے خواب میں کہا کہ شاہ نجم الدین کا زمانۂ وفات قریب آگیا ہے ۔ ان کو میرے کمرے کے سامنے دفن کرنا ۔ چنانچہ میاں نجم الدین کا مزار خواجہ کے گنبد کے پائیں میں ہے ۔ [1]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۶۵ ۔

سید حسین بن شیخ جلال بکھری

وفات ۱۲ رشعبان ۱۰۱۰ھ مطابق ۳ رفروری ۱۶۰۲ء

آپ حافظ، زاہد، عارف اور درویش تھے۔ اکثر وقت ورد اور تلاوت میں گزرتا تھا۔ گجرات سے ۹۸۲ھ میں خاندیس آئے۔ یہاں کے حاکم نے موضع جوکامہ میں وظیفہ مقرر کردیا۔ جوکامہ پرگنہ جوبرہ میں ایک گاؤں ہے۔ آپ نے اسی جگہ گوشہ نشینی اختیار کی، تیس سال خداپرستی میں گذارے۔ پھر ماہ رجب ۱۰۱۱ھ میں محمد پور چلے آئے۔ موضع محمد پور سرکار سارنگ پور میں ہے۔ محمد پور کا جاگیردار اپنے وقت میں یکتائے روزگار تھا۔ ناہر خاں نام تھا۔ پہلے سے آپؒ سے شناسائی تھی اور طبیعت بھی درویش دوست واقع ہوئی تھی۔ آپ کی تشریف آوری سے جاگیردار (ناہر خاں) بہت مسرور ہوئے۔

یہ ناہر خاں حسن و جمال میں یوسف ثانی تھے یہاں تک کہ روشن ضمیر پیر شاہ لطیف محمد (جو قطب عالم بخاری قدس سرہٗ کے پوتوں میں سے ہیں) مرید کے جمال پر فریفتہ ہوگئے تھے۔

مصنف گلزار ابرار لکھتے ہیں کہ یہ تماشائی داستان بڑی لمبی چوڑی ہے۔ اس کے جواہر جداگانہ نظم و نثر کے تاگے میں پروئے جارہے ہیں خدا کرے انجام کو پہنچ جائے۔

۱۰۱۰ھ میں جب اکبر شاہ کا لشکر برہان پور گیا تو اس صوبہ کے جاگیرداروں کو دوسری جاگیریں دے دی گئیں۔ اس سلسلہ میں ناہر خاں کو محمد پور مضافات سارنگ پور مالوہ دیا گیا۔ غرض ناہر خاں نے سید کی تشریف آوری کو مبارک سمجھ کر خوب خدمت کی یہاں تک کہ آپؒ نے ۱۲ رشعبان ۱۰۱۰ھ میں انتقال فرمایا اور قصبہ کے کنارہ قبر

بنائی گئی ۔ [1]

شیخ ولی محمد

متوفی ۱۰۱۰ھ بمطابق ۱۶۰۱ء

شیخ ولی محمد حنفی شطاری ۔ یکے از مشائخ شطاریہ ۔مولد و منشا ء چانپانیر ۔ آپ قاضی زادہ احمد آباد گجرات کے بیٹے ہیں ۔ ۹۸۱ھ میں جب شیخ صدرالدین ذاکر چانپانیر سے غوث الاولیاء کے مزار کی زیارت کے لئے احمد آباد کے راستہ سے گوالیار کو روانہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۱۸ رسال تھی ۔ اسی وقت سلوک وتصوف کا شوق پیدا ہوا اور آپ شیخ ذاکر کی خدمت میں پہنچے ۔ گھر بار چھوڑ کر آپ بھی ساتھ ہو گئے ۔شیخ ذاکر کی واپسی مانڈو ہوتے ہوئے ہوئی ۔ یہاں آپ نے کچھ مدت قیام کیا تو شیخ ولی محمد نے آپ کی صحبت میں رہ کر تین چلّے پورے کئے ۔ بعد میں آپ برہانپور مقیم ہو گئے ۱۰۱۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی ۔ آپ کے جنازہ میں بہت سے اولیاء شامل تھے ۔ [2]

شیخ داؤد حلّاج

متوفی ۱۰۱۲ھ بمطابق ۱۶۰۳ء

آپ کا وطن عماد پور ہے جو احمد آباد گجرات کے قریب ایک علاقہ ہے ۔ آپ کے چھوٹے بھائی شیخ خلیل کا بیان ہے کہ پیشہ وری چھوڑنے کا اولین باعث یہ ہوا کہ ایک روز آپ کے ساتھ دوسرے ہمعصر اطفال ایک گلی میں کھیل رہے تھے ۔ اس گلی میں شیخ بدھن گوڈریہ کا گذر ہوا ۔ آواز دی کہ جس کے پاس کچھ ہو اس گدا کو دو تمام لڑکے بھاگ گئے آپ نے

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۶۱ ۔ [2] نزہۃ الخواطر اردو ص ۵۲۹ ، گلزار ابرار صفحہ ۲۵۸

دلیری کرکے ایک تانبے کا پیسہ ہاتھ میں رکھ کر نہایت ادب کے ساتھ پیش کیا۔ شیخ بدھن نے وہ پیسہ لے لیا اور منہ کا لعاب اس نوجوان کے منہ میں ڈالا۔ اس وقت سے خداطلبی کی چنگاری دل کے تہ خانہ میں جاپڑی۔ ۱۰۱۲ھ میں وفات ہوئی۔ نوراللہ مرقدہ[1]

شیخ پیر محمد

وفات ۱۰۱۳ھ بمطابق ۱۶۰۴ء

شیخ پیر محمد بن شیخ جلال محمد قادری برہانپوری صاحب صلاح متقی اور پرہیزگار تھے۔ علامہ وجیہہ الدین علوی کے شاگرد شیخ یوسف بنگالی سے رسمی علوم پڑھے۔ پھر تادم حیات درس وتدریس میں لگے رہے۔ نماز صبح سے شام تک طلبہ کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے مدرسہ میں کبھی تعطیل نہیں ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ ایک مرتبہ والی ملک خاندیس نے آپکو بے انتہا تعظیم کے ساتھ اپنی مجلس میں تشریف آوری کی تکلیف دے کر بلایا اور اس بات کا اظہار کیا کہ بادشاہی خواہش یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات ملازم حضور ہوں آپ نے فرمایا کہ میں ایسے گروہ کی خدمت میں لگا ہوا ہوں جو علم کا طالب ہے لہذا مجھے فرصت ہی نہیں۔

پھر والی ملک نے کہا کہ ہم روزانہ آپ کو بلانا نہیں چاہتے۔ نہ طلبہ کے افادہ سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب کسی موقع کے مناسبت سے آپ کو یاد کیا جائے ضرور تشریف لائیں۔ اس پر آپ نے خاموشی سے گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا مسیح القلوب فرماتے ہیں کہ آپ پھر کبھی والی ملک کے دولت خانہ پر نہیں گئے۔ ۱۰۱۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ خوابگاہ برہانپور میں ہے۔[2]

---

[1] گلزار ابرار ص۴۷۵۔ [2] ایضاً ص۴۹۹۔

مُلّا شیخ اسحاق بکھری اسحاق

وفات ۱۰۱۸ھ مطابق ۱۶۰۹ء تقریبا

آپ ابتداءً سلطان محمود خاں بکھری کی ملازمت میں منسلک تھے۔ اور آخر میں مرزا غازی ترخانی کے ملازم مقرر ہوئے۔ سید حسام الدین راشدی نے لکھا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطان محمود خاں بکھری کی وفات کے بعد گجرات چلے گئے اس وقت گجرات میں خواجہ نظام الدین ہروی صاحب طبقات اکبری دیوان اور بخشی تھے۔ آپ ان سے وابستہ ہو کر ان کے وکیلِ مطلق العنان بنے۔

ذخیرۃ الخوانین میں ہے کہ شیخ اسحاق فاروقی اور ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف شیخ فرید بکھری ان کے مطلق العنان وکیل تھے۔ سندھ کے مشہور مؤرخ میر معصوم بھکری کو شیخ اسحاق کی محبت کھینچ کر گجرات لائی کہ دونوں نے بکھر میں ایک جگہ تعلیم پائی تھی۔ شیخ اسحاق نے میر معصوم کی گجرات تشریف آوری کو مغتنمات میں سے سمجھ کر صوبے دار گجرات شہاب الدین احمد خاں نیشا پوری سے سفارش کر کے دیوانی کی خدمت دلائی اور منصب مقرر کرایا۔

شیخ اسحاق اور میر معصوم بکھری نے خواجہ نظام الدین ہروی کو طبقات اکبری کی تالیف میں بھی مدد دی۔

ترخانی دور کے مشہور مؤرخ سید طاہر محمد نسیانی مؤلف تاریخ طاہری بھی شیخ اسحاق کے تلامذہ میں سے تھا۔ شیخ اسحاق کی عمر اور ان کے مدفن کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ قیاس ہے کہ انھوں نے میر معصوم کی وفات ۱۰۱۵ھ (۷-۱۶۰۶ء) کے دو تین سال بعد وفات پائی ہوگی۔ [۱]

---

[۱] تاریخ سندھ ج ۲ ص ۲۰۳ تا ۲۰۴

حاجی دبیر مصنف ظفر الوالہ بمظفر و آلہ

معاصر القاری و عبد الرؤف المناوی

(م ۱۰۲۰ھ بمطابق ۱۶۱۱ء کے بعد)

شیخ عبداللہ محمد بن سراج الدین، عمر بن کمال نہروالی گجراتی معروف بہ حاجی دبیر محدث مورخ اور ادیب تھے۔ ۱۵۳۹ء/۹۴۶ھ کے لگ بھگ حجاز میں پیدا ہوئے اور شیخ عزالدین زمزمی اور شیخ ابن حجر ہیثمی سے استفادہ کیا۔ ۱۵۵۴ء/۹۶۲ھ میں ہند آکر وزیر محمد الغ خاں کے ملازم ہوئے اور اس کے لئے ایک کتاب "فواتح الاقبال و نوائح الانتقال" تصنیف کی۔ ان کی مشہور کتاب "ظفر الوالہ بمظفر و آلہ" (گجرات کے خاندان مظفری کی تاریخ) تین جلدوں میں حکومت ہند نے سر ڈینی سن راس کے زیر اہتمام شائع کی ہے۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ بہر حال آپ ۱۶۱۲ء/۱۰۲۰ھ میں بقید حیات تھے۔

شیخ عبداللہ بن محمد بن عمر المکی الآصفی الغخانی کی نادر کتاب "ظفر الوالہ بمظفر وآلہ" ان چند گنی چنی کتب تاریخ میں سے ہے جو ہندی علماء نے عربی زبان میں تصنیف کیں اور ان میں اسلامی ہند کی تاریخ قلمبند کی۔ "ظفر الوالہ" دو دفتروں پر مشتمل ہے۔ دفتر اول میں آل ظفر کے ان شاہانِ گجرات کی مفصل تاریخ ہے جنہوں نے ۱۳۹۶ء سے ۱۵۷۲ء تک حکومت کی۔ ضمنی طور پر اس دفتر میں دکن اور خاندیس کے سلاطین کی تاریخ بھی مذکور ہے۔ دفتر ثانی میں شمالی ہند کے ان تمام شاہی خاندانوں کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے جنہوں نے بارہویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک مختلف اوقات میں مختلف علاقوں پر حکومت کی۔ مصنف نے اپنی اس کتاب میں تمام معتبر کتب تاریخ سے استفادہ کیا ہے جو فارسی میں اس وقت دستیاب تھیں۔ مثلاً: ابوالفضل، "الجرجانی" اور

؛ضیاء البرنی ، کے علاوہ ؛ مرآۃ سکندری ؛ ؛ تاریخ عجمی ، تحفۃ السعادات ، اور ؛ تاریخ بہادر شاہی ، کے اقتباسات مصنف نے بکثرت دیئے ہیں ۔ [1]

اوائل خدمتی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ ایک دن میں فوجی چھاؤنی کی طرف سیر کے لئے نکلا میں دیوان میں تھا، میں دیکھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اعتماد خاں پر کس قدر انعامات فرما رکھے ہیں، قبے، قالینیں جو دیباج واستبرق سے بنائی گئی ہیں ۔ میں دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ آنے جانے والوں سے غافل تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ حیرت خاں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تو میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا وہ مجھے اپنے خیمے میں لے گئے اور مجھے چھوڑ نہیں رہے تھے ۔ انہوں نے مجھے ایک گھوڑا، اونٹ، خیمہ اور دوسو محمودی سکے عنایت کئے ۔ اور میرے محسن الغ خان تھے ۔ تو مروت نے اس سے انکار کیا کہ میں اپنے امیر کو چھوڑ کر بغیر کسی وجہ کے الگ ہو جاؤں اس لئے میں شہر واپس لوٹ آیا اور سعید بدرالدین حسن دہلماٰنی جہانگیر خان کے وزیر وہ بھی مجھ پر بڑی عنایت فرماتے تھے، اور تمام بندر دہ/بنادر کے تاجر حضرات سے خط و کتابت رہتی تھی ۔

؛ واکثرھما ذات عرب ، اور تاجروں کی اکثریت عرب حضرات تھے ۔

؛ وکنت اکفیہ ذلک ، مصنف فرماتے ہیں کہ تمام کام میں انجام دیتا تھا ۔ تو ایک دن وہ مجھے جہانگیر خان کے پاس لے گئے اور ان سے کہنے لگے کہ ہمارے دیوان کو ان جیسے کی بڑی سخت ضرورت ہے اور ابھی تو ہمارے قبضے میں ہیں تو جہانگیر خان مجھ سے پوچھنے لگے کہ حیرت خان کی طرف سے تمہیں کیا ملتا ہے ۔ میں نے کہا کہ دوسو محمودی ۔ کہا ہیسے ہیں ؟ میں نے کہا اتنا ہی اور باقی وعدے پر بھی ، کہنے لگے ؛ بین الیاس والرجاء ، اس کے بعد فرمایا کہ میری طرف سے

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۲۹۳، ۲۹۴ ج ۱ ۔

سو محمودی ہر مہینے تمہیں پابندی سے ملا کریں گے۔ تو اسی پر میں کام کرتا رہا جب تک الغ خان نے مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ [۱]

مصنف ظفر الوالہ اس وقت بھی الغ خان کے ساتھ تھے جب ۹۶۷ھ میں چنگیز خان کے ساتھ الغ خان کی صلح پر گفتگو ہو رہی تھی اور اس وقت مصنف کے ساتھ شیخ صوفی سلیم الدین استنبولی بھی تھے۔

مصنف اور شیخ عبداللطیف کا تعلق۔

۹۶۷ھ کے واقعات میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "وکان یعرف ما بینی و بین رفیقی صدیقی ثقتی برکتی صهری ظهیری ادیب الزمان مولانا عبداللطیف بن محمد سجوقی المدنی دبیر جنگیز خان من النسبة و المحبة" ، مصنف الغ خان کے دبیر تھے اور شیخ عبداللطیف چنگیز خان گجراتی کے دبیر تھے۔ [۲]

صاحب ظفر الوالہ! لکھتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے گجرات واپس لوٹا تو جس کشتی میں سورت کے لئے سوار ہو کر آیا اس کا نام تھا تیز رو، اس وقت ان کشتیوں اور بندر سورت کے علاقے کا مالک اکبری امیر محمد قلیج خاں تھا جب سورت بندر قریب پہنچ گیا تو جو سامان کشتی میں آیا تھا اس میں سے عمدہ کپڑا نکال کر اس کو قینچی سے کاٹا جانے لگا۔ سب سے پہلے قینچی جو چلائی گئی وہ سورت کے قدیم بندر جس کا نام منیر بار رانیر تھا، وہاں کے مشہور ولی کبیر مولانا شیخ عثمٰنی کے مزار کے مجاورین کو بھیجا گیا۔ پھر مجاہد شہید مرجان کے مزار کے مجاورین کے کے لئے بھیجا گیا۔ [۳]

---

[۱] ظفر الوالہ بمظفر والہ ص ۴۴۳ [۲] ایضاً ص ۴۳۶، ۴۶۹، ۵۴۷ [۳] ایضاً ص ۵۸۰۔

تاریخ ادبیات میں آپکا تذکرہ اس طرح ہے کہ : مصنف عبداللہ بن محمد بن عمر النہروالی الاصفی الغ خانی ہیں ۔ جو حاجی وبیر کے نام سے زیادہ معروف ہیں ۔ ان کا زمانہ حیات دسویں صدی ہجری کا آخری اور گیارہویں کا ابتدائی حصہ تھا ۔ مصنف ۹۴۶ھ ۱۵۴۰ء کے قریب مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۹۶۳ھ بمطابق ۱۵۵۵ء میں جب انکی عمر کوئی سولہ سال تھی وہ پہلی مرتبہ ہندوستان آئے ۔ اس کے تین سال بعد وہ اپنے پہلے آقا محمد الغ خاں حبشی کی ملازمت میں داخل ہوئے جو گجرات کا ایک ممتاز امیر تھا ۔ اور عماد الملک سے منسلک تھا ۔ ۹۸۰ھ بمطابق ۱۵۷۲ء میں جب اکبر احمد آباد میں داخل ہوا تو الغ خان کے قید ہو جانے کیوجہ سے مصنف بے روزگار ہو گئے ۔ لیکن ایک سال بعد ہی گجرات سے وقف کا روپیہ مکہ معظما اور مدینہ منورہ لے جانے کا کام ان کو تفویض کر دیا گیا ۔ ۹۸۳ھ بمطابق ۱۵۷۵ء میں وہ ہندوستان واپس آئے اور گجرات کے ایک اور امیر سیف الملک کی ملازمت اختیار کی ۔ اس کے بعد وہ خاندیس کے ایک ممتاز امیر فولاد خان کی ملازمت میں داخل ہو گئے ۔ انکی صحیح تاریخ وفات کا علم نہیں تاہم یہ معلوم ہے کہ ۱۰۲۰ھ بمطابق ۱۶۱۱ء میں وہ بقید حیات تھے ۔

یہ کتاب دو دفتروں میں منقسم ہے ۔ دفتر اول کا تعلق گجرات کے مظفری سلاطین سے ہے جنہوں نے ۷۹۹ھ سے ۹۸۰ھ تک حکومت کی ۔ (۱۳۹۶ء تا ۱۵۷۲ء) اس دفتر میں خاندیس اور دکن کے حکمرانوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے ۔ دفتر دوم میں ان مختلف حکمران خاندانوں کی مختصر تاریخ قلم بند کی گئی ہے جنہوں نے بارہویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک شمالی ہند پر حکومت کی تھی ۔ مشہور مستشرق پروفیسر ڈینی سن راس نے اس کتاب کی اہمیت کو سب سے پہلے محسوس کیا اور اس کو مرتب کر دیا یہ ایڈیشن تین جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد میں ایک عالمانہ مقدمہ بھی شامل ہے ۔ فاضل مرتب نے لکھا ہے کہ یہ کتاب صرف بادشاہوں کے حالات تک محدود

نہیں۔ اوراس کی اہمیت اس سے بڑھ کر ہے۔ پہلی جلد کا بڑا حصہ تاریخی، سواتحی اور کتابیاتی اضافوں پرمشتمل ہے جو پڑھنے والے کو ایک طرف تو اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ کی طرف پیچھے اور دوسری طرف سترہویں صدی کے آغاز کی تاریخ تک آگے لے جاتے ہیں۔

بعض جگہ تحریر میں بے احتیاطی کے باوجود یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہونے۔ اور پرورش پانے والے شخص کی عربی ہے اور دوسرے ہندی اور فارسی ناموں کا تلفظ صحیح ہے کیونکہ بدیسی ہونے کی وجہ سے مصنف نے اس بات کا بہت خیال رکھا ہے کہ سب نام بالکل صحیح اور واضح طور پر لکھے جائیں۔ [۱]

نزھۃ الخواطر میں بھی آپ کے حالات ملتے ہیں، اس طرح کہ الشیخ محمد شاہ بن عمر آصفی الغخانی مکی، شیخ عبداللہ بن سراج الدین بن کمال الدین نہروالی۔ حدیث وعلوم اور ادب کے ماہر علماء میں آپ کا شمار تھا۔ آپ نے گجرات کی تاریخ میں ظفرالوالہ فی اخبار المظفر والہ، تالیف فرمائی۔ اور دوسری فواتح الاقبال ونوائح الانتقال یہ بھی علم تاریخ میں عربی زبان میں تصنیف فرمائی، جیساکہ آپ نے ظفر الوالہ میں تصریح کی ہے۔

آپ کا مولد ومنشا مکہ مکرمہ ہے آپ کے والد سراج الدین عمر نے جو وزیر گجرات آصف خان کے وکیل تھے م ۹۴۲ھ میں گجرات سے حجاز کا سفر کیا ہے اسی سفر میں ۹۴۶ھ میں محمد بن عمر آصفی کی مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔ جب آپکا سن پندرہ برس تھا اس وقت بھی آپ مکہ مکرمہ میں تھے مکہ مکرمہ کے علماء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ صاحب نزھۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے شیخ عزالدین عبدالعزیز زمزمی اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی وغیرہ مشائخ

---

[۱] عربی ادبیات صد ۱۸۰۔

سے پڑھا، اس لئے کہ دونوں مشائخ ان حضرات میں سے تھے جن کے لئے سلطان محمود احمد آبادی کی طرف سے وظیفے جاری تھے اور سلطان محمود کے مکہ مکرمہ میں قائم کئے گئے مدرسے میں مدرس تھے۔

غرضیکہ آصفی نے مکہ مکرمہ میں طویل قیام کیا ہے، اور جب آصف خان ۹۵۲ھ میں گجرات واپس لوٹے اور ۹۶۱ھ میں شہید کئے گئے۔ اس وقت آصفی مکہ مکرمہ میں تھے اور اپنے والد کے ساتھ رہتے تھے۔

آصف خان کی شہادت کے بعد پھر وہ ہندوستان آئے مگر ہندوستان آنے کا سن معلوم نہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ ۹۸۱ھ میں ہندوستان واپس لوٹے ہیں اس لئے کہ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ۹۸۰ھ میں معلم حیات ہروی سے عجم کی بندر ہرمز میں ملا ہوں تو شاید حجاز سے گجرات لوٹتے ہوئے سفر میں ان سے آپ کی یہ ملاقات ہوئی ہے۔ گجرات پہنچنے کے بعد امیر سیف الملوک مفتاح الغخان حبشی کے مقربین میں رہے اور طویل عرصہ ان کے کاتب بنکر ان کی ملازمت میں رہے جیسا کہ خود آپ نے لکھا ہے۔ آپ ۹۹۱ھ میں امیر سیف الملوک کے ساتھ احمد نگر میں بھی رہے اور آپ نے اسی امیر سیف الملوک الغخان مذکور کے لئے "فواتح الاقبال ونوائح الانتقال" نامی کتاب تاریخ میں لکھی ہے۔ امیر سیف الملوک کے بعد آپ عبدالکریم بن جھنجھار خان حبشی (جنکا لقب فولاد خان تھا۔ جنکی وفات ۱۰۱۴ھ میں ہے) کی ملازمت میں رہے۔

آصفی گجرات کے بارے میں کہتے ہیں۔

کجرات من القی عصاہ بھایجد	عنہا بھند مایسوء بمعزل
مراۃ فردوس لذ لك سلوۃ	فیھا لآدم کان اول منزل
روح وریحان و فاکھۃ کذا	طیر ویجری ماءھا یتسلسل

الّا تلفت لو یکون بدارکا لثلثۃ یذھبن حزما یختلی
ولدانھا کالحور عِزُّمنالھم الیٰ الثریا من ید المتناول
انفوا التکحل غیرۃ منھم کما یحمون ثغرا باردا عن تنبل
کانوا فبانوا شرحل بارضھم من لا یری رأی الفتی المتأھل
ففشا التکحل والتنبل فابتلی یا صاح من سکنی الغریب مراتبلی، [۱]

شیخ عبدالقادر

وفات ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۲ء تقریباً

آپ ابی محمد، ابن ابی احمد، ابن ولی ہامون بغدادی کے فرزندِ رشید اور سید جمال بہتری / بہتری کے مرید ہیں، زاد بوم باب الازج، بغداد جدید ہے۔ اسی میں قطب الاقطاب سید محی الدین عبدالقادر جیلانی کی خوابگاہ ہے۔ پل کی دوسری طرف والی آبادی کا نام بغداد قدیم ہے۔ اس میں امام موسیٰ کاظم کی آرام گاہ ہے۔ اہل بغداد اسی کو برجِ اولیاء کہتے ہیں جس کے اندر ایک روایت کے مطابق چوبیس ہزار نامدار مشائخ محو آرام ہیں۔

غوثی لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ کے حالات راقم نے دریافت کئے تو فرمایا " ایزدی مشیت کے بموجب میں اپنی زاد بوم میں ڈھائی برس کی عمر کو پہنچ کر بے باپ ہوگیا۔ لہٰذا عم مکرم نے میری پرورش اپنے ذمہ لی۔ نو برس کی عمر میں کلام ربانی حفظ کر لیا۔ جب گیارہویں سال کا آغاز ہوا تو عم مکرم مجھ کو اپنے ہمراہ بندر گوہ لے گئے وہاں پر عم مکرم سامانِ سفر باندھ کر اس جہاں کو روانہ ہوئے۔ میں جب تک سولہ برس کا نہیں ہو لیا تب تک اس بندر سے نکلنا نہیں ہوا۔

---

[۱] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۔

اَلقصّہ ۹۶۲ھ میں (کہ یہی سال سلطان مظفر بن محمود کے جلوس کا ہے) احمد آباد گجرات میں آیا۔ یہاں پر چند روز سرکھیج کے مدرسہ میں فقیہہ حسن عرب کی ملازمت میں علوم ادب کی تحصیل کی فقیہہ صاحب دابہولی کر کے مشہور رہیں۔ اس کے بعد شیخ حسین بغدادی کی شاگردی سے علوم عقلی حاصل کیا۔ اسی اثنار میں قاضی علاء الدین عیسیٰ احمد آبادی کی خدمت میں علم کلام کی کتابیں پڑھیں بالآخر اپنی جملہ تحصیل کو شیخ وجیہہ الدین علوی شطاری کی خانقاہ میں رہ کر کمال کے درجہ پر پہنچایا۔ ۹۸۰ھ میں جب کہ اکبر شاہ نے گجرات فتح کیا۔ میں نے تحصیل علم کے واسطے دارالسلطنت آگرہ کی طرف سامان باندھا۔ چند روز بعد شرح تجرید کا قدیم حاشیہ تحریر اقلیدس محطی، شرح تذکرہ مولانا نظام اعرج اور نیز دیگر بعض عربی علوم، علامی میر فتح اللہ شیرازی کے درس میں سنکر شہرستان خاطر کی آئینہ بندی کی۔ پورے ایک ہزار سال ہجری ۱۰۰۰ھ میں ملک الشعرار فیضی فیاضی بن شیخ مبارک خضر، نہایت خواہش کر کے مجھے اپنے ہمراہ دکن لے گئے۔"

غوثی فرماتے ہیں کہ میں بھی اپنے وطن سے جو دکن کے عین راستہ پر واقع ہے طوعاً وکرہاً ہمراہ ہو کر اس جانے میں شریک تھا۔ جب بازگشت ہوئی تو آپ اجین کے اندر ملک الشعرار کی ہمراہی سے رہ گئے تھے۔ یہاں پر اس شہر کے طالبان علم کی فیض رسانی شروع کی۔ ۱۰۲۱ھ تک آپ کے وجود سے مسند فیض رسانی رونق پر تھی۔ اسی جگہ عقد بھی کر لیا تھا۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی اس بیوی سے ہیں ابو علی فیاض اور ابالحسن فیاض نام ہیں۔ اور نیز ان دونوں تاج دانش کے گوہروں کی تاریخ ہائے ولادت بھی ہے۔ اول الذکر فرزند نے ۱۰۱۹ھ میں عالم روحانی کو کوچ کیا۔ دوسرے فرزند بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر طبعی کو پہنچائے۔

تصنیفات:۔ قصائد عربی کا ایک دیوان متنبیانہ طرز پر، ہر ایک فن کی کتابوں

پر جستہ جستہ حاشیے ، عربی عبارت کا ایک رسالہ جو نہایت سنجیدگی اور رنازگی کے ساتھ ملک الشعراء کے بعض حالات کے بیان میں ہے ۔ اور ایک رسالہ علم کی تعریف میں متکلم اور حکیم کی طرز پر جو شیخ ابوالفضل مبارک کے نام سے معنون ہے اس قدر آپ کی تصنیفات ہیں ۔ [۱]

میر محمد ہاشم سنجر کاشی

متوفی ۱۰۲۱ھ بمطابق ۱۶۱۲ء / ۱۶۱۳ء

آپ بڑے اونچے شاعر تھے ، ۱۰۰۰ھ یا ۱۰۰۲ھ میں ہندوستان پہنچے ۔ اور اکبر بادشاہ کے ملازم ہوگئے ۔

غالباً ۱۰۰۸ھ (۱۶۰۰-۱۵۹۹ء) کے لگ بھگ میر سنجر پر عتاب شاہی ہوا ۔ آپ کچھ دن گجرات میں راجا سورج سنگھ کے پاس نظر بندی میں رہے ۔ جب آزاد ہوئے تو آپ بیجاپور پہنچے اور شاہنواز خاں کے توسل سے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دامن دولت سے وابستہ ہوگئے ۔ یہیں سے شاہ ایران نے بلوا بھیجا ۔ ابھی آپ سفر کی تیاریوں میں تھے کہ اسہال شروع ہوئے اور ۱۰۲۱ھ (۱۳-۱۶۱۲ء) میں وفات پائی ۔ [۲]

شیخ عبدالقادر لاہوری

وفات ۱۰۲۲ھ بمطابق ۱۶۱۳ء

معمر فقیہہ عبدالقادر بن محمد بن زین العابدین بن عبدالقادر بن محمد شریف حسنی اُچی

---

[۱] گلزار ابرار ص ۵۴۸ ، ۵۴۹ ۔ [۲] تاریخ سندھ ص ۳۰۶ ، ۳۰۵ ۔

ثم اللاہوری ۔ جو معروف مشائخ میں سے ہیں ۔ اپنے والد سے علم حاصل کیا ۔ اور اس کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے ۔

بدایونی "منتخب التواریخ" میں لکھتے ہیں کہ اکبر شاہ نے آپ سے مکہ مکرمہ کے سفر کی درخواست کی ۔ چنانچہ آپ گجرات تشریف لائے ۔ وہاں کے امراء نے حکم شاہی کے موافق آپ کے حجاز کے سفر کا انتظام کیا ۔ حج و زیارت سے فارغ ہو کر آپ واپس ہندوستان لوٹے اور لاہور میں افادہ و عبادت میں مصروف ہوئے ۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ آپ بڑے متقی، زاہد اور نیک علماء میں سے تھے۔ عبادت آپکا شیوہ تھا ۔ ۱۰۲۲ھ میں لاہور میں آپ نے انتقال فرمایا ۔ اور لاہور میں دفن کیے گئے ۔ [1]

شیخ خوب محمد چشتی

متوفی ۱۰۲۳ھ

آپکے مفصل حالات نہ مل سکے مرآۃ احمدی میں یہ سطور تحریر ہیں ۔

خوب میاں محمد چشتی ۔ آپ درویشِ کامل تھے اور بڑے اونچے شعراء میں سے تھے ۔ تصوف میں آپ کو دسترس حاصل تھی ۔ "جام جہاں نما" پر آپ نے شرح تحریر فرمائی ۔ جس کا نام "امواج خوبی" ہے ۔ آپ کی دوسری تصنیف خوب ترنگ بھی مشہور و معروف ہے ۔ آپ نے ۱۰۲۳ھ میں ۲۴ رشوال کو انتقال فرمایا ۔ کسی نے آپ کی تاریخ وصال اردو میں کہی ہے "خوب تھے" ۔ آپکا مزار فرحت الملک کی مسجد سے متصل احمد آباد کے چوک میں واقع ہے ۔ [2]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۷۹ [2] خاتمہ مرآت احمدی صہ ۱۰۳ ۔

شیخ خوب محمد حنفی چشتی، علم ومعرفت میں ممتاز تھے۔

میاں صاحب ولی کامل اور عابد مرتاض تھے، رات دن خدا کی عبادت میں مصروف اور اس کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ علم دین کے متبحر عالم تھے انکے ارادتمندوں کا حلقہ بھی وسیع تھا۔ انہوں نے اس کتاب میں اپنے مرشد کا نام شیخ کمال محمد سیستانی بتلایا ہے، شیخ کمال محمد کی ہستی بھی اس وقت کے اولیائے عظام میں سے تھی گو آپ سیستان میں پیدا ہوئے لیکن عمر کا بڑا حصہ بغداد میں بسر فرمایا۔ اس زمانے میں آپ جیلانی بسطامی شاہ کے لقب سے مشہور تھے۔ چنانچہ آپ خوب ترنگ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو جو عذر کتاب کے تحت درج ہے۔ ؎

ہیں مرشد تھیں سنیاں بیان	دی مرشد صاحب عرفان
جنھوں مجھی سکھلایا دین ؛	جنھیں مجھ دل ہوا الیقین
جیلانی بسطامی شاہ !	بغدادی جس چستر کلاہ !
ہر باطنی پر ہجت لیکھ !	ہوں معتقد ہوا آن دیکھ
وارث محمدی ہر تھا نون	شیخ کمال محمد نانون !
کیا عروج مقام اقدام	اللھم اغفر وارحم [1]
کہ تاریخ تنہوں کی خوب	جن عد دون ذاکر مجبوب

؛ ذاکر مجبوب سے ۹۷۹ھ نکلتا ہے۔

ان کو تھا یہ علم کمال	ہذا العلم افواہ الرجال

اس کے چند سطر بعد کتاب کا نام بھی درج فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔

وہ جو تجہ کون آئی ترنگ	جمع کئی ئی تس نس ڈھنگ

پیش نظر ایک نسخہ میں اس شعر کی شرح فارسی میں یوں درج ہے۔

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ۱۵۲۔

یعنی از آں جرعہ دریا نما موجے کہ نزد جمع کردم۔

خوب ترنگ تس دیا خطاب — مدح رسول اللہؐ کی باب

شیخ خوب محمد گجرات کے باشندے تھے اور احمدآباد کے مضافات میں رہتے تھے۔ وہ اس کتاب میں "ہم عذر خواہی در نظم" کے عنوان میں پہلے شعر کی شرح یوں تحریر فرماتے ہیں۔

جیوں مری بولی ہین بات — عرب عجم مل ایک سنگھات

یعنی چنانچہ ہر ایک شعر از زبان خود شعر می گویند من بزبان گجراتی کہ آمیز ست بالفاظ عربی وعجمی بے کم وبیش می گویم عیب نکنید۔

تحفۃ الکرام کی جلد اول میں ص۳۲ پر خوب محمد کے متعلق حسب ذیل سطور درج ہیں "میاں خوب محمد چشتی درویش کامل وصاحب لسان وصاحب سخن بودند در تصوف دست رسا داشتہ وبرجام جہاں نما شرح نوشتہ امواج خوبی وخوب ترنگ نیز از ایشان یادگار مشہور ومعروف است۔

بست وچہارم شہر شوال سنہ یکہزار ویکصد وسہ بعالم دیگر انتقال نمودند تاریخ وصال "خوب تھے" گفتہ است۔ قبر شریف در چوک احمدآباد متصل مسجد فرحت الملک دروازہ واقع است[1]" مصنف خوب ترنگ کے اجداد کے خاندان کا خاص تعلق حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے ہے، قادری اور شطاری خاندان میں بھی پیری مریدی کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ محمد یحیٰ قادری دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

قادری وشطاری است اور طریق
لطف حق بودہ ہر حالش رفیق

خوب ترنگ ۱۵۷۸ء مطابق ۹۸۶ھ میں تصنیف ہوئی، اس کے چودہ سال

[1] تاریخ ادبیات ص۳۴۳

بعد مصنف کو اس کی شرح ۱۵۹۲ء مطابق ۱۰۰۰ھ میں لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس کتاب کا صحیح نام خوب ترنگ ہے۔ اس کا آغاز دوسری ماہ شعبان بروز دوشنبہ ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء میں ہوا ہے اور تقریباً چھ ماہ کے عرصہ میں اس کتاب کی تحریر اختتام کو پہنچی۔

یعنی محرم کے مہینے میں ختم ہوئی۔ چنانچہ مصنف کی لکھی ہوئی تاریخ ملاحظہ ہو۔

نسخے کی تاریخ اس بھتانہ

پائے عدد ہر مصرع مانہ

خوب محمد کہی بچارا :

چودہ گھاٹ اس برس ہزار

دوجا چاند سو تھا شعبان

دلیس دوشنبہ کھیا بیان

توگویا کتاب ۹۸۶ھ میں مکمل ہوئی۔ شاہ صاحب کبھی اپنا تخلص خوب اور کہیں پورا نام خوب محمد بھی نظم کرتے تھے۔ [۱]

تاریخ ادبیات میں ہے کہ : شیخ خوب محمد چشتی احمد آباد گجرات کے رہنے والے مشہور بزرگ اور صاحب تصنیف درویش تھے۔ نسبت ارادت شیخ کمال الدین سیستانی (م۔ ۱۰۰۹/۱۶۰۰ء) سے تھی جو شیخ وجیہ الدین معتقد شیخ محمد غوث گوالیاری کے شاگرد اور خلیفہ تھے اور گجرات میں رہا کرتے تھے۔ لیکن پھر کسی بات پر سلطان مظفر شاہ والی گجرات سے ناراض ہو کر مالوہ چلے گئے تھے۔ بعد میں پھر احمد آباد آگئے ہوں گے سید ظہیر الدین مدنی اپنے مضمون : گجرات میں مذہبی مثنویاں : میں لکھتے ہیں کہ ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء بمقام احمد آباد آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ خوب محمد چشتی نے تصوف اور علوم ادب پر چند کتابیں گوجری زبان

---

[۱] معارف ج ۲ ۲۷

میں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام "بھاؤ بھید" ہے۔ ایک نسخہ مولوی عبدالحق مرحوم کے پاس تھا۔ اس میں شاعری کے صنائع کا ذکر گوجری زبان میں کیا گیا ہے۔ اصل صورت کچھ یوں ہے کہ صنعتوں کی تعریف اور تشریح فارسی میں ہے، لیکن ساتھ ہی گوجری زبان میں مفہوم ادا کر دیا گیا ہے، مثالیں بھی گوجری زبان کی ہیں۔ یہ سب کی سب منظوم ہیں۔ اور شیخ خوب محمد چشتی کی اپنی تصانیف میں سے ہیں۔ مثال کے طور پر شاعری کی "صنعتِ تضاد" کے متعلق کہتے ہیں کہ "صنعت تضاد آں است کہ الفاظ چند ضد یک دیگر باشند" یعنی صنعت تضاد وہ ہے کہ چند الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مثال یہ دی ہے۔

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اسے کہیں جا کا نہ

اس میں پکڑنا اور چھوڑنا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

"چھند چھنداں" اسی قبیل کا ایک اور رسالہ ہے۔ جس کا تعارف ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے ایک مضمون "اردوئے قدیم کے دو نادر مخطوطات" میں کرایا ہے۔ دراصل اس کتاب کے دو حصے ہیں یا یوں کہئے کہ یہ دو الگ الگ رسالے ہیں۔ پہلے رسالے میں صرف عروض ہندی کا ذکر ہے اور ہندی کے اوزان کی فارسی اوزان سے مطابقت دکھائی گئی ہے۔ دوسرے رسالے میں عروض کی باتیں ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی زبان کے ساتھ ہندی کی تال بھی لکھی ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں کہ اس موضوع پر اردوئے قدیم میں یہ غالباً پہلی تصنیف ہے۔ یہی حال "بھاؤ بھید" کا معلوم ہوتا ہے۔ ان تصانیف کا اس حیثیت کے علاوہ کہ مقامی زبان میں عروض اور صنائع پر یہ ابتدائی رسالے ہیں۔ یہ اہمیت بھی ہے کہ مصنف نے فارسی بحروں کو ہندوی میں مقبول بنانے کی کوشش کی ہے۔ بقول پروفیسر ابراہیم ڈار اس انقلاب انگیز تغیر نے اردو کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔ یعنی اس کی وجہ سے مقامی زبان میں فارسی بحروں اور خیالات کو منتقل کیا ہے۔

شیخ خوب محمد چشتی کی تیسری تصنیف ،خوب ترنگ، کے نام سے ہے ۔ ڈاکٹر محی الدین زور نے ،اردو شہ پارے، میں اس کا نام ،خوش ترنگ، لکھا ہے ،معروف نام ،خوب ترنگ، ہے ۔کتاب مثنوی کی طرز پر ہے ۔ اور اس کا موضوع تصوف و عرفان ہے ۔ خوب محمد چشتی نے اسکی شرح بھی فارسی نثر میں لکھی تھی ۔ شرح کا نام ،امواج خوبی، ہے ،خوب ترنگ، چھوٹی بحر کی مثنوی ہے ۔ زیادہ حصہ وحدۃ الوجود یا توحید وجودی کے اثبات اور تشریح میں ہے ۔ ہندو بھگتوں اور موحدوں اور ویدانتی فلسفۂ حیات کے زیر اثر وحدۃ الوجود کا جو غلط تصور عوام اور بے خبر خواص میں پھیل چکا تھا ۔ یہ مثنوی اس کا رد کہی جاسکتی ہے ۔ اس میں خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اس کی صفات کے عمل ، صفات اور کائنات کے تعلق ، صفات اور ذات کے ربط وغیرہ کی باتیں وجود کے مختلف مراتب کے تعین کے ساتھ کی گئی ہیں ۔ اور خدا تعالیٰ کو ہر شئی کی حقیقت ہونے کے باوجود ہر شئی سے منزّہ دکھایا گیا ہے ۔ [1]

طرزِ شعرگوئی:۔ جب شیخ خوب محمد چشتی (م ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) نے شاعری شروع کی تو انہوں نے باقاعدہ طور پر فارسی زبان و ادب سے استفادہ کیا ۔خوب محمد چشتی نے جکری دوہرہ اور عقدہ کی صف اور ٹکنیک کو چھوڑ کر مثنوی کو اظہار کا ذریعہ بنایا ۔ اور فارسی بحور استعمال کیں ۔ یہ عمل ہندی میں نیا اور فارسی اسلوب ، آہنگ و طرزِ احساس کو اپنانے کی طرف پہلا قدم تھا ۔خوب ترنگ، کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زبان میں بیان کی قدرت بڑھ گئی ہے ۔

،امواج خوبی، میں ، عذر خواہی ، کے عنوان کے تحت اپنی گجری اردو کے بارے میں ، من بزبانِ گجراتی ، کہ بالفاظ عجمی و عربی آمیز است ہمچناں گفتم ، کے الفاظ لکھتے ہیں ۔ ،خوب ترنگ، جس میں شیخ کمال محمد سیستانی کے اقوال و

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۲۲ - ۲

ہدایت کو نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اسکے متعلق خوب محمد چشتی نے لکھا ہے کہ "ایں مثنوی گجراتی را خطاب خوب ترنگ دارم" مثنوی "خوب ترنگ" میں ایک جگہ یہ شعر ملتا ہے۔

جیوں دل عرب و عجم — سن بولی بولی گجرات

اور ایک جگہ وہ اسی بات کو یوں ادا کرتے ہیں۔

جیوں میری بولی منہ بات — عرب و عجم ملا ایک سنگہات

فتح گجرات کے بیس سال بعد ۱۵۹۱ء / ۱۰۰۰ھ میں خوب محمد چشتی نے اپنی گجراتی (قدیم اردو) مثنوی "خوب ترنگ" کی فارسی میں شرح لکھی، اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ "اینجا قصد شعر مبین حفظ مراتب نکرد که مضمون مراتب بنہایت مغلق و اشکالے تمام دارد و اگر قصد رعایت شعر باشد از افہام مستعان دور تر افتد که ما وسعنی فی الارض ولا فی السماء ہر که در زمین و آسمان نگنجد در وزن شعر و قافیہ چگونہ سنجد" ۔ [۱]

شیرانی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ "گجرات کے مورخ صاحب مرآۃ احمدی نے انہیں صوفی کامل اور شاعر، صاحب سخن بیان کیا ہے۔ تصوف کے میدان میں ان کا مرتبہ بلند ہے۔ جام جہاں نما پر ایک شرح "امواج خوبی" اور "خوب ترنگ" انکی مشہور و معروف تصنیفات ہیں۔ مرآۃ احمدی کی عبارت ہے۔

"درویش کامل و صاحب لسان و صاحب سخن بودند، در تصوف دست رسا داشتند و بر "جام جہاں نما" شرح نوشتہ۔ "امواج خوبی" و "خوب ترنگ" از ایشاں یادگار مشہور و معروف است"۔ (مرآۃ احمدی ص ۶۷)

ان کے ذہنی کارنامے تصوف کے میدان تک ہی محدود نہیں بلکہ دیگر فروع علوم کو بھی شامل ہیں۔ ہندی اور فارسی عروض پر انکی ایک تصنیف کا ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔

ان کے واقعات زندگی پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ صرف اس قدر معلوم

[۱] تاریخ ادبیات ص ۳۷۷۔

ہے کہ ان کا انتقال ۲۴ شوال ۱۰۲۳ھ میں ہوا، اور چوک احمد آباد میں مسجد فرحت الملک کے پاس خانپور کے دروازے کے قریب مدفون ہیں، انکی وفات کی تاریخ "خوب بخشے" سے برآمد ہوتی ہے۔

خوب محمد کا نام انکی ہندی مثنوی "خوب ترنگ" تصنیف ۹۸۶ھ اور اس کی فارسی شرح تالیف ۱۰۰۰ھ کی بنا پر اب تک زندہ ہے۔

انکی فارسی شرح "امواج خوبی" کی تاریخ تالیف شعر ذیل سے نکلتی ہے۔

عدو شمار ز تاریخ "شرح نعت محمد"

ہزار سال مکمل ز "فکر خوب محمد"

"شرح نعت محمد" اور "فکر خوب محمد" اس کے مادہ تاریخ ہیں۔ ایک اور شعر جس میں مصنف نے ایک نہایت اچھوتے طریقے سے تاریخ تصنیف نکالی ہے حسب ذیل ہے

شمارم سال شرح نعت احمد

دہم سال از دہم عشر از دہم صد

یعنی دسویں صدی کے دسویں عشر کا دسواں احد اس سے وہی سال ۱۰۰۰ھ مقصود ہے اس شرح پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف فارسی زبان کا ایک قابل منشی، اعلیٰ شاعر اور عمدہ تاریخ گو تھا۔

اس کا انداز تحریر نہایت سلیس، سادہ اور رواں تھا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے اس کا رتبہ ان تمام بزرگوں سے جن کا ذکر ان اوراق میں ہو چکا ہے۔ بہت بلند ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خوب محمد اپنی زبان کو عربی، فارسی آمیز گجراتی کہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

"ہر یک شعر بزبان خود تصنیف کردہ اند، ومیکنند ومن بزبان گجراتی کہ الفاظ عجمی وعربی آمیز است" (امواج خوبی ص۔ قلمی)

یہ عبارت انکی مثنوی "خوب ترنگ" کے اس شعر کی تشریح ہے -

جوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک سنگات [1]

تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ "شیخ خوب محمد چشتی فارسی روایت کے علمبردار کا نام ہے شیخ خوب محمد چشتی (م ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) گجرات کے ان صوفیائے کبار میں سے ہیں جن کا نام آج بھی عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔ آپ کمال محمد سیستانی (م ۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء) کے مرید اور یگانہ روزگار انسان تھے۔ فارسی زبان و بیان اور انشاء پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ کی مشہور زمانہ تصنیف "امواج خوبی" فارسی انشاء کا خوبصورت نمونہ ہے۔ "امواج خوبی" میں

زبان کے سلسلے میں "عذر خواہی" کے عنوان سے انہوں نے ایک دلچسپ بات یہ لکھی ہے کہ "ہر یک شعر بزبان خود تصنیف کردہ اند و میکنند و من بزبان گجراتی کہ با لفاظ عجمی و عربی آمیز است، ہمچناں گفتم عیش میکنند کہ لفظ را تعبیر دادہ نیاوردہ ام"

اس بیان کے معنیٰ یہ ہیں کہ شیخ خوب محمد چشتی نے گجراتی زبان استعمال کی ہے اور صرف اظہار مدعا کیلئے عربی و فارسی الفاظ کا سہارا لیا ہے۔ اگر عربی وفارسی الفاظ کو چھوڑ کر اس زبان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ وہی زبان ہے جسے آج ہم اردو کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور جو اس وقت خصوصاً مسلمانان گجرات کی عام اور ادبی اظہار کی واحد زبان تھی "خوب ترنگ" میں خوب محمد چشتی نے تصوف واخلاق کے باریک

---

[1] مقالات شیرانی صفحہ ۱۹۱،۱۹/۱ج

عالمانہ نکات بیان کئے ہیں ۔جیسا کہ مثنوی کے آغاز میں خوب محمد چشتی نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس مثنوی میں اپنے پیرو مرشد شیخ کمال محمد سیستانی کے اقوال اور ہدایات کو نظم کا جامہ پہنا کر، ایں مثنوی گجراتی راخطاب خوب ترنگ دادم، اور یہ بھی واضح طور پر لکھا ہے کہ انہوں نے گجرات کی بولی میں عرب و عجم کی بات شامل کی ہے ۔

جیوں دل عرب و عجم کی بات — سن بولی بولی گجرات

'عذر خواہی' کے تحت ایک اور جگہ لکھا ہے کہ :

جیوں میری بولی منہ بات — عرب عجم ملا ایک سنگہات

یہ وہ ، نیا رجحان ، ہے جو خوب محمد چشتی کے قلم سے بار بار ظاہر ہو رہا ہے ۔ خوب محمد چشتی اس نئے رجحان کے اولین معمار ہیں ،خوب ترنگ ، میں خوب محمد نے حضرت ، وحدت ، قوس احدیت ، قوس واحدیت ، حضرت الہیت ، قوس ظاہر وجود ، تمثیل مرایت ، حقائق ، موجودات ظہور عین حق ، ظہور عین عالم ، مطلق از اسقاط اضافات ، وجود سے کہ قائم بوجود سے ، نور وجود ، عین حجاب و منکشف حجاب ، احاطہ افعال حق در عالم ، فاعل بصفاتست نہ بذات وغیرہ جیسے دقیق موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ۔ اس قسم کے موضوع پر آج سے تقریباً چار سو سال پہلے کی اردو میں لکھنے کی دشواریوں کو وہی لوگ جانتے ہیں جنہوں نے جو ئے شیر لانے کا ہنر سیکھا ہے ۔ اس اعتبار سے یہ ایک بیش بہا تصنیف ہے

اور اسی وجہ سے یہ کتاب اہل علم و فضل میں اتنی مقبول ہوئی کہ انہوں نے ،خوب ترنگ ، سامنے رکھ کر اس سے اپنی تصانیف بنائیں ۔

محمد عاصم برہانپوری نے ، نغمات توحید کے نام سے ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء میں اس کا

ترجمہ کیا، اور شیخ محمد مخدوم (م ۱۱۵۵ھ/۴۲-۱۷۴۲ء) نے جو ارکاٹ کے رہنے والے تھے اس کے بعض مشکل ابیات کی شرح ؛مفتاح التوحید، کے نام سے لکھی۔

خوب ترنگ میں کہیں منقولات شیخ محمد کو منظوم کیا گیا ہے، کہیں تصوف کے باریک نکات حکایت کے پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ شیخ چلّی کی کی حکایت بیان کی گئی ہے۔ اور ایک مقام پر بلونت سوار کی داستان کے ذریعے تصوف کی باریکیاں سمجھائی گئی ہیں۔ شیخ چلّی کا قصہ دلچسپ ہے۔ لکھا ہے کہ: ایک ہی احاطے میں شیخ چلّی کے چار مکان تھے ایک دن وہ ایک مکان کی چھت پر چڑھے تو دیکھا کہ تین مکان تو ہیں چوتھا نہیں ہے۔ بہت پریشان ہوئے کہ آخر کہاں چلا گیا۔ سوچا کہ اس سے روٹھ کر چلا گیا کہ پہلے میں نے اس کا خیال کیوں نہیں کیا۔ چھت سے نیچے اترے اور اس کی تلاش میں نکل گئے تاکہ روٹھے کو منا کر لائے۔ لوگوں سے مکان کا ؛حلیہ، بیان کیا کسی نے کہا کہ ہاں اس طرف جاتے دیکھا ہے۔ ادھر بھاگے مگر وہاں بھی نہ ملا۔ اسی دوڑ دھوپ میں اتنے تھک گئے کہ سوچا ذرا دیر کسی مسجد میں آرام کر لوں۔ پھر تلاش کو نکلونگا وہاں جو آئے تو کچھ قلندر بیٹھے نظر آئے ان سے اپنا احوال بیان کیا اور سو گئے۔ قلندروں کو جو مذاق سوجھا تو انہوں نے اس کی داڑھی مونچھ صاف کر دی۔ فجر کے وقت آنکھ کھلی تو وضو کی غرض سے حوض پر گئے۔ وہاں جو اپنا عکس دیکھا تو کہا یہ میں تو نہیں ہوں۔ شاید کوئی بھولا بسرا قلندر میری جگہ آ گیا ہے۔ اب وہ خود اپنی تلاش میں نکلے آوازوں پر آوازیں دیں۔ مسجد کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن وہ اپنے آپ کو نہ پا سکے۔

خوب محمد چشتی نے تصوف کے اس باریک نکتے کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

پانی میں مُکھ دیکھت بار	بج ڈاڑھی یوں دیا قرار
ہوں رہا مسجد مانہ سوئے	یہ منجھ مسراتیں ہے کوئے
کوئی قلندر رہے جنہ تانہ	بھولا آیا میری تھانہ
جاؤں ڈھونڈھ منجھے لے آؤں	واہ ہیں ہوں منجھ کیوں پاؤں
پھر آئے مسجد کے دوار	ہانکاں ماریں بہت پکار
ہو ہوں ہو ہوں کر چیلا دیں	رہے ہوں ہب ہونکوں کیوں پادیں

شیخ چلّی کا یہ قصہ مولانا عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) کی مثنوی ہسلمان والبسال ہ کے اس کُرد کے قصے سے ملتا ہے جو کوہ وصحرا سے شہر میں آیا اور یہاں کے بنگلے کو دیکھ کر خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس بنگلے میں گم ہو جائے۔ اسلئے اپنی پہچان کے لئے سوتے وقت ایک کدو اپنے پیر میں باندھ لیا۔ مرد زیرک نے جو کُرد کو کدو باندھے سوتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔؟

اس نے چپکے سے کدو اس کے پیر سے کھولا اور اپنے پیر سے باندھا اور وہیں سو گیا۔ کُرد جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ کدو جو اس نے اپنے پیر میں باندھا تھا کسی اور کے پیر میں بندھا ہے۔ اس نے مردِ زیرک کو آواز دی اور کہا۔

ایں منم یا تونمی دانم درست	گر منم چوں ایں کدو برپائے تست
ور توئی ایں من کجا یم کیستم ؛	در شمار ی من نیایم چیستم

جامی کے ہاں کُرد کا کردار پیش کیا گیا ہے۔ خوب محمد چشتی کے ہاں شیخ چلّی کا معروف کردار لایا گیا ہے۔ کُرد اور شیخ چلّی دونوں سادہ لوح ہیں دونوں اسی سادہ لوحی میں گم ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو تلاش کرتے ہیں۔

خوب محمد اور مولانا جامی دونوں نے عرفانِ ذات کے نکتے کو دلچسپ معمّے کے ذریعے بیان کیا ہے۔ خوب محمد چشتی کو اس مثنوی کی شرح فارسی لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا یہ کام خوب محمد ؛ بولی گجرات ؛ میں نہیں کر سکتے تھے؟ خوب محمد نے اس کی وجہ ؛ امواج خوبی (فارسی) میں یہ بتائی ہے۔

"ایں جا قصد شعر مبین حفظ مراتب نکردکہ مضمون مراتب بغایت مغلق و اشکالے تمام دارد و اگر قصد رعایت شعر باشد از افہام مستمعان دور تر افتد کہ ما وسعنی فی الارض ولا فی السماء، ہر کہ در زمین و آسمان نگنجد در وزن شعر و قافیہ چگونہ سنجد۔"

اکبر اعظم کی فتح گجرات (۹۸۰ھ/۷۲-۱۵۷۱ء) کے بعد جب مغل صوبے دار حکام و عمال اور افواج یہاں آئیں تو سلطنتِ گجرات کا پرانا نظام درہم برہم ہو گیا اور وہ ساری اقدار ٹوٹنے لگیں۔

فتح کے دس بارہ سال کے اندر اندر گجرات کے اہل علم و ادب پر بھی فارسی کا گہرا اثر ہونے لگا اور اسی کے ساتھ گجری کا نہ صرف زور گھٹنے لگا بلکہ ادبی و تخلیقی سطح پر اس زبان کی کوئی خاص اہمیت باقی نہ رہی۔ جو لوگ فارسی جانتے تھے معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

خوب محمد چشتی فارسی کے بلند پایہ انشا پرداز تھے۔ نئے تہذیبی عوامل نے انہیں یہ موقع فراہم کیا کہ وہ فارسی میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے خود کو بدلتے زمانے کے نئے تقاضوں کے مطابق بنا کر، اپنی اہمیت و قدر و قیمت کا احساس دلائیں۔

؛خوب ترنگ؛ انہوں نے ؛ بولی گجرات ؛ جاننے، بولنے اور سمجھنے والوں کے لیے لکھی تھی ؛ امواجِ خوبی ؛ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کے لیے لکھی جو فارسی جانتے تھے تاکہ یہ نیا طبقہ بھی انکی فکر سے روشناس ہو سکے۔ خوب محمد

گجرات کے تہذیبی و سیاسی تاریخ کے ایسے موڑ پر پیدا ہوئے جب فارسی اثر ایک بڑھتے پھیلتے دریا کی طرح گجرات پر غالب آرہا تھا۔

اس بات کا ثبوت خوب محمد چشتی کی ایک اور تصنیف 'چھند چھنداں' سے بھی ملتا ہے۔ 'چھند چھنداں' ایک منظوم رسالہ ہے جو ہندوی و فارسی عروض پر لکھا گیا ہے۔ اور اس میں مصنف نے فارسی عروض کو ہندوی عروض کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کی۔ منظوم اس لئے لکھا ہے کہ طلبہ کو یاد کرنے میں آسانی ہو۔

گجرات اس وقت سارے برعظیم میں اردو زبان کا پہلا اور واحد مرکز تھا اسی لئے جب دکن میں اردو کے نئے مراکز ابھرے تو وہاں کے اہل علم وادب نے قدرتی طور پر گجری ادب کی روایت کو اپنایا۔

اسی لئے دکنی ادب کی ابتدار باقاعدہ اس نقطے سے ہوتی ہے جہاں صدیوں کا سفر طے کرکے گجری ادب پہنچا تھا۔ دکنی ادب پر گجری ادب کے اثرات کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ شاہ برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) جو خاص دکن کے باشندے ہیں اپنی تصانیف میں کئی جگہ اپنی زبان کو 'گجری' کہتے ہیں 'کلمۃ الحقائق' میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ 'سب یوں زبان گجری نام اس کتاب کلمۃ الحقائق'۔ 'ارشاد نامہ' میں یہ شعر ملتا ہے۔

یہ سب گجری زبان　　　کر یہ آئینہ دیا نمان

'حجۃ البقا' میں لکھتے ہیں۔

جے ہوویں گیان بچاری　　　نہ دیکھیں بھاکا گجری

شمس العشاق میراں جی کی شاعری، زبان و بیان اور روایت اسی سے اپنا چراغ جلاتی ہے۔ پروفیسر محی الدین زور بھی دبے الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 'ہو سکتا ہے گجرات کے اثر سے دکن کی ادبی زبان

بڑی حد تک بدل گئی ہو اور جو لوگ اس متبدلہ زبان میں لکھتے تھے وہ اپنی زبان کو گجری کہنے لگے، کیونکہ گجری اردو کے مخصوص اوزان سے اس کے پاس اپنی ہیئت تھی جس میں دوہرے، عقدہ، مکاشفہ اور ریبین شامل تھے۔ تصوف اور اخلاق کے موضوعات کو شاعری کی زبان میں ترتیب دینے کی روایت تھی۔ [۱]

شیخ کبیر بن منوّر لاہوری

وفات ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۶۱۷ء

آپ کا مولد و منشا لاہور ہے۔ آپ نے اپنے والد محترم اور شیخ سعد اللہ لاہوری سے علم حاصل کیا۔ جیسا کہ بختاور خاں مرآۃ العالم میں لکھتے ہیں کہ ۔

---

[۱] تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۲

آپ نے اپنے والد سے پڑھا اور آپ علوم نقلیہ عقلیہ کے مدرس تھے۔ آپ نے احمدآباد میں ۱۰۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اور شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کے پہلو میں دفن ہوئے۔ [2]

ملا اسد قصہ خوان

وفات ۱۰۲۷ھ بمطابق ۱۶۱۸ء - ۱۶۱۹ء

ملا اسد قصہ خوان بھی میرزا غازی کی محفل کے شعراء و ادباء میں سے تھے۔ ان کا اصل فن قصہ خوانی تھا۔ نہایت ہی فصیح و بلیغ اور خوش گفتار تھے۔ تصوف کی طرف مائل تھے ان کے والد کا نام مولانا حیدر تھا۔ ان کا پیشہ بھی قصہ خوانی تھا۔ گویا یہ فن ان کو وراثتاً ملا تھا۔ ان کا خاندان شیرازی تھا (۱۰۱۰ھ ۱۶۰۱-۲ء) کے لگ بھگ اکبر بادشاہ کی قدردانیوں کی توقع لے کر آگرہ کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں ٹھٹھہ پہنچے تو مرزا غازی سے ملاقات ہوئی مرزا غازی ان سے بے حد متاثر ہوئے اور منصب و جاگیر دی۔

مرزا غازی جب ۱۰۱۳ھ (۵-۴-۱۶۰ء) میں ہندوستان گئے تو ملا اسد اور ملا مرشد دونوں کو ساتھ لے گئے۔ دونوں مرزا غازی کی وفات تک ان کے ساتھ رہے۔ پھر ۱۰۲۵ھ کے قریب جہانگیر کے پاس پہنچے۔ جہانگیر نے ملا اسد کو حفیظ خاں کا لقب دیا ملا اسد نے گجرات سے آگرہ آتے ہوئے ۱۰۲۷ھ (۱۹-۱۶۱۸ء) میں وفات پائی ملا مرشد نے اپنے عزیز دوست ملا اسد کی وفات پر ایک تاریخی قطعہ کہا

اسد رفت و تاریخ فوتش ز مرشد
طلب کرد دل گفت اسد رائیگاں رفت (۱۰۲۷ھ) = ۱۱۲۱۸

---

[1] تاریخ سندھ ص ۳۰۲،۳۰۱/ج ۲ [2] نزھۃ الخواطر ص ۳۲۲/ج ۵ ص ۵۲۷.

شیخ محمد عیدروس بن عبداللہ

(وفات ۱۰۳۰ھ)

شیخ محمد عیدروس بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ بن شیخ عبداللہ العیدروس الحضرمی، علمار کاملین میں سے تھے۔ شلی نے آپ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ آپ علم و عمل، زہد و ورع، حال و مقال، تحقیق و تدقیق کے امام تھے۔ ۹۷۰ھ میں تریم میں پیدا ہوئے۔ آپکی تاریخ ولادت : إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، سے نکلتی ہے۔ پھر قرآن کریم حفظ کیا اور اپنے والد محترم کی تربیت میں رہ کر علم کے حصول میں مشغول رہے خود والد سے بھی علم حاصل کیا اور شیخ سید محمد بن حسن، فقیہ محمد ابن اسمٰعیل اور سید عبدالرحمٰن بن شہاب آپ کے اساتذہ میں معروف ہیں ایک جماعت سے آپ نے تصوف میں اجازت پائی۔ اسی طرح مشائخ کی ایک جماعت سے آپ نے حدیث پڑھی۔ آپ عبادت میں ہمیشہ مشغول رہتے اور یہ عبادت بچپن ہی سے آپ کا شعار و دثار تھی۔ اسی لئے آپ کے مشائخ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ "آپ کے علم و فضل پر اجماع منعقد ہے" آپ کے اساتذہ و مشائخ میں آپ کے عم مکرم شیخ عبدالقادر بن شیخ بھی ہیں۔ آپ کے عم مکرم شیخ عبدالقادر بن شیخ آپ کے والد کو مبارک باد دیتے ہوئے فرماتے ہیں يَكْفِيكَ فخرًا يا عبداللہ خروج مثل هٰذا الولد عن صُلبك : اس جیسے بچے کا آپ کی نسل سے ہونا آپ کے لئے بڑا باعثِ فخر ہے،

جب آپکی شہرت آپ کے جد محترم شیخ بن عبداللہ نے سنی تو آپ کو

اپنے پاس احمد آباد بلا لیا۔ چنانچہ آپ یمن سے سفر کر کے احمد آباد پہنچے اور ۹۸۹ھ میں ان سے ملاقات ہوئی اور آپکے جد محترم نے آپکے وہاں (احمد آباد) پہنچنے پر مستقل قصیدہ لکھا۔ اپنے جد محترم کی صحبت میں رہ کر ان سے درس وافادہ میں مشغول رہے اور مشیخت کے درجے کو پہنچے یہاں تک کہ جد محترم نے خوش ہو کر آپ کو الباس و تحکیم اور تدریس کی مسند نشینی کی اجازت اور خرقۂ خلافت عنایت کیا اور اپنا ولی عہد بنایا۔ اسی لئے ۹۹۰ھ میں اپنے جد محترم کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

ہندوستانیوں اور حضرموتیوں میں سے جن حضرات کی آپ کے دادا کفالت فرماتے تھے آپ بھی برابر انکی کفالت فرماتے رہے۔ اسی طرح والد کے انتقال کے بعد بھی جو جو مالی ذمہ داریاں آپ کے والد محترم نے اپنے سر لے رکھی تھیں ان تمام کو برابر انجام دیتے رہے۔ اس طرح یہ اپنے والد اور دادا دونوں کے صحیح جانشین اور وارث ثابت ہوئے۔ اس کے بعد آپ احمد آباد سے سورت منتقل ہو گئے اور سورت ہی میں مقیم ہو گئے۔ اور یہاں آپکی بڑی شہرت ہوئی اور اس علاقے کے لوگ الفت و عقیدت کے ساتھ آپ سے بیعت آتے رہے۔ حتیٰ کہ ہندوستان کے بادشاہ کی طرف سے بھی آپ کیلئے آپ کے اخراجات کو دیکھتے ہوئے وظیفہ جاری کیا گیا مگر آپ کے خرچ و اخراجات اور داد و دہش کی اتنی کثرت تھی کہ آپ بعض اوقات آمدنی سے بھی زیادہ خرچ کرتے۔

۱۰۳۰ھ میں سورت میں آپ نے انتقال فرمایا اور سورت میں آپ دفن کئے گئے۔ سورت کے کسی تاجر نے آپ کی قبر پر بڑا قبہ بنایا اور آپکی قبر کے نزدیک مسجد اور حوض بنایا اور قریب میں خانقاہ تعمیر کی اور یہاں کے مقیمین کیلئے زمینیں اور جائدادیں وقف کیں۔ سورت میں آپکی قبر

اورخانقاہ مشہور ومعروف ہے۔

مشہور ہے کہ آپ کے والد نے کسی سے آپ کے متعلق سوال کیا، تو اس نے کہاکہ میں اسے اس کے باپ سے اچھا گمان کرتا ہوں۔

یہ بات سنکر ان کے والد سجدۂ شکر بجالائے اور فرمایاکہ: یہی میری امید وتمنا تھی حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر والد اپنے بیٹے کو اپنے سے اچھا ہی دیکھنا چاہتا ہے۔[۱]

النور السافر میں لکھا ہے کہ: شیخ محمد العیدروس ۹۸۹ھ میں ہندوستان پہنچے اور مصنف النور السافر کے والد محترم نے ان کے پہنچنے پر یہ قصیدہ کہا ؎

اَلَا یَا مَرْحَبًا بِالْعِیْدَرُوْس — جَمَالُ الدِّیْنِ مُحْیِی النُّفُوْس

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ جِئْتُمْ — اِلَیْنَا مَرْحَبًا شَمْسَ الشُّمُوْسِ[۲]

نیز شیخ عیدروس لکھتے ہیں کہ: ۹۹۸ھ میں شیخ محمد العیدروس احمدآباد سے بھروچ آئے اور وہاں کئی مہینے مقیم رہے پھر احمدآباد واپس چلے گئے۔
جب وہ احمدآباد سے آکر بھروچ میں مقیم تھے تو شیخ محمد بن عبد اللطیف مخدوم زادہ نے ان کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

لَقَدْ اَنَسْتَ یَا شَمْسَ الشُّمُوْسِ — فَاَھْلًا بِالشَّرِیْفِ الْعِیْدَرُوْس

بِقُطْبِ الْوَقْتِ اَھْلًا ثُمَّ سَھْلًا — اَیَا زَیْنَ الْمَجَالِسِ وَالدُّرُوْسِ

وَبُرُوْجُ عِنْدَمَا حَلَلْتَ فِیْھَا — لَقَدْ اَمَسَتْ بِبَیْنِكَ کَالْعُرُوْسِ

وَسُرَّتْ مِنْكَ تَرْجُو الْقُرْبَ فَضْلًا — وَاِلَّا فَھِیَ فِیْ یَوْمٍ عَبُوْسِ[۳]

---

[۱] نزھۃ الخواطر عربی ص ۳۵۲ ج ۵ ص ۵۷۰، خلاصۃ الاثر ص ۴۲۲۲، [۲] النور السافر ص ۲۳۲
[۳] النور السافر ص ۴۰۴۔

شیخ شیخ جیو گجراتی

م ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۳۱ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۶۲۲ء

شیخ جیو بن محمود بن عبداللہ بن محمود بن حسین حسینی بخاری۔ گجرات کے نامور مشائخ میں سے تھے۔ آپ کا مولد اساول نامی قریہ ہے۔ سن ولادت ۹۵۳ھ ہے اپنے والد اور چچا محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے پڑھا اور مسندِ مشیخت مزین فرمائی آپ سے بے شمار مشائخ طریقت نے فیض حاصل کیا آپ نے ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۳۱ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۶۲۲ء کو رحلت فرمائی اس وقت آپکی عمر ۷۸ برس تھی۔ سلہ (مرآۃ احمدی)

مسیح الاولیاء شاہ عیسیٰ جنداللہ

متوفی ۱۵ شوال ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۶۲۲ء

نام شیخ عیسیٰ، ابوالبرکات کنیت، جنداللہ، عین العرفا، مسیح الاولیا لقب، اور جندی تخلص تھا۔

آبائی وطن:- حضرت شیخ عیسیٰ کے آباء و اجداد کا وطن قصبہ پات (سندھ) تھا، اس قصبہ کی بناء و آبادی میں ان بزرگوں کا مقدس ہاتھ تھا، اور ان کے قدوم کی برکت سے اس کی آبادی اور ترقی میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔

سلہ نزہۃ الخواطر ص ۱۴۸ ج ۵ ۲۵۶ / ۴۳۔

ہمایوں کی شکست کے بعد جب سندھ کی ابتری اور بدنظمی کیوجہ سے ہزاروں باعزّت اور بزرگ خاندان اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ تو شیخ قاسم اپنے برادر بزرگ شیخ طاہر محدث کے ہمراہ اپنے وطن مالوف سے نکل کر احمدآباد پہنچے۔

قیام احمدآباد :- شیخ طاہر کچھ عرصہ کے لئے احمدآباد میں مقیم ہوگئے۔ احمدآباد میں ان کے زمانۂ قیام کی تعیین مشکل ہے، یہاں آنے کے بعد مشہور بزرگ حضرت محمد غوث گوالیاری کے زیر تربیت مراتب عالیہ طے کئے اور خلافتِ شطاریہ سے سرفراز ہوئے۔

ایلچ پور میں قیام :- پھر اپنے اعزا اور اقربا کے ساتھ احمدآباد سے ایرج پور ایلچ پور (برار) پہنچے، یہاں کے حاکم تفاول شا کی عقیدت مندی نے ایلچ پور میں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کردیا، آپ مدرسہ عماد شاہیہ میں درس و تدریس میں مصروف ہوگئے، اور شہر کے عوام و خواص آپ سے مستفیض ہونے لگے۔

پیدائش اور تعلیم و تربیت :- ۵ ذی الحجہ یوم یکشنبہ ۹۶۲ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۵۵۴ء کو شاہ عیسیٰ پیدا ہوئے۔ شیخ طاہر محدث نے اپنے چچا سبحا کے نام کی مناسبت سے ان کا نام عیسیٰ رکھا۔

شاہ عیسیٰ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد کے زیرسایہ ہوئی نو سال کی عمر میں کلام اللہ حفظ کرلیا، پھر تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم اپنے عم محترم شیخ طاہر محدث سے حاصل کی۔

حضرت شیخ قاسم کا انتقال اور برہانپور میں آمد :- پانچ محرم ۹۸۱ھ مطابق پنجشنبہ ۷ مئی ۱۵۷۳ء کو شیخ قاسم کا ایلچ پور میں

انتقال ہوگیا، اس حادثہ کے بعد شیخ طاہر محدث اپنے اعزا اور اقرباء کے ہمراہ ایلچ پور سے برہانپور چلے آئے، اور شہر کے شمالی حصہ میں سکونت اختیار کی، یہ حصہ علماء و فضلاء کی سکونت گزینی کے باعث "محلہ سندھیان" کہلانے لگا اور اب سندھی پورہ کہلاتا ہے۔

یہاں آنے کے بعد شیخ عیسیٰ حضرت شیخ یوسف بنگالی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، اور پانچ سال کے قلیل عرصہ میں جملہ علوم متداولہ میں مہارت حاصل کرلی اور پچیس سال کی عمر میں صاحبِ فضل و کمال ہو گئے۔

ارادت و بیعت :۔ علوم ظاہری میں تکمیل کے بعد طلبِ حق کا جذبہ پیدا ہوا اور مرشد کامل کی تلاش میں اکبرآباد روانہ ہوگئے۔ اور اجین، سارنگ پورہ، اور گوالیار ہوتے ہوئے قاضی جلال الدین ملتانی کی خدمت میں آگرہ پہنچے، کچھ دنوں تک ان سے استفادہ کیا۔

جب ملا حکیم عثمان سندھی الصدیقی برہانپور آئے تو شیخ طاہر محدث نے شیخ عیسیٰ کو واپس بلالیا، ان سے انہوں نے علمِ قرأت حاصل کیا۔

شاہ عیسیٰ نے بہت سے علماء سے علوم ظاہری حاصل کئے۔ مگر جس رہبر کی تلاش تھی وہ نہ ملا آخرکار شیخ محمد عارف کی خدمت میں پہنچے، اور چند ہی دنوں کی صحبت میں ان سے ارادت و عقیدت مضبوط ہوگئی، اور بیعت سے مشرف ہوکر دولتِ سرمدی سے فیضیاب ہوئے۔ [1]

وفات :۔ ستّر سال کی عمر میں ۱۵ ر شوال ۱۰۳۱ھ مطابق ۳۱ ر اگست ۱۶۲۲ء کو برہانپور میں جان عزیز جاں آفریں کے سپرد کردی۔

فیض عالم اور ہادی الاعظم سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ انکی وفات پر ان کے

---

[1] کشف الحقائق، گلزار ابرار، معارف ۳ ج ۸ ، ص ۲۱۵، ۲۱۹

ایک معتقد نے مرثیہ لکھا ہے۔

ان کا مزار سندھی پورہ میں ایک وسیع احاطہ میں ہے۔ جس کے گرد چار دیواری ہے۔ جو ابتک زیارت گاہ خلائق ہے۔ مدرسہ اور خانقاہ کی عمارتوں کے آثار اب بھی باقی ہیں۔

خلفاء و معتقدین :۔ آپ کے خلفاء میں حضرت برہان الدین راز الہیٰ، ملا ابوالخیر بلخی، شیخ محمد صدیق، ملا عبدالعزیز لاہوری، ملا یوسف، شیخ محمود، سید یعقوب، مرزا فتح پوری، اسماعیل فرحی، عبدالستار خلیل، میران عبدالرحمٰن، اور معتقدین میں نواب عبدالرحیم خانخاناں، مرزا داراب خان، عاقل خان رازی ملا شیخ عثمان، سنبل (غلام) قابل ذکر ہیں

تصانیف :۔ حضرت مسیح الاولیاء کی حسب ذیل تصانیف اب تک معلوم ہوسکی ہیں۔ (۱) روضۃ الحسنیٰ (۲) عین المعانی (۳) انوار الاسرار (۴) حواس پنجگانہ (۵) حاشیہ بر اشارات عربیہ (۶) شرح قصیدۂ بردہ (۷) قبلۃ المذاہب الاربع (۸) حاشیہ بر شرح ضیائیہ (۹) تفسیر محمدی (۱۰) تتمیم شرح مائۃ عوامل (۱۱) رسالہ عقود (۱۲) شرح دو رباعیات — اسرار الوحی (۱۳) رسالہ دقیقہ (۱۴) مجمع البحرین۔

مذکورہ بالا تصانیف کے مطالعہ سے ان کے علمی تبحر کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، معانی، بیان جملہ فنون میں عبور حاصل تھا، عروض اور شاعری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جملہ اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ معاگوئی میں خاص ملکہ تھا۔ آپ کی اکثر تصانیف میں آپ کے اشعار ملتے ہیں غالباً علیحدہ کوئی مجموعہ کلام نہیں ہے۔ عاقل خان رازی نے ثمرات الحیات

میں ایک غزل نقل کی ہے ۔

اے طوطیِ خوش گو بہ منقار دو عالم — شدآئینہ روئے تو رخسار دو عالم
خواہی برخِ خویش زہر گو نہ تماشہ — از نہ غرضت چیست زاظہار دو عالم
زلف سیہت در تتقِ غیب نہاں بود — ظاہر شدہ در کسوت اغیار دو عالم
آن جان جہاں کز خود و زغیر نہاں بود — گشت است عیاں بر سر بازار دو عالم
جندی منشین جز مئے معشوق زمانہ — چوں ہست دلت مخزن اسرار دو عالم [1]

خواجہ علی متخلص مسیحی

خلیفہ خواجہ مسیح الاولیاء

آپ احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے ۔ حضرت حسین رومی کے فرزند اور قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ گجرات کے بڑے دولتمندوں میں آپ کا شمار تھا ۔ طریقت کی تلقین حضرت مسیح الاولیاء سے پائی تھی شاید اسی نسبت سے ہی "مسیحی" تخلص اختیار کیا ہوگا ۔

صوفیانہ اشعار کہتے تھے ۔ آزاد خاطر اور فارغ البال تھے ۔ حضرت مسیح الاولیاء سے انتہائی محبت رکھتے تھے ۔ آپ نے خرقِ عادات سے متعلق ایک رسالہ لکھ کر علامہ غوثی کو دیا تھا منجملہ ان کے یہ ہے کہ "شیخ عبدالرحیم کہتے تھے ایک رات اعتکاف کے اندر خواب اور بیداری کے درمیان مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ چار نورانی اشخاص نے مسیح الاولیاء کے بیٹھنے کے واسطے ان کے مکان میں تخت آراستہ کیا ہے اور ان کے نام سے قطبیت کا ترانہ گاتے ہیں اور مسیح الاولیاء مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ جیسے شخص کو اس تخت کی نشست کے قابل نہ سمجھو ۔ قصہ کوتاہ ان چاروں اشخاص نے مسیح الاولیاء کے عذر

---

[1] معارف ج ۳۸ ، ص ۲۲۹ ۔

پر خیال نہ کرکے تخت کے اوپر بٹھایا اور سب نے ازراہ طرب سامنے ادب سے ہاتھ باندھ کر مبارکباد دیں خوشی اور نشاط کی آوازیں بلند کیں جب میں صبح کے وقت مسیح الاولیاء کی خدمت میں گیا تو میرے چہرہ سے رات کی دیکھی ہوئی حالت کے آثار معلوم فرمائے اجازت کے واسطے لب نہ ہلایا اور مجھ کو کہنے سے روک دیا۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد جب خلوت ہوئی تو وہی خواب کی سرگذشت مجھ سے بے کم وکاست خود بیان فرمائی "۔ [1]

شیخ محمد ابن شیخ عبداللہ سندھی

خلیفہ مسیح الاولیاء

آپ کی ولادت، نشو و نما، تعلیم و تربیت برہانپور میں ہوئی مسیح الاولیاء کے شاگرد مرید اور خلیفہ تھے ۔ مسیح الاولیاء کے سب سے پہلے مرید شیخ محمد ہی ہیں ۔

مسیح الاولیاء کسی کو مرید نہیں کرتے تھے بلکہ طالبانِ ارادت و بیعت کو لطائف الحیل سے ٹال دیا کرتے تھے ۔ ایماء غیبی سے آپ کو راغب کیا گیا تب آپ نے یہ سلسلہ شروع کیا، بشارت کے بعد آپ نے کسی کو مرید کرنے سے گریز و انکار نہیں کیا ۔

حضرت عثمان بوبکانی رح کے درس میں جب مسیح الاولیاء نے شرکت کی اس زمانہ میں شیخ محمد نے بھی حکیم عثمان کے درس میں نقلی اصطلاحات پر چند کتابیں پڑھی تھیں اور اس طرح وہ اپنے پیر کے ہم درس تھے ۔ جب شیخ نعمت اللہ زیارت حرمین شریفین سے فارغ ہو کر واپس آئے تو بندر رڈا بھول (ڈابھیل متصل سورت) کے متعلق :-

" مذکور الصدر بندر میں مسیح الاولیاء کے خلیفہ حضرت شیخ محمد نامی اس نواح کے

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۶۰۴ ، نزہتہ الخواطر عربی صفحہ ۲۵۱/۵ ، برہانپور کے سندھی اولیاء صفحہ ۲۶۵/۴۶۵ ، صفحہ ۲۶۶

لوگوں کی راہنمائی کے واسطے نامزد تھے ان کے دیدار سے آنکھوں کو منور کیا ؎ سلہ
اس روایت کی حقیقت یہ ہے کہ جب گجرات کے متعدد لوگ برہانپور آکر مسیح الاولیاء کے مرید ہوئے چونکہ ان میں سے اکثر یہاں موجود رہ کر سلسلہ شطاریہ کی تعلیم و تکمیل نہ کر سکتے تھے اسلئے انہوں نے منت والتجا کی کہ کسی خلیفہ کو ہمارے ہمراہ بھیج دیا جائے تاکہ ہماری مقصد برآوری ہو۔ آپ نے شیخ محمد کو نامزد فرمایا یہ وہی زمانہ ہے جب شیخ نعمۃ اللہ بندر ڈابھیل پہنچے تھے۔ سلہ

مرزا عزیز الدین دہلوی

وفات ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۳ء

شیخ عزیز الدین بن شمس الدین محمد غزنوی ثم دہلوی۔ اکبر بادشاہ بن ہمایون کورگانی کے رضاعی بھائی تھے۔ اکبر بادشاہ کو آپ سے بہت محبت تھی اس نے ۹۸۰ھ میں گجرات کی تولیت آپ کے سپرد کردی تھی۔ لیکن مرزا محمد حسین نے آپ کی مخالفت کی اور آپ پر گھیرا ڈال دیا چنانچہ اکبر بادشاہ نے احمد آباد کا رخ کیا اور آگرہ سے احمد آباد تک چودہ سو میل کا سفر نو دن میں طے کیا۔ احمد آباد آکر مرزا محمد حسین سے مقابلہ کیا اور اس کو شکست دیکر اپنے ساتھی مرزا عزیز الدین کو تنگی سے نجات دلائی۔

اس احسان کے باوجود مرزا عزیز الدین اکبر شاہ کو درست بات کہتا خصوصاً جبکہ وہ خلاف شرع کام کرتا۔ اس سے اکبر شاہ ان سے ناراض ہوگیا چنانچہ آپ کو گجرات سے ہٹا دیا لیکن بعد میں آپ سے خوش ہوگیا تھا اور بنگال اور بہار کو آپ کے حوالہ کر دیا ۹۸۸ھ میں اکبر شاہ نے آپ کو خان اعظم کا لقب دیا۔ ایک زمانے تک یہ علاقے آپ

سلہ اذکار الابرار ص۵۶۳ سلہ برہانپور کے سندھی اولیاء ص۲۲۴

ے زیرِ تحویل رہے ۔ پھر اکبر شاہ نے آپ کو مالوہ میں اراضی بطور ھدیہ دی اور دکن کے علاقوں کو آپ کے حوالہ کر دیا ۔ لیکن وہاں کے امراء کے نفاق کیوجہ سے آپ زیادہ مدت وہاں نہ رہ سکے لہٰذا اکبر شاہ نے دوبارہ ۹۹۶ھ میں گجرات آپ کے سپرد کر دیا اور طویل مدت تک بحسن و خوبی اپنے کام کو انجام دیا ۔ ۱۰۱۱ھ میں اکبر شاہ نے آپ کو آگرہ بلانا چاہا لیکن اس کی بعض اختراعات مثلاً سجدہ کروانا ، داڑھی منڈوانا وغیرہ کیوجہ سے آپ نے انکار کر دیا ۱۰۰۲ھ میں آپ ایک سو افراد کے ہمراہ جن میں آپ کے گھر والے شامل تھے حجاز کی طرف روانہ ہوئے ۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے ۔ ۱۰۰۳ھ میں جب ھند لوٹے تو سلطان نے آپ کو بڑا منصب دیا اور اپنی مہر ، مہر اوزک ، ، آپ کے حوالہ کر کے اہم امور میں آپ کو وکیل بنا دیا ۔

اکبر شاہ کے بعد جب اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس کے بیٹے خسرو نے بغاوت کر دی ۔ خسرو مرزا عزیز الدین کا داماد تھا ۔ اس بغاوت سے جہانگیر مرزا عزیز الدین سے بدظن ہو گیا اور آپ کو ختم کرنا چاہا لیکن بعض اصحاب شوریٰ کے روکنے پر باز آگیا ۔ لیکن بہرحال آپ کا منصب اور اراضی چھین لی ۔

اس واقعہ کے تین سال بعد پھر گجرات آپ کے حوالہ ہوا اور جہانگیر نے اپنے بیٹے قلی خاں کو آپ کے ساتھ نائب بنا کر روانہ کیا ۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے بلاد دکن کے فتنوں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ برہانپور پہنچے اور جہانگیر کی طرف ایک آدمی کو روانہ کیا تاکہ اودپہور میں کفار سے جنگ کرنے کی اجازت لے کر آئے آپ کو اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کا بہت شوق تھا ۔ چنانچہ جہانگیر نے لڑائی کی اجازت دے دی لیکن بغیر جنگ کے وہاں کے سلطان نے آپ کا خیر مقدم کیا ۱۰۲۳ھ میں وفات ہوئی احمدآباد میں مدفون ہیں ۔ [1]

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ج۵ صفحہ ۲۸۰

طالبؔ آملی

وفات ۱۰۳۶ھ بمطابق ۱۶۲۶ء/۱۶۲۷ء

یگانۂ روزگار شاعر طالب آملی مرزا غازی کی محفل شعر و ادب کے ایک رکن تھے کہا جاتا ہے کہ آپ ۹۸۷ھ (۸۳۔۱۵۸۲ء) کے قریب شہر "آمل" میں پیدا ہوئے۔ تنگی معاش کی وجہ سے تیس سال کی عمر میں کاشان آئے کچھ دن وہاں رہ کر آپ اصفہان پہنچے۔ وہاں سے بددل ہو کر مشہد آئے۔ مشہد سے آپ مرو پہنچے۔ اور ایک سال تک آپ مرو میں رہے ۱۰۱۶ھ (۸/۱۶۰۷ء) کے آخر میں آپ نے ہندوستان کا رخ کیا۔ صاحب خیر البیان کا کہنا ہے کہ "آپ ۱۰۱۶ھ (۸/۱۶۰۷ء) میں ہندوستان آئے اور یہاں آنے کے بعد مرزا غازی ترخان نے انہیں اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔"

مجمع النفائس میں ہے کہ "طالب نے پہلے سندھ میں مرزا غازی کے پاس قیام کیا اس کے بعد وہ ہندوستان آئے"

سیّد طاہر محمد نسیانی نے لکھا ہے کہ "اسی زمانے میں طالب آملی اور شمس قندھار پہنچ کر مرزا غازی کی ملازمت میں داخل ہوئے"

قندھار ہی میں چیچک کے مرض میں آپ (طالب آملی) کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ جس نے قندھار سے دلبرداشتہ کر دیا اور آپ ۱۰۲۰ھ (۱۲/۱۶۱۱ء) میں ہندوستان آ گئے یہاں آپ مصائب روزگار میں مبتلا ہو گئے۔ دیانت خان نے پہلے آپ کو دربار جہانگیری میں پہنچایا لیکن آپ کچھ بول نہ سکے۔ دیانت خاں نے پھر عبداللہ خاں فیروز جنگ کے پاس گجرات پہنچا دیا۔ وہاں سے آپ آگرہ آئے اور اعتماد الدولہ مرزا

غیاث الدین سے وابستہ ہو کر مہرداری کے منصب پر فائز ہوئے لیکن پھر اس سے استعفیٰ دے دیا۔

اعتمادالدولہ نے آپ کو دربار شاہی تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ (۱۹/۱۶۱۸ء) میں جب وہ کشمیر جارہے تھے کلا نور میں آپ کو "ملک الشعراء" کا خطاب دیا۔

آخر میں چند سال آپ پر جنون کی کیفیت طاری رہی اور بالکل خاموش ہو گئے۔ جہانگیر کی وفات سے ایک سال پہلے ۱۰۳۶ھ (۲۷-۱۶۲۶ء) میں آپ نے جوانی ہی میں وفات پائی اور فتح پور میں مدفون ہوئے۔ [1]

---

[1] تاریخ سندھ صفحہ ۲۵۷:۲۵۸

شیخ عبد القادر حضرمی احمد آبادی

معاصر نور الدین الحلبی صاحب السیرۃ الحلبیہ

(م ۱۰۳۷ھ / ۱۰۳۸ھ مطابق ۱۶۲۷ء / ۱۶۲۸ء)

آپ سید شیخ بن عبد اللہ حضرمی کے فرزند ہیں۔ گجرات کے مشہور عالم، مصنف اور صاحب سلسلہ تھے۔ ان کا کتب خانہ نہایت عالی شان تھا۔ آپ نے تاریخ میں ایک کتاب عربی میں "النور السافر عن اخبار القرن العاشر" (مخطوطات: برٹش میوزیم ۹۳۷۔ بانکی پور ۶۵۹۔ بوہار ۲۷۳۔ رام پور ۶۵۔ آصفیہ ۱/۳۴۴) کے نام سے لکھی۔ اس کتاب میں اپنا تذکرہ بھی کیا ہے۔

۲۰ ربیع الاول ۹۷۸ھ جمعرات کی شام کو مصنف کی ولادت ہوئی جس پر مصنف کے والد نے یہ تاریخی جملہ کہا جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے: "بخ بولد قطب زمانہ"

اسی طرح مخدوم زادہ علامہ جمال الدین محمد بن عبد اللطیف جامی مکی نے بھی جملہ کہا جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اور مصنف کے والد نے یہ اشعار کہے۔

بدر النور من نجد ومن شعب عامر   بطلعۃ ابی بکر الفتی عبد القادر

ان ابیات کی فقیہ احمد بن فقیہ محمد اباجابر اور شیخ محمد بن عبد اللطیف مخدوم زادہ نے تخمیس بھی کی ہے۔

مصنف کے والد نے انکی ولادت سے کچھ آدھ مہینے پہلے اولیاء اللہ کی ایک جماعت

کو خواب میں دیکھا جن میں پیران پیر شیخ سید عبدالقادر جیلانی اور شیخ ابوبکر العیدروس تھے۔ اور شیخ عبدالقادر جیلانی نے ان کے والد سے کسی ضرورت کی چیز کا سوال کیا اسی لئے انہوں نے ان کا نام عبدالقادر رکھا۔ اور دوسرے بزرگ کی نسبت سے انکی کنیت ابوبکر رکھی۔ اور ان کا لقب محی الدین تجویز کیا۔

مصنف سے پہلے ان کے والد کی بہت سی اولاد پیدا ہوکر وفات پاتی رہی، انکے علاوہ کوئی زندہ نہ رہا تھا۔ اس لئے ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ لوگوں نے مصنف سے بیان کیا کہ بعض بڑے وزراء آپ کے والد کے پاس کسی حاجت میں دعاء کے طلبگار ہوئے۔ آپ چھوٹے تھے، سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت آپنے یہ آیت پڑھی۔ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ۔ تو شیخ نے ان سے فرمایا کہ نیک فال کے لئے یہ آیت کافی ہے۔ پھر اللہ کے حکم سے حاجت پوری ہوگئی۔ مصنف کی والدہ اصل میں ہندیہ ام ولد تھیں۔ والدہ کیلئے بھی مصنف اکلوتے تھے۔ یہی انکی اولاد تھی۔ اور آپ کی والدہ صاحبہ نہایت نیک صالحہ متواضعہ بااخلاق اور کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے والی تھیں۔

سنہ ۱۰۱۱ھ میں ۲۰ رمضان المبارک کو جمعہ کے دن چاشت کے وقت ان کا انتقال ہوا جبکہ انکا آخری کلام لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ زبان پر جاری تھا۔ مصنف کے والد کے پہلو میں ان کی قبر بنائی گئی۔

مصنف کی تعلیم

مصنف نے کسی نیک بندے سے قرآن پاک پڑھا یہاں تک کہ ختم کیا۔ یہ تعلیم مصنف کے والد کی حیات میں ہوئی۔ اس کے بعد علم کے حصول میں مشغول ہوئے اور متعدد فنون کی کتابیں علماء کی ایک جماعت سے پڑھیں یہانتک کہ تمام علوم وفنون سے فارغ ہوگئے۔ اس کے بعد مصنف کو کتابوں کے جمع کرنے کا شوق ہوا۔ دور دور علاقوں سے آپ نے کتابیں

منگواکر جمع کرنی شروع کیں۔ مصنف نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اور مصر کے علماء نے اس کی تعریف کی اور طلبہ کی بڑی تعداد نے مصنف سے نفع اٹھایا۔ مصنف فرماتے ہیں کہ جنہوں نے مجھ سے خرقۂ تصوف پہنا ان میں یہ قابل ذکر ہیں۔ علامہ جمال الدین، محمد بن یحییٰ شامی مکی، علامہ بدرالدین حسن بن داؤد دکوکنی ہندی، فقیہ احمد بن فقیہ ولی محمد بن عبدالرحیم اباجابر حضرمی، علامہ شہاب الدین احمد بن ربیع ابن شیخ الکبیر، علامہ احمد بن ربیع بن شیخ الکبیر علامہ احمد بن عبدالحق مکی مصری۔

فرماتے ہیں کہ یہ صرف علماء کے نام ہیں ان کے علاوہ ملوک تجار، اور عوام میں سے جنہوں نے خرقۂ تصوف ان سے پہنا ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔

مصنف کی کتاب الفتوحات القدسیہ فی الخرقۃ العیدروسیۃ، ایسی نفیس کتاب ہے کہ اس پر جو تقاریظ لکھی گئیں وہ کئی کاپیوں پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب کی تاریخ "لبس خرقہ" سے نکلتی ہے۔ اس پر محمد بن عبداللطیف مخدوم زادہ نے یہ اشعار کہے

وَلَمَّا كَانَ ذَا التَّالِيفُ فِيمَنْ ۔۔۔ لَتَشَرَّفَ فِي الْأَنَامِ بِلُبْسِ خِرْقَةٍ

فَلَا عَجَبَ وَلَا بِدْعَ إِذَا مَا ۔۔۔ أَتَى تَارِيخُ ذَلِكَ لُبْسُ خِرْقَةٍ

دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ العشرۃ (۲) المنہاج الی المعرفۃ المعراج، (۳) اتحاف الحضرۃ العزیزہ بعیون السیر الوجیزہ، (۴) المنتخب السیرۃ من اخبار مولد المصطفٰے، (۵) الانموذج اللطیف فی اہل بدر الشریف، (۶) اسباب النجاۃ والنجاح فی اذکار المساء والصباح، (۷) الدر الثمین فی بیان المہم من علم الدین

(۸) الحواشی الرشیقۃ علی العروۃ الوثیقہ (۹) منح الباری بختم البخاری، (۱۰) تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء، (۱۱) الجواہر المتلالی من کلام الشیخ عبداللہ فی الغزالی (۱۲) عقد اللآل بفضائل

الآل ، (۱۳) خدمۃ السادۃ آل ابا علوی باختصار العقد النبوی (۱۴) البغیۃ المستفید فی شرح تحفۃ المرید (۱۵) النفحۃ العنبریۃ فی شرح البیتین العدنیۃ ، (۱۶) غایۃ القرب فی شرح نہایۃ الطلب ، (۱۷) اتحاف اخوان الصفاء لبشرح تحفۃ الظرفاء باسماء الخلفاء ، (۱۸) الفتح القدسی فی تفسیر آیۃ الکرسی ، (۱۹) صدق الوفاء بحق الاخاء ، (۲۰) النور السافر عن اخبار القرن العاشر ، (۲۱) الروض الاریض والفیض المستفیض ۔

اکثر تصانیف کو اہل علم نے پسند کیا اور تعریف کی ، جن میں علامہ جمال الدین فقیہ محمد بن عبدالرحیم ابا جابر حضرمی ، فقیہ محمد بن امام عبدالقادر حبانی ، فقیہ عبدالملک بن عبد السلام وعیسن اموی شافعی یمنی ، علامہ جمال الدین محمد بن عبدالمولی قرطبی مغربی قابل ذکر ہیں ۔ فقیہ عبدالملک نے جو قصیدہ کہا ۔

ومهماتذكرواعندى تصبنى لواعج صعقة من بعد صعقه

مصنف شیخ عبدالقادر نے ۹۹۶ھ میں احمدآباد سے بھروچ کا سفر کیا اور بھروچ میں ایک سال دو مہینے آپ نے قیام کیا ۔

شیخ محمد بن عبداللطیف مخدوم زادہ نے انکی طرف یہ شعر لکھ کر بھیجا ۔

مذ قَدِمتم لِبَروچ وَحَلَلتم برُبَاها غَارَتْ جَمِيعُ النَّوَاحِي [1]

۹۹۹ھ میں شیخ عبدالقادر نے سورت سے جیول کی طرف سفر کیا ، اس سے پہلے آپ نے پورے سات مہینے سورت میں قیام کیا کہ رجب کے مہینے میں وہاں پہنچے تھے اور صفر میں وہاں سے واپس ہوئے ۔

بھروچ سے وہ سورت آئے تھے اور جیول بندر پہنچکر آپ

---

[1] النور السافر ص ۳۹۶ ۔

نے پانچ مہینے قیام کیا۔ وہاں سے احمد نگر گئے، وہاں سے ۱۰۱۰ھ ذوالقعدہ کے مہینہ میں ایک سال تین ماہ ٹھہر کر احمدآباد اپنے والد کی زیارت کے لئے چلے تاکہ وہاں والدہ صاحبہ اور بچوں سے ملاقات کریں ۱۰۱۴ھ ربیع الثانی میں احمدآباد پہنچے جاتے ہوئے راستے میں "جیول" سے "دیو" گئے اور "دیو" سے "موربی" پہنچے جو جوناگڑھ کے ضلع میں ہے۔ وہاں سے احمدآباد آئے۔

جیول میں اقامت کے دوران علّامہ محقق محمد مُقری بن علامہ علی مقری اور علامہ عبدالقادر بن مخدوم الخطیب کلیانی سے بھی ملاقات رہی۔ مصنف فرماتے ہیں "واخذت عنہم واستفدت منہم" میں نے ان سے استفادہ کیا۔

آپ کے دوست عفیف الدین عبداللہ بن احمد بن فلاح حضرمی نے اس سفر کے بارے میں یہ اشعار کہے۔

تشرفت البلاد و من یلیہا بمقدم شیخنا شمس الشموس

واضحت تزدھی عجبا وتیہا بعبد القادر ابن العیدروس

چار سال احمدآباد سے غائب رہنے کے بعد احمدآباد پہنچے۔ [1]

وفات:۔ ۱۰۲۰ھ/ ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی اور احمدآباد میں اپنے والد کے پاس دفن ہوئے۔

سول ہاسپٹل احمدآباد کے پورب میں ایک گلی گئی ہے اسی کے اختتام پر ایک مقام جوہری باڑہ ہے وہیں موصوف کا مزار ہے۔ [2]

---

[1] النور السافر صـ۴۰۸ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ صـ۲۲۸۔

النور السافر کے متعلق

آپ کی ۲۵ تصنیفات کے نام گنوائے گئے ہیں جو تمام کی تمام بوہار کے کتب خانہ میں موجود تھیں جن میں سب سے مشہور تصنیف النور السافر، (دسویں صدی ہجری یعنی سولھویں صدی عیسوی کے مشاہیر کے حالات) چھپ چکی ہے۔ اس دور کے ہندوستان میں عربی زبان کو مادری زبان کے طور پر بولنے والے اور لکھنے والے زیادہ تر جنوبی ہند کے حضارمہ تھے۔

اور شیخ عبدالقادران کے گل سرسبز تھے ۱۶۲۹ء مطابق ۱۰۳۹ھ میں احمد آباد میں فوت ہوئے۔

: النور السافر عن اخبار القرن العاشر :؛ اہل علم وفضل اور مشاہیر کے تذکروں کے اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا آغاز حافظ ابن حجر عسقلانی نے : الدرر الکامنہ فی المائۃ الثامنہ : لکھ کر کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) کے مشاہیر اہل علم وفضل کے سوانح مرتب کئے۔ اس کے بعد حافظ شمس الدین السخاوی نے : الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع : لکھی۔ جو نویں صدی ہجری (پندرہویں صدی عیسوی) کے اہل کمال کی تاریخ اور سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ اول الذکر دونوں کتابیں دیار عرب کے علماء کی ہیں مگر مؤخر الذکر ایک ایسے عالم کی تصنیف ہے جو اگرچہ نسلاً تو عرب تھے مگر پیدائشی طور پر ہندی تھے۔ النور السافر اور پہلی دو کتابوں کی ترتیب وغیرہ میں کچھ فرق ضرور ہے۔ ایک تو یہ کہ اول الذکر دونوں کتابیں حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہوئیں مگر النور السافر سن وار واقعات وحوادثات کے مطابق مرتب ہوئی۔

دوم یہ کہ اول الذکر دونوں کتابیں اختصار سے لکھی گئیں۔ مگر النور السافر میں کہیں کہیں تفصیل و تطویل سے کام لیا گیا ہے۔ سوم یہ کہ پہلی دونوں کتابوں کا دائرہ کار صرف سوانح رجال تک محدود ہے۔ مگر النور السافر میں دیگر سیاسی و ادبی

تاریخ کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں اگرچہ جہاں تک علمی پایۂ اور مرتبہ کا تعلق ہے اس میں علامہ سخاوی اور حافظ ابن حجر کے درمیان جتنا فرق ہے اس سے زیادہ فرق صاحب النور السافر اور علامہ سخاوی کے درمیان ہے۔

النور السافر کے مصنف نے اپنی کتاب کا آغاز تبرکاً سیرت نبوی سے کیا ہے اس کے بعد ۱۴۹۵ء / سنہ ۹۰۱ھ سے ۱۵۹۱ء / سنہ ۱۰۰۰ھ تک کے اہم تاریخی حوادث اور علم وفضل کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

آپ اپنی کتاب کے موضوع کے دائرۂ کار کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

هٰذا نموذج لطيفٌ وعنوان شريف ذكرت فيه وفيات من ظفرت بتاريخ وفاته ممن مات في هٰذا القرن الذي اول سنة احدىٰ وتسعمائة ختم بالحسنى من سائر العلماء والصلحاء والقضاة والادباء والملوك والاعيان مصريًا كان او شاميًا، حجازيًا كان او يمنيًا روميًا او هنديًا مشرقيًا ومغربيًا وضممت الىٰ ذكر بعض الحوادث والماجريات والحكايات العجيبة والملح الغريبة۔

یہ ایک عمدہ نمونہ اور اچھا عنوان ہے میں نے اس میں ان لوگوں کی تاریخ وفات ذکر کی ہے جو سنہ ۹۰۱ھ کے بعد اس صدی کے آخر تک فوت ہوئے اور انکی تاریخ وفات مجھے میسر آسکی۔ ان میں تمام علماء، صلحاء، قاضی، ادیب، بادشاہ اور سربرآوردہ اشخاص مذکور ہیں خواہ وہ شام یا مصر کے ہوں، خواہ حجاز، یمن، روم، ہند، مشرق یا مغرب کے ہوں۔ اس کے علاوہ میں نے اس کتاب میں حوادث، واقعات، عجیب حکایات اور انوکھی دلچسپ باتیں بھی شامل کردی ہیں۔ [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۲۳۵ ج ۵، خلاصۃ الاثر ص ۴۲ ج ۲، بحوالہ تاریخ ادبیات ص ۲۹۵ ج ۲۔

صاحب النور السافر کتاب کے خاتمہ پر فرماتے ہیں کہ اس تاریخ کی تالیف سے فراغت ۱۰۱۲ھ ۱۲ ربیع الثانی بروز جمعہ احمد آباد میں ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا یُوَافِی نِعَمَہٗ وَیُکَافِی مَزِیْدَہٗ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ [1]

اولادِ مصنف

۹۹۹ھ میں صاحب النور السافر کے صاحبزادے شیخ کی ولادت ہوئی، اور یہ تاریخ ولادت "سیدی شیخ جار" سے نکلتی ہے۔

اُکْرِمْ بِہٖ مِنْ هِلَالٍ فَاقَ الْبُدُوْرَ ضِیَاءً

تَارِیْخُہٗ اِنْ تَرُمْہُ قُلْ: سَیِّدِیْ شَیْخُ جَارٍ [2]

ان کی ولادت بھروچ میں ہوئی۔ ۱۰۰۵ھ میں مصنف کو اللہ تعالیٰ نے دوسرا لڑکا دیا نام عبداللطیف اور تاج العارفین لقب تجویز کیا۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی لبسکری نے اس پر یہ تاریخی جملہ کہا جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ "بدا تاج العارفینا" جس کو اس نظم میں انہوں نے ضبط بھی کیا۔

بدا تاج لجمع العارفینا ولی اللہ فاعلمہ یقینا

بدا عبداللطیف بکل لطیف یعم بہ الاقارب والبنینا

لیکن چودہ مہینے کی عمر پاکر یہ بچہ ذوالقعدہ میں فوت ہوگیا جس کی ولادت ایک سال قبل رمضان میں ہوئی تھی [3]

---

[1] النور السافر ص ۴۲۸ [2] ایضاً ص ۴۰۶ [3] ایضاً ص ۴۹۲ ۔

محمد فضل اللہ

مصنف النور السافر کے بھائی

مصنف کے بھائی محمد فضل اللہ۔ یہ ان کا تاریخی نام ہے۔ انکی ولادت پر فاضل عبداللطیف منشی نے اشعار کہے۔

بَدا کوکبٌ من افقِ عزٍّ وسؤدد — بہ لیسر اللہ الامانی کما نشا

مگر جلد ہی دو سال چار مہینے کے بعد، رجمادی الاولیٰ ۹۷۰ھ انکی وفات ہو گئی۔ ان کو جس جگہ دفن کیا گیا تھا وہیں پر بعد میں مصنف کے والد کو دفن کیا گیا۔

علامہ عبدالمعطی اباکثیر نے اس چھوٹے بچے کو غسل دیا۔ [1]

صاحبِ النور السافر کے والد

۹۷۴ھ میں مصنف کے والد نے بھروچ سے احمد آباد کا سفر کیا۔ اور وفات تک احمد آباد میں مقیم رہے۔ جس دن وہ احمد آباد میں داخل ہوئے تو ایک عظیم مجمع نے جس میں وزراء، حکام وغیرہ بھی تھے آپ کا استقبال کیا۔ [2]

۹۸۱ھ میں مصنف کے والد کا ایک جہاز جس کا نام عیدروسی تھا۔ جو شہر سے مدین کی طرف آرہا تھا مفقود ہو گیا، کچھ پتہ نہ چل سکا، اس میں سادات واشراف کی ایک جماعت بھی شہید ہو گئی۔ [3]

---

[1] النور السافر ص۲۹۱ [2] ایضاً ص۲۶۸ [3] ایضاً ص۳۰۰

شیخ فقیہ شیخ محمود بن محمد

وفات ۹ ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۳ نومبر ۱۶۳۰ء

محمود بن محمد بن حسن عمری چشتی۔ یکے از علمائے صالحین۔ مولد و مسکن احمدآباد ہے آپ نے اپنے والد سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کئے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد آپ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ آپ سے شیخ راجح بن داؤد گجراتی نے احمدآباد میں نحو و صرف اور منطق وغیرہ پڑھی سخاوی نے ان کا ذکر الضوء اللامع میں کیا ہے۔

آپ کی وفات ۹ ربیع الآخر ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۳ نومبر ۱۶۳۰ء میں احمدآباد میں ہوئی۔ نوراللہ مرقدہٗ۔[1]

شیخ علی متقی دوم

(متوفی ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۶۳۰ء)

شیخ علی بن شیخ ابو محمد ابن شیخ حسن ابن شیخ راجہ۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ کی نسل سے ہیں۔ شیخ محمد چشتی کی صحبت میں رہ کر سلوک کی منازل طے کیں۔ ورع و تقویٰ اور زہد و قناعت آپ کا شعار تھا۔

آپ کا انتقال ۱۰۴۰ھ میں ہوا آپ کا مزار شاہ بھیکن کے روضے کے پاس احمدآباد میں ہے۔[2]

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ص ۲۱۹، عربی ج ۵ ص ۴۰۹۔ الضوء اللامع [2] تذکرہ قاریان ہند

مرزا حسن عسکری لکھتے ہیں کہ شیخ محمد چشتی کے خلیفہ شیخ علی متقی (دوم)
بن شیخ ابو محمد بن شیخ حسین بن شیخ راجہ۔ آپ حضرت سلمان فارسی
کی نسل سے تھے، ورع و تقوی میں بے نظیر تھے کسی کے گھر کا کھانا نوش نہیں فرماتے
تھے۔ البتہ جب اپنے شیخ کی زیارت کو جاتے تو شیخ کے گھر کا کھانا نوش فرماتے حالانکہ
بڑی تنگی سے آپ کا گذر ہوتا تھا۔ گذارہ اس طرح فرماتے تھے کہ جہاں سبزی فروش اپنی
بیکار سبزیاں پھینک دیتے سبزی بیچنے کے بعد اس میں سے چن کر اپنے لئے کچھ جمع کر لیتے
اس کو پکاتے اور اسی کو کھا کر اس پر گذارہ فرماتے۔ آپ صاحب تصانیف تھے۔
اخیر عمر میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے آپ نے ۱۰۴۰ھ میں ۱۱ رجب کو
انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر پرانے اساول میں حضرت شاہ بھیکن کے مقبرہ کے
پاس ہے۔ [۱]

شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ

وفات ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۳۱ء

شیخ عبدالقادر بن شیخ کے تلامذہ میں شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ بن

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی۔ ص ۸۳

شیخ بن عبداللہ العیدروس الیمنی ہیں۔ جو بہت بڑے محدث، صوفی، اور فقیہ ہیں۔ آپکی جائے ولادت تریم ہے۔ قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد اپنے والد سے تحصیل علم میں مشغول رہے اور والد کی طرف سے آپ کو خرقہ بھی ملا اور بکثرت مشائخ سے آپ نے علوم میں استفادہ کیا جن میں سے بعضے یہ ہیں۔ فقیہ فضل بن عبدالرحمٰن ابا فضل شیخ زین باحسین بافضل، قاضی عبدالرحمٰن بن شہاب الدین وغیرہم۔

اس کے بعد آپ نے شحر، حرمین اور حجاز کا سفر کیا۔ آپ کا یہ سفر ۱۰۱۹ھ میں ہوا، وہاں شیخ محمد طیبار سے آپکی مصاحبت رہی، ان سے علمی گفتگو رہا کرتی تھی۔ اسی سال آپنے حج فرمایا اور حجاز سے لوٹنے کے بعد عارف باللہ عبداللہ بن علی صاحب الوہط سے آپ نے علم حاصل کیا پھر عدن میں احمد بن عمر العیدروس سے علم حاصل کیا۔ اور اسی طرح شیخ عبدالمالنع اور اکثر مشائخ سے آپ کو خرقۂ خلافت بھی سلاسلِ تصوف میں ملا۔ اور یمن کے جن مشہور علماء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ ان میں سے شیخ احمد الحشیری سید جعفر بن رفیع الدین، شیخ موسیٰ بن جعفر کشمیری اور سید علی الاھدل ہیں۔

تحصیل علم کے ساتھ ساتھ آپ عبادت اور تعلق مع اللہ کے حصول کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہے۔ برابر عبادت میں مشغول رہے پھر ہندوستان کا آپ نے سفر کیا اور ۱۰۲۵ھ میں ہندوستان پہنچے وہاں اپنے عم مکرم شیخ عبدالقادر بن شیخ کی صحبت میں رہے۔ شیخ عبدالقادر انکی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے آپ کو بہت مشغول پایا اور انہوں نے آپ کو بڑی بشارتیں دیں اور اپنی طرف سے خرقہ خلافت بھی عنایت فرمایا اور آپ کو اپنی مرویات اور تالیفات کی اجازت عامہ عطا فرمائی۔ اس کے بعد آپ ناظم دکن ہوئے اور وزیر عنبر اور وہاں کے سلطان برہان نظام شاہ سے ملاقات رہی اور انہوں نے آپ کا

بڑا اعزاز و اکرام کیا مگر بعض حاسدین کے حسد کی بنا پر آپ دکن سے سلطان ابراہیم عادل شاہ کے پاس پہنچ گئے۔ سلطان ابراہیم نے بھی آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور کوئی کام آپ کے مشورے کے بغیر سلطان انجام نہیں دیتا تھا۔ اس لئے کہ جب آپ پہنچے ہیں تو سلطان کو کسی بزرگ کی بد دعا کی وجہ سے ایک زخم ہو گیا جو کسی طرح مندمل نہیں ہوتا تھا آپ نے پہنچتے ہی ایسا تصرف کیا کہ بلا کسی علاج معالجہ کے سلطان ابراہیم ٹھیک ہو گئے جس سے انکا اعتقاد آپ کے بارے میں اور بڑھ گیا۔

سلطان ابراہیم عادل شاہ رافضی شیعہ تھے مگر آپ کی صحبت و برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق عطا فرمائی اور اہل سنت کے دائرے میں وہ داخل ہو گئے۔ وہاں کے عوام نے بھی جب سلطان سے آپ کا تعلق دیکھا تو ان کی نگاہوں میں بھی آپ کی قدر و عظمت بڑھ گئی وہاں کے قیام کے دوران سلطان کے قرب کی بنا پر بڑی دولت بھی آپ کے ہاتھ آئی آپ اسے صحیح مصرف میں ۔۔۔۔ خرچ کرنا چاہتے تھے آپ کی تمنا یہ تھی کہ حضرموت میں ایک بڑی جائیداد اشراف اور سادات کے لئے بنائی جائے، اس غرض کی خاطر آپ نے مال کثیر یمن بھیجا مگر مقدر کہ کشتی ڈوب گئی اور سارا مال ضائع ہو گیا۔

آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے ایک "السلسلہ فی الخرقۃ الشریفۃ" مشہور کتاب ہے۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ کی وفات تک ان کے پاس رہے ان کے انتقال کے بعد آپ دولت آباد منتقل ہو گئے اور وہاں وزیر فتح خان ابن عنبر کے ساتھ رہنے لگے، یہاں بھی آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا گیا۔

۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۲۱ء میں آپ کی وفات ہوئی اس وقت تک آپ وہیں مقیم رہے اور دولت آباد کے قریب روضہ کے نام سے جو قبرستان معروف ہے وہاں آپ دفن کئے گئے۔ آپ کا سنِ ولادت ۹۹۳ھ مطابق ۱۵۸۵ء ہے۔ [۱]

---

[۱] خلاصۃ الاثر ص ۲۲۵، ۲۲۴۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ ! السید العالم المتقی شیخ بن عبداللہ بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبداللہ العیدروسی الحسینی الیمنی الحضرمی، آپ کی ولادت ۹۹۳ھ میں ہوئی تریم میں آپ پیدا ہوئے۔ اپنے والد فضل بن عبدالرحمن بافضل، شیخ زین باحسین اور عبدالرحمن بن شہاب الدین وغیرہ علماء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ شحر، یمن، اور حرمین کا آپ نے سفر کیا اور وہاں کے متعدد علماء سے بھی آپ فیض یاب ہوئے۔ اور آپ نے علم وعمل کی مشغولی اور تقویٰ کو لازم پکڑے رکھا۔

پھر ہندوستان کا آپ نے سفر کیا وہاں بھی آپ علماء سے فیض یاب ہوتے رہے۔ آپ نے بہت سی نفیس کتابیں اکھٹی کیں اور آپ کے لئے بے شمار اموال اکھٹے ہو گئے۔

آپ نے متعدد تصانیف فرمائیں اور ۱۰۴۱ھ میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[1]

شیخ سراج بن علامہ کمال الدین

متوفی ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۳۱ء

شیخ سراج بن علامہ کمال الدین دہلوی۔ یکے از کبار مشائخ چشتیہ ۹۵۶ھ میں بمقام احمد آباد ولادت ہوئی۔ گہوارۂ علم ومشیخت میں نشو ونما ہوئی بعد میں والد مکرم کی جانشینی حاصل ہوئی اور ارشاد وتلقین فرماتے رہے۔

آپ نہایت متوکل علی اللہ اور داد ودہش کرنے والے تھے۔ بغیر مزامیر کے سماع کا ذوق رکھتے تھے اور کبھی کبھی آپ پر حالت وجد بھی طاری ہو جاتی تھی۔ تصنیف کے میدان میں بھی بلند خدمات انجام دی ہیں۔ ربیع الاول ۱۰۴۱ھ بمقام احمد آباد وفات ہوئی۔[2]

---

[1] البدر الطالع ص ۲۲۱۔ [2] نزھۃ الخواطر

شیخ محمد چشتی

م ۲۹ ربیع الاول ۱۰۴۱ھ بمطابق ۲۴ اکتوبر ۱۶۳۱ء

شیخ محمد بن حسن بن احمد بن نصیر بن مجد بن سراج بن علامہ کمال الدین دہلوی۔
آپ کا نام شمس الدین ہے اور لقب محمد۔ مجالس الاولیاء میں ہے کہ آپ کے والد محترم نے آپ کا نام "محمد" رکھا۔ آپ کا خاندان علم و معرفت میں مشہور تھا۔ آپکی والدہ محترمہ کا نام بی بی امۃ الغنی ہے جو شیخ عطاء اللہ کی بیٹی تھیں۔ اور انکا سلسلہ نسب شیخ لطیف الدین تک پہنچتا ہے۔ جو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی رح کے خلیفہ تھے۔ بی بی امۃ الغنی کی والدہ تاج العلماء شیخ تاج الدین کی بیٹی تھیں۔ جو حضرت گنج شکر کی اولاد سے تھے۔ جیساکہ مجالس الاولیاء میں لکھا ہے، آپ کی جائے ولادت احمد آباد گجرات ہے جہاں آپ ۹۵۶ھ مطابق ۱۵۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ لفظ "شیخ ولی" سے آپ کا سنِ ولادت نکلتا ہے۔

آپ کی پیدائش علم کے گہوارہ میں ہوئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم سے فراغت پائی۔ علوم ظاہری سے فراغت کے بعد آپ علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ والد محترم کے دستِ حق پر بیعت کی اور انہی سے خرقہ خلافت پایا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد ملک مقصود کی مسجد میں گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی اور کئی سال اسی حالت میں گذارے۔ پھر اپنے والد کی خانقاہ میں تشریف لائے جو شہر میں تھی اور درس و افادہ میں مشغول ہوگئے۔

آپ قناعت و توکل میں بے نظیر تھے۔ سلاطین اور امراء سے اجتناب کرتے تھے، رشد و ہدایت اور عبادت و ریاضت میں وقت گذارتے تھے۔ اپنا حال

کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ اخفار راز کو درویش کا جوہر سمجھتے تھے۔ آپ کو سماع بدون مزامیر کا شوق تھا۔ آپ پر بعض اوقات حالتِ وجد بھی طاری ہوجاتی تھی۔

تصانیف آپ نے ایک تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر محمدی/حسینی ہے۔ نیز ایک کتاب نکات الاخوان تحریر فرمائی جس میں نکات ذکر کئے ان میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) الریاضۃ ترک الشہوات (۲) المجاھدۃ الانقطاع عن غیر اللہ (۳) التوبۃ الندامۃ (۴) البلاء سراج الطالب (۵) الفراسۃ مطالعۃ العیوب (۶) الحرص ترک القناعۃ (۷) الحسد طلب زوال نعمۃ الغیر۔ (۸) الشریعۃ الاقوال الطریقۃ الاعمال الحقیقۃ الاحوال۔

اولاد ا۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ پہلے شیخ عزیز اللہ، دوسرے شیخ سراج دین تیسرے شیخ حسن محمد اور چوتھے شیخ محمود (والد شیخ یحییٰ مدنی)

آپ کے صاحبزادے عزیز اللہ حافظ قرآن تھے مشہور تھا کہ جو آپ سے قرآن پڑھتا وہ بہت جلد حافظ ہوجاتا۔ شیخ عزیز اللہ کے ایک صاحبزادے شیخ رحمت اللہ تھے جن سے سلطان محمود کو بہت اعتقاد تھا۔

خلفاء :۔ آپ کے خلفاء بے شمار تھے۔ مگر آپ کے خلفاء میں سے مشہور ترین آپکے پوتے شیخ یحییٰ مدنی ہیں۔ جن سے سلسلہ چشتیہ آگے چلا۔

آپنے ۲۹ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۱ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کا مادۂ تاریخ وصال یہ ہے: ”واصل حق محمد چشتی“

آپ کا مزار مبارک احمد آباد گجرات میں آپ کے والد گرامی شیخ حسن محمد کے مزار کے قریب مشرق کی طرف مسجد الضار سے متصل ہے جیسا کہ مرآت ضیائی میں لکھا ہے[1]

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ص ۳۴۳ ج ۵، ۶۳، تذکرہ قاریان ہند، تذکرہ صوفیائے گجرات، مناقب المحبوبین ص ۹

خاتمہ مرآۃ احمدی میں آپ کے تفصیلی حالات مذکور ہیں! شیخ محمد چشتی بن شیخ حسن محمد چشتی۔ آپکی ولادت ۹۵۶ھ میں ہے۔ جو لفظ، ولی، سے نکلتی ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کی اپنے والد محترم سے آپنے تحصیل فرمائی۔ والد محترم کی حیات تک انہیں سے استفادہ کرتے رہے انکی وفات کے بعد حضرت جلال الدین ماہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سید جلال الدین نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا کہ بڑی مخلوق آپ سے منتفع ہوگی۔ اور آپکی ولایت کا شہرہ دور دور تک پہنچے گا۔ اور طریق تصوف کی تصانیف کا کام آپ سے لیا جائے گا۔ اور آپ کا قول و فعل اہل سلوک کے لئے حجت ہوگا۔ جب والد کے بعد گدی نشین ہوئے تو ظاہری فقر آپ کو پیش آیا۔ بعض مریدین معتقدین نے درخواست کی کہ شاہانِ گجرات کی طرف سے آپ کے آباء و اجداد کو جو وظائف ملتے تھے اس کی سندیں موجود ہیں۔ اگر وہ عنایت فرمائیں تو اکبر بادشاہ کے سامنے پیش کرکے ان کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ اس فقر کا علاج ہو سکے اور باعث اطمینان ہو۔ ارشاد فرمایا کہ فقراء کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ بادشاہوں کے منت بردار ہوں۔ بادشاہ حقیقی بندوں کی رزاقیت کے لئے کافی ہیں۔ ہر چند لوگوں نے اس پر بہت اصرار کیا مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا جب زیادہ اصرار کیا گیا تو آپ نے وہ اسانید حوض میں پھینک دیں۔

ایک طرف گذارے کی تکلیف، دوسری طرف حاسدین کے حسد کی بنا پر آپ مجبور ہو گئے اور آپ نے شہر چھوڑ دیا اور شہر سے باہر دریائے سابرمتی کے کنارے پر آکر خلوت نشین ہو گئے۔ اس جگہ جہاں مسجد ملک واقع ہے صرف نماز جمعہ کے لئے اپنی خانقاہ میں شہر میں تشریف لے جاتے، کبھی کبھی وہاں چلہ کشی کرتے چالیس دن وہاں گذارتے۔ اس طرح آپ نے کئی سال گذار دیئے اس دوران اوراد و اشغال میں بوجہ اتم آپ مشغول رہے چند سال کے بعد خوارق اور کرامات کا

ظہور شروع ہوگیا، اور لوگ جوق در جوق حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے جس کی وجہ سے آپ مجبور ہو کر شہر میں قیام کرنے لگے اور درس و تلقین میں مشغول ہوئے پھر آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے قطبیت کی بشارت ملی اور عوام کی زبانوں پر خود بخود شیخ محمد قطب جاری ہوگیا چنانچہ منجملہ دیگر حضرات کے ۱۰۲۰ھ میں ۲۷ رمضان المبارک کو سید شریف عبدالقادر بن حضرت شریف شیخ عیدروسی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور قطبیت کی مبارکباد دی۔ اسی طرح جب آپ دہلی پہنچے تو بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لئے گئے۔ منجملہ دیگر بزرگوں کے ایک روز شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ کے مزار کی زیارت کے لئے پہنچے تو وہاں خرقِ عادت ایک واقعہ پیش آیا جس کی دہلی میں شہرت ہوگئی اور بادشاہ جہانگیر اس وقت اجمیر میں مقیم تھے۔ ان کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ سلطان جہانگیر نے اپنی طرف سے درخواست بھیجی کہ یہاں حضرت معین الدین اجمیری رح کی زیارت کے لئے تشریف لائیں تاکہ ہم سے بھی ملاقات ہو۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جہانگیر نے بھی وظیفہ کے تقرر کے لئے اصرار کیا مگر آپ نے کسی طرح قبول نہیں فرمایا۔ اس پر ایک گاؤں آپ کے بجائے آپ کے صاحبزادگان کے نام کر دیا گیا۔ جہانگیر جب ۱۰۲۷ھ میں احمد آباد پہونچے تو سید احمد قادری کی وساطت سے شیخ سے ملاقات کی درخواست کی۔ شیخ بادشاہ کے پاس پہنچے۔ اس وقت جہانگیر شیروں کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کہ اچانک ایک شیر پنجرے کو توڑ کر حملہ کرتا ہوا باہر نکل آیا تمام مخلوق بھاگ گئی مگر شیخ اپنی جگہ اسی طرح کھڑے رہے شیر بَبر پالتو کتے کی طرح آپ کے پاس پہنچ کر دم ہلانے لگا۔

آپ کی وفات ۱۰۳۰ھ میں ۲۹ ربیع الاوّل یکشنبہ کے روز چاشت کے وقت ہوئی۔ آپ کو آپکی خانقاہ میں والد بزرگوار کی قبر کے قریب مشرق کی جانب دفن کیا گیا۔ تاریخ وفات اس مصرعے سے مستفاد ہوتی ہے: واصلِ حق محمد چشتی۔

پہلے صاحبزادے شیخ حسن محمد ہیں جو ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ ایمان کے ساتھ مجھے میرے والد سے پہلے اٹھالے کہ انکی دوری کی طاقت مجھ سے برداشت نہیں ہوگی۔ چنانچہ ان کا پہلے انتقال ہوا۔ جب شیخ کو بھی ان کے انتقال کی خبر پہنچی تو اس قدر تعلق تھا کہ بیہوش ہوگئے اور پھر تیسرے دن آپ کا بھی انتقال ہوگیا۔

دوسرے صاحبزادے شیخ محمود محبوب: کہ تمام فرزندوں میں آپ زیادہ چہیتے تھے ہمیشہ گوشہ نشین رہتے۔ کہیں آمد و رفت نہیں رکھتے تھے ان کا اسی سال ۷ ربیع الثانی کو انتقال ہوا۔

تیسرے صاحبزادے شیخ سراج الدین، جو آپ کے محرم راز تھے، تمام امور کی نگرانی ان کے سپرد تھی۔ انہوں نے باپ کی وصیت کے موافق اپنے بھتیجے میاں شیخ یحییٰ کو حضرت شیخ کا جانشین بنایا۔ شیخ سراج الدین ۱۰۵۰ھ میں انتقال کر گئے۔

چوتھے شیخ عزیز اللہ، جن کی تعلیم و تربیت شیخ سراج الدین نے فرمائی۔ [1]

شیخ محمد معروف بہ شیخ محمد اعظم چشتی قدس سرہٗ

م ۹ ربیع الاول ۱۰۴۲ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۶۳۲ء

آپ حضرت شیخ محمد چشتی قدس سرہٗ کے فرزند بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ آپ کو چشتیہ سلسلہ کے علاوہ نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ سلسلوں سے بھی خلافت ملی تھی۔ آپ اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ آپ کی چالیس کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں۔ ہزاروں مرید آپکے سلسلہ کو پھیلاتے رہے۔ سماع کی مجالس میں آپ پر وجد اور رقت طاری رہتی۔ نو ربیع الاوّل ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ آپ

---

[1] خاتمہ مرأۃ احمدی ص۲۷۔

کا مزار احمد آباد میں ہے۔

بعظمت شد چو در خلد معلیٰ | محمد اعظم آں فرخندہ انجام
وصالش فضل اسلام است پیدا ۱۰۴۲ھ | وگر از دل عیاں شیخ اسلام ۱۰۴۲ھ [1]

محمد بن احمد عاجز بن شیخ احمد گجراتی

عاجز کی دو مثنویاں "یوسف زلیخا" (۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء) اور "لیلیٰ مجنوں" (۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء) مشہور رہیں۔

یوسف زلیخا میں عاجز نے اپنے اور اپنی کتاب کے بارے میں مفید مطلب معلومات فراہم کردی ہیں۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

کہیا یو قصا بہوت اپروپ ہے | ہوئے دکھنی سوں تو بہت خوب ہے
نبی بعد ہجرت ہوئی یک ہزار | چہل چار پر جا کیا بر قطار
محمد اہے نام احمد پدر | تخلص ہیں عاجز ہوا سربسر

محمد بن احمد عاجز شیخ احمد گجراتی کے بیٹے تھے۔ یہ وہی شیخ احمد ہیں جنہوں نے محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں اپنی دو طویل مثنویاں "یوسف زلیخا" اور "لیلیٰ مجنوں" پیش کیں تھیں۔ بیٹے نے بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اس دور کے رنگِ سخن کے مطابق یہی دو مثنویاں لکھیں۔

"یوسف زلیخا" میں سلطان محمد عادل شاہ کی مدح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دربار میں پیش کی گئی تھی، لیکن لیلیٰ مجنوں میں جو یوسف زلیخا کے دو سال بعد لکھی گئی، کسی بادشاہ یا امیر کی مدح میں کوئی شعر نہیں ملتا۔ [2]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۴۲۰/۲۶ ۔ [2] تاریخ ادب اردو تصنیف ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۲۴۶ ۔

عبدالحکیم لاہوری

وفات ۱۰۴۵ھ بمطابق ۱۶۳۵ء

شیخ عبدالحکیم، مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری کے فرزند ارجمند تھے۔ اپنے والد کے ساتھ حج کا سفر کیا۔ پھر انہیں کے ساتھ واپس آکر احمد آباد میں مقیم ہوئے۔ جب مخدوم الملک فوت ہوئے اور ان کا گھر بار لٹ گیا تو آپ احمد آباد سے لاہور آئے اور زاویۂ عزلت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ علوم فقہیہ و اصول کے ماہر اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء میں بمقام لاہور فوت ہوئے اور زیب النساء کے باغیچے کے پاس دفن ہوئے "فصوص الحکم" کی فارسی شرح (مقبول مفتی غلام سرور مقبول عام وخاص) اور چشتیہ کے اشغال و اذکار سے متعلق ایک رسالہ موسوم بہ "اسرار عجیبہ" ان کی تصانیف ہیں۔ [1]

محمد بن سید جلال الدین بخاری

مصنف لطائف شاہیہ

م ۱۰۴۵ھ

"لطائف شاہیہ" سید محمد بن سید جلال الدین شاہی رضوی متوفی ۱۰۴۵ھ کی تصنیف ہے ۶۳ بابوں میں منقسم ہے۔ ہر باب کو لطیفہ سے تعبیر کیا ہے، اس میں حضرت شاہ عالم کے حالات زندگی تحریر کئے ہیں۔ بھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی۔ [2]

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند (عربی ادب) صفحہ ۲۹۲۔ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۳۳۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

م ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ بمطابق ۱۸ جون ۱۶۴۲ء

شیخ عبدالحق کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ ان کے اجداد میں سب سے پہلے آغا محمد ترک تیرہویں صدی عیسوی یعنی سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور حکومت میں ۱۲۹۶ء میں ھندوستان تشریف لائے سلطان نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی اور اعلی عہدوں سے نوازا۔ ان دنوں گجرات کی مہم کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ چنانچہ سلطان نے آغا محمد ترک کو اپنے امرار کی جماعت کے ساتھ گجرات روانہ کر دیا آغا محمد گجرات کی فتح کے بعد وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کے ایک سو ایک بیٹے تھے جن کے ساتھ وہ

نہایت شان و شوکت سے دن گذارتے تھے۔ ایک ہولناک حادثہ میں نو لڑکے انتقال کر گئے صرف ایک لڑکا ملک معزالدین بچا جس سے اس خاندان کا سلسلہ چلا۔ آغا محمد اس صدمہ سے نڈھال ہوکر پھر دہلی واپس آگئے اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں معتکف ہو گئے۔ ۷۲۹ھ بمطابق ۱۳۲۸ء کو سلطان بن محمد تغلق کے زمانے میں آغا محمد ترک نے داعی اجل کو لبیک کہا اور دہلی ہی میں عیدگاہ شمسی کے عقب میں سپرد خاک کئے گئے۔

ملک معزالدین سے اس خاندان کا سلسلہ جاری ہوا خدا تعالیٰ نے ان کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ نے ملک معزالدین کو یہ مرتبہ دیا کہ گویا سو آدمیوں کی استعداد اور فیضان ان کو تنہا عطا فرمایا۔ [۱]

ان کے بعد ان کے بیٹے ملک موسیٰ نے بڑی عزت و شہرت حاصل کی۔ ان کے کئی بیٹے تھے ان میں شیخ فیروز نے خاندان کو زیادہ عزت بخشی۔ شیخ فیروز ۸۶۰ھ مطابق ۱۴۵۵ء میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہو گئے اس وقت ان کی بیوی حاملہ تھیں۔ کچھ عرصہ بعد ان سے شیخ سعداللہ یعنی شیخ عبدالحق کے دادا پیدا ہوئے۔ جو اپنے زمانے کے کامل شیخ ہوئے۔ شیخ سعداللہ شاہ جلال گجراتی کے مریدوں میں سے تھے۔ شیخ سعداللہ نے ۹۲۷ھ بمطابق ۱۵۲۱ء میں اس دنیا کو رخصت کیا اور اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین۔ والد کے انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر آٹھ سال تھی۔ وفات سے قبل والد ماجد نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی جس کا تذکرہ خود انہوں نے کیا ہے اور شیخ عبدالحق نے اخبارالاخیار میں اس کو تحریر فرمایا ہے کہ:

---

[۱] اخبارالاخیار۔

نمازِ تہجد کے بعد مجھے قبلہ رو کھڑا کیا اور کہا الٰہی تو جانتا ہے کہ میں دوسرے لڑکے
کی تربیت سے فارغ ہو چکا ہوں لیکن اس لڑکے کو یتیم و بے کس چھوڑ رہا ہوں، اس
کو تیرے سپرد کرتا ہوں تو ہی اس کی تربیت اور حفاظت فرما۔

چنانچہ یہ لختِ جگر بعد میں دہلی کا نہایت ہی با وقعت اور با عزت انسان بنا اور اسی کے
گھر میں وہ آفتاب علم طلوع ہوا جس نے ساری فضائے علم کو منور کیا یعنی شیخ عبدالحق محدث
دہلوی جن کا تذکرہ ہم یہاں کر رہے ہیں۔

تعلیم شیخ عبدالحق محدث دہلوی محرم ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک
سے لیکر مصباح و کافیہ تک تعلیم اپنے والد شیخ سیف الدین سے حاصل کی
پھر کسی دوسرے استاذ کے پاس بارہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد
پڑھی اور پندرہ سال کی عمر میں مختصر و مطول کا درس لیا اور تقریباً اٹھارہ سال کی عمر
میں بقدر کفایت تمام علوم نقلی و عقلی سے فارغ ہو گئے اس کے بعد کلام پاک حفظ کیا
بیس برس کی عمر میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ ۳۸ سال کی عمر میں حجاز کا
شوق دامنگیر ہوا۔ اسی ارادہ سے ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷ء کے شروع میں حجاز کی طرف
روانہ ہوئے۔ محمد غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ شیخ ۹۹۵ھ کے شروع میں
مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچے۔ یہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گذر چکا ہے۔
چنانچہ آپ سال بھر وہیں رہے۔

احمد آباد میں اس زمانہ میں مرزا عزیز کوکہ مالوہ کے حاکم تھے اور اکبر
کے رضاعی بھائی تھے۔ شیخ عبدالحق نے ان کے پاس بھی قیام
فرمایا وہاں سے مانڈو تشریف لے گئے اور مانڈو سے روانہ ہو کر شیخ محدث
احمد آباد پہنچے۔ وہاں ان دنوں مرزا نظام الدین احمد مصنف طبقات اکبری صوبہ
کے بخشی تھے انہوں نے نہایت گرم جوشی سے شیخ کا استقبال کیا اور اصرار کر کے

آئندہ موسم حج تک اپنے پاس ٹھہرایا۔

احمدآباد میں شیخ عبدالحق دہلوی شیخ وجیہہ الدین علوی کی خدمت بابرکت میں بھی حاضر ہوئے اور انکی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ خود شیخ عبدالحق اخبارالاخیار میں لکھتے ہیں کہ:

> محرر سطور جب سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادے سے احمدآباد (گجرات) پہنچا تو اس وقت وہاں مشائخ متاخرین میں شیخ وجیہہ الدین علوی جو جامع کمالات و برکات سن رسیدہ بزرگ تھے۔ درس و تدریس میں مشغول تھے۔ کتابوں کی تصنیف و ترتیب اور ارشاد طالبان حق میں ان کا انہماک تھا۔ ان کی ملاقات کی سعادت حاصل کی اور سلسلہ قادریہ کے کچھ اذکار و اشغال ان سے حاصل کئے۔

شیخ محدث دہلوی، دہلی سے بلا کسی زاد راہ کے احمدآباد پہونچے تھے۔ احمدآباد میں مرزا نظام الدین بخشی جو ان کے دیرینہ دوست تھے ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور جب حجاز روانہ ہونے کا وقت آیا تو زاد راہ فراہم کیا اور جہاز کا بندوبست کیا۔

رسالہ صلوٰۃ الاسرار میں شیخ محدث نے لکھا ہے کہ ان کا شریک سفر ایک قادری درویش تھا۔ صبح کو جب جہاز کا لنگر اٹھایا جاتا تو یہ درویش جہاز کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا نام زور زور سے لیا کرتا۔ شیخ کو ان کی آواز بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔

مکہ مکرمہ میں محدث دہلوی ماہ رمضان سے کافی عرصہ قبل مکہ معظمہ پہونچ گئے تھے۔ چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انہوں نے وہاں کے محدثین سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا۔ پھر شیخ علی متقی کے شاگرد شیخ عبدالوہاب متقی کے علمی و عملی کمالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کے دامن سایہ فگن سے وابستہ ہو گئے۔

رمضان المبارک آیا تو شیخ عبدالوہاب متقی کے زیر نگرانی حرم شریف میں سنت اعتکاف

بجالائے بعد رمضان انہی کے پاس مشکوٰۃ کی تصحیح کی اور جب حج کا موسم آیا تو شیخ عبدالوہاب ہی کی معیت میں تمام مناسک حج ادا کئے۔ حج سے فراغت کے بعد جب محدث دہلوی نے مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا تو شیخ عبدالوہاب نے کہا کہ ہوا نہایت سرد اور تم کمزور بدن ہو اگر اسی وقت چلے گئے اور کوئی بات ہوگی تو واپسی کو جلد جی چاہنے لگے گا۔ اس لئے چند روز تحمل کرو۔

مدینہ منوّرہ میں

شیخ عبدالحق مدینہ منورہ کی حاضری کے لئے بہت بے تاب تھے مگر شیخ کے مشورہ کی خلاف ورزی کیسے کرتے۔ مجبوراً دو تین ماہ صبر کیا جب ربیع الاول آیا تو بے تابی شوق بڑھی اور شیخ سے پھر اجازت چاہی۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر زائد صبر کی طاقت نہیں ہے تو مبارک ہو۔ اجازت پاکر ۲۳ ربیع الاول کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور ۶/۵ ربیع الآخر کو مدینہ منورہ پہونچے۔ اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضری کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ جمعہ کی رات آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنا قصیدہ پیش کیا۔ جب اس شعر پر پہونچے سے

خرابم در غمِ ہجر جمالت یا رسول اللہ　　جمال خود نمار حمے بجان زار شیدا کن

تو اس کی تکرار کرتے کرتے زار زار رونے لگے۔ شیخ خود فرماتے ہیں کہ غالب گمان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا کیونکہ رجب ۹۹۸ھ کی ۱۷ یا ۱۰ تاریخ کو رات جبل اُحد کے قریب ایک مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور میں آپ سے بغلگیر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

شیخ محدّث رجب تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے پھر مکہ معظمہ آکر شیخ عبدالوہاب سے مشکوٰۃ کا درس پورا کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو شیخ عبدالوہاب نے فرمایا!

> الحمد للہ اس علم پر پورا عبور حاصل ہوگیا بلکہ اس قدر ہوگیا ہے کہ اس علم کی خدمت کا حق ادا کیا جاسکتا ہے۔ اب چند دن دوسرے کام میں مصروف ہونا چاہئے

اور خلوت و ذکر اللہ کی کچھ لذت بھی چکھنی چاہیئے۔ (زاد المتقین)

شیخ عبدالوہاب نے آپ کو تصوف کی کچھ کتابیں پڑھائیں۔ ان میں قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقہ، اور منہج السالک الی اشرف المسالک قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر کتاب عربی میں ہے۔ جس کا شیخ محدث نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

پھر شیخ عبدالوہاب نے شیخ محدث دہلوی کو حرم شریف کے ایک حجرے میں جو باب جیاد کے مقابل اور حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان واقع تھا بٹھا دیا۔ شیخ عبدالوہاب نے اس زمانہ میں انکی طرف خاص توجہ فرمائی۔ ان کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو حرم شریف میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب یہاں آتے تو شیخ عبدالحق سے بھی ملتے اور انکی عبادت وریاضت کی نگرانی فرماتے۔ جب اس خلوت کدہ سے باہر آنے کی اجازت ملی تو شیخ محدث نے صحیح مسلم کی قرأت کی اجازت چاہی۔ جب اس سے بھی فارغ ہو گئے تو حکم ہوا "اب ہندوستان کا ارادہ کرو"، چنانچہ باوجود نہ چاہنے کے شیخ محدث دہلوی کو ہندوستان کا رخ کرنا پڑا۔

خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں

رسالہ وصیت میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ جب ہندوستان واپس آیا تو خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ عرصہ تک طریقہ خواجگان کی مشق کی اور ذکر مراقبہ رابطہ حضور اور یادداشت کی تعلیم حاصل کی۔

محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا کہ شیخ محدث نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی ارشاد پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پر بیعت کی تھی اگر سولہویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع کی مذہبی اور روحانی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی ذاتِ گرامی احیاء سنت اور اماتتِ بدعت کی تمام تحریکوں کا منبع و مخرج تھی۔ ان کے ملفوظات ومکتوبات کا ایک ایک حرف ان کی مجددانہ مساعی، بلندیٔ فکر ونظر کا شاہد ہے۔

شیخ عبدالحق نے احیاءِ علوم کا بیڑا اٹھایا تو حضرت باقی باللہ کا آفتابِ ارشاد نصف النہار پر تھا ناممکن تھا کہ وہ ان سے کسب فیض نہ کرتے ۔ ان کا مختصر سا حال سپرد قلم کیا جاتا ہے ۔

خواجہ باقی باللہؒ

خواجہ صاحب سنہ ۹۷۱ھ میں کابل میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد ماجد قاضی عبدالسلام علم و فضل میں ممتاز تھے ۔ فقہ و حدیث میں کمال رکھتے تھے ۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی ۔ خواجہ محمد باقی نے ملا صادق حلوائی سے علم حاصل کیا ۔

ایک مرتبہ دوران درس ایک مجذوب نے خواجہ صاحب کو مخاطب کر کے کہا ؎

درکنز و ہدایہ نتواں دید خدا را   آئینہ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اس شعر کا سننا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل علوم ظاہری سے گھبرا گیا اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ۔ عرصہ تک صحرا نوردی کرتے رہے ۔ مختلف بزرگوں کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا ۔ اور بالآخر ایک روحانی اشارے پر ہندوستان کا رخ کر دیا اور یہاں آکر نقشبندیہ سلسلہ کے فیض کو عوام و خواص تک پہنچایا ۔

شیخ عبدالحق نے خواجہ باقی باللہ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو کر بہت کچھ حاصل کیا کتاب المکاتب والرسائل میں خواجہ صاحب کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان کا ذکر کیا ہے ۔

مہدوی تحریک

شیخ عبدالحق جب پیدا ہوئے تو مہدوی تحریک عروج پر تھی ۔

مہدوی تحریک کے بانی سید محمد جونپوری ۱۴ رجمادی الاول ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء جونپور میں پیدا ہوئے تھے ۔ وہ دل و دماغ کی بڑی خوبیوں کے مالک تھے اس لئے معاصرین نے ان کو اسد العلماء کا خطاب دیا تھا ۔ درس و تدریس میں خاص مہارت تھی ان کے حلقۂ درس میں شاہ و گدا سب ہی شریک ہوتے تھے ۔ چالیس سال کی عمر میں سید محمد جونپوری معتقدین کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر حجاز چلے گئے

وہاں عرصہ تک ارشاد وتلقین اور درس وتدریس میں مصروف رہے۔ مہدوی تذکروں میں لکھا ہے کہ ۹۰۵ھ؁ ۱۴۹۵ء میں جب کہ ان کی عمر باون سال تھی انہوں نے مکہ میں مہدویت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد وہ گجرات کی طرف متوجہ ہوگئے اور احمد آباد میں مہدوی تحریک کا مرکز قائم کیا۔ وہاں علماء نے انکی شدید مخالفت کی لیکن جتنی وہ مخالفت کرتے تھے اتنی ہی انکی تحریک ترقی کرتی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:

عشق کی صداقت اور قلب کی پاکی نے انکی دعوت وتذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے اور متعدد سلاطین وقت نے ان سے بیعت کی۔ ان لوگوں کے طور وطریق کچھ عجیب عاشقانہ ووالہانہ تھے اور صحابۂ کرام کے خصائص کی یادتازہ کرتے تھے۔ عشق الہٰی کی ایک جاں سپار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن وزمین کی فانی الفتوں کو ایمان ومحبت کے رشتہ پر قربان کردیا تھا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق وغمگسار بن گئے تھے۔ امیر وفقیر، اعلیٰ وادنیٰ سب ایک ہی حال اور ایک رنگ میں رہتے اور بجز خلق اللہ کی ھدایت وخدمت اور احکام شرع کے اجراء وقیام کے اور کسی کام سے واسطہ نہ رکھتے تھے۔

سید محمد مہدی کا مقصد اگرچہ احیاء سنت اور اماتت بدعت تھا لیکن ان کی تحریک زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ مہدویت کا تصور اسلام کے ایک بنیادی اصول ختم نبوت سے ٹکرا گیا اور شیخ علی متقی، شیخ عبدالوہاب متقی اور دیگر علمائے اسلام نے اس کی پرزور تردید کی اور آخرکار یہ فتنہ نیست ونابود ہوگیا۔

شیخ عبدالحق اور علم حدیث:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح حجاز سے

واپس آئے تو اپنے ساتھ علوم کا خزینہ بھی ساتھ لے آئے ۔ اور پھر اشاعت علوم میں مشغول ہو گئے ۔ بالخصوص علم حدیث کی اشاعت وتدریس میں ایسے منہمک ہوئے کہ پورے ملک ھندوستان میں ایک سلسلۂ تعلیم عام ہوگیا ۔ آپ نے فن حدیث میں کئی کتابیں لکھیں عربی میں مشکوٰۃ کی شرح لمعات مشہور رہے ۔ فارسی میں اشعۃ اللمعات ہے جو لمعات سے زیادہ مفصل ہے ۔ لہ

ایک وضاحت اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ عبدالحق نے علم حدیث کے سلسلہ میں ھندوستان میں زبردست خدمات انجام دی ہیں ۔

اور انہی کی کوششوں سے ہندوستان میں حدیث کا خوب چرچا ہوا لیکن یہ جو مشہور ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو عرب سے فن حدیث شریف لائے ۔ جیساکہ نواب صدیق حسن خاں نے بھی اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ شیخ عبدالحق ہی سب سے پہلے علم حدیث کو یہاں لائے اور اس کی نشر واشاعت کی ۔ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حجاز مقدس میں جن مشائخ سے آپ نے علوم ظاہرہ و باطنہ حاصل کئے اور جن سے مشکوٰۃ پر عبور حاصل کیا یعنی شیخ عبدالوہاب متقی بھی گجرات سے حجاز جا کر مقیم ہوئے تھے ۔

گجرات کے شہر پٹن نہروالہ احمد آباد بھروچ اور سورت میں ان کے سفر حجاز سے بہت پہلے حدیث کا چرچا عام ہوچکا تھا ۔ چنانچہ سید عبدالقادر حضرمی لکھتے ہیں !

وفیھا (ای فی سنۃ ۹۷۴) فی رجب ختم صحیح البخاری عند الامیر الصالح الخان الحبشی بقراءۃ العلامۃ القاضی جمال الدین محمد المہائمی وعمل الخان لختمہ ضیافۃ عظیمۃ ۔ ؎۲

رجب ۹۷۴ھ میں امیرالخان کی موجودگی میں علامہ جمال الدین مہائمی کی قرأت سے

لہ رودکوثر ؎۲ النورالسافر۔

ختم بخاری کی تقریب ہوئی اس موقع پر النعمان نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سفر حرمین سے پہلے گجرات میں بخاری شریف کا درس جاری تھا کیونکہ محدث دہلوی کا سفر حجاز ۹۹۵ھ کے بعد ہے۔

تصانیف آپ نے حدیث کے علاوہ سب سے زیادہ توجہ سیرت النبی کی تاریخ پر دی۔ چنانچہ آپ نے مدارج النبوۃ کے عنوان سے سیرت النبی پر ایک مبسوط کتاب ترتیب دی۔ مدینۃ النبی کی تاریخ میں جذب القلوب فی دیار المحبوب بھی مشہور ہے جس کا اردو ترجمہ تاریخ مدینہ منورہ کے نام سے شائع ہوا ہے۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی دوسری دلچسپی قادریہ سلسلہ کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے تھی۔ آپ نے ان تصانیف کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین کا ترجمہ کیا۔ فتوح الغیب کی شرح لکھی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی سوانح عمری بہجت الاسرار کا خلاصہ زبدۃ الآثار کے عنوان سے مرتب کیا۔

آپ کی ایک اور تصنیف زاد المتقین الی طریق الیقین ہے جس میں ان شیوخ واساتذہ کے حالات لکھے ہیں جن سے آپنے سفر حجاز میں فیض حاصل کیا۔

ایک رسالہ نورانیہ سلطانیہ ہے جس میں جہانگیر کے لئے سلطنت اور قواعد حکمرانی کو ترتیب دیا ہے۔

آپ کی سب سے زیادہ کامیاب تالیف اخبار الاخیار ہے جس میں آپنے ہندوستان کے اولیاء اور بزرگوں کے حالات تاریخی ترتیب سے لکھے ہیں۔

ان تصانیف کے علاوہ سو سے زائد اور تصانیف ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور حقی تخلص تھا۔ آپ کا مجموعۂ کلام حسن الاشعار کے نام سے مرتب ہوا ہے۔ [1]

وصال:- ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے ۹۴ سال تک

---

[1] رود کور۔

فضائے ہند کو منوّر رکھا غروب ہوگیا۔ آپکی وصیت کے مطابق حوض شمسی کے کنارے آپکو سپردِ خاک کیا گیا۔ [1]

حضرت عبدالحق محدث دہلوی رح مدینہ منورہ میں حدیث ختم کر چکے تو حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ تم ہندوستان میں جاکر علم حدیث کو شائع کرو تاکہ لوگ فیض یاب ہوں۔ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر حضوری آستانہ مبارک میری زندگی کس طرح کٹے گی۔ حکم ہوا کہ تم رات کے وقت مراقب ہوکر بیٹھا کرو۔ ہمارے پاس پہنچ جایا کرو گے۔ جب بیدار ہوئے تو بہ تعمیل حکم ہندوستان کی راہ لی۔ جس وقت سورت یا بمبئی سے ہندوستان روانہ ہوئے تو جا بجا فقرا سے ملنا شروع کیا۔ ایک جگہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی فقیر ہے؟ کسی نے نشان دیا کہ فلاں محلہ میں ہے۔ فجر کے وقت انکی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھتے ہی فقیر بولا کہ مولوی عبدالحق صاحب آپ کا بڑا انتظار تھا۔ آپ چپ بیٹھ گئے۔ بعد مزاج پرسی فقیر صاحب نے جام و صراحی نکال کر ایک ساغر نوش کیا۔ دوسرا جام لبریز کر کے مولوی صاحب کو دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حرام ہے تین بار انکار کیا اس نے کہا لے ورنہ پچھتائے گا۔ جب رات کو مراقب ہوئے تو دیکھا جہاں خیمہ دربار رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم ایستادہ ہے اس سے سَو قدم آگے وہ فقیر لٹھ لیے کھڑا ہے۔ ہر چند مولوی صاحب نے آگے جانے کا قصد کیا لیکن فقیر نے جانے نہ دیا۔ ناچار واپس آئے۔ صبح کے وقت پھر اس فقیر کے پاس پہنچے اس نے پھر جام پیش کیا۔ آپ نے نہ لیا کہ میرے واسطے حرام ہے۔ تیرے حکم سے خدا اور رسول کا حکم افضل ہے۔ فقیر نے کہا کہ پی لو ورنہ پشیمانی اٹھاؤ گے۔ رات کو پھر وہی معاملہ پیش آیا۔ نہایت حیران ہوئے۔ تیسرے روز پھر اس فقیر کے پاس پہنچے اس نے پھر پیالہ پیش کیا

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۵۹۸

آپ نے انکار کیا۔ چوتھی شب جو مراقب ہوئے فقیر کو پھر سدِ راہ پایا۔ فقیر لٹھ لے کر انکی طرف دوڑا کہ خبردار جو اس طرف قدم اٹھایا۔ اس وقت اضطراب میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ عبدالحق چار شب سے حاضر نہیں ہوا۔ دیکھو تو باہر کون پکارتا ہے بلاؤ انہوں نے دونوں صاحب کو حاضر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ عبدالحق چار رات سے تو کہاں تھا۔ انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ حضرت نے اس فقیر کی نسبت کہا اُخْرُجْ یَا کَلْبُ۔ صبح کے وقت پھر شاہ صاحب فقیر کے پاس پہنچے اس کا حجرہ بند پایا۔ دو چار مرید بیٹھے ہوئے تھے۔ پوچھا کیا سبب ہے کہ اتنا دن چڑھے بھی انہوں نے دروازہ نہیں کھولا دیکھو کہ ہیں بھی یا نہیں۔ دروازہ کھولا تو پیر ندارد۔ حیران ہوئے۔ شاہ عبدالحق نے فرمایا کہ کوئی جانور یہاں سے نکلا ہے یا نہیں؟ وہ بولے کہ ایک کالا کتّا تو ہم نے یہاں سے جاتا ہوا دیکھا تھا۔ فرمایا کہ بس وہی تمہارا پیر تھا کیونکہ رات یہ معاملہ پیش آیا تمہارا پیر کتّا ہوگیا۔ ؎

سلطان الہند امیر جوہر

م ۱۰۵۶ھ بمطابق ۱۶۴۶ء

شیخ بن عبداللہ عیدروس سے مستفید ہونے والوں میں امیر جوہر سلطان الہند ہیں جو بچپن میں اپنے بھائی کے ہمراہ ہندوستان لائے گئے۔ سلطان برہان نظام شاہ

عادل نے دونوں بھائیوں کو خرید لیا۔ اور ایک بھائی جوہر کو تعلیم قرآن کے لئے علماء کے سپرد کیا۔ انہوں نے قرآن پڑھا اور دیگر کتب پڑھیں، پھر گھوڑ سواری، تلوار چلانا، نیزہ بازی، تیر اندازی وغیرہ میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ دو سو گھوڑے سواروں پر آپ کو امیر مقرر کیا گیا۔ آپ شافعی المذہب تھے۔ آپ نے شیخ بن عبداللہ عیدروس کے علاوہ مشائخ کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا۔ انکی صحبت میں رہے یہانتک کہ شیخ بن عبداللہ عیدروس کی طرف سے خرقہ خلافت بھی ملا۔ جیسا کہ شلی فرماتے ہیں کہ میں آپ سے ہندوستان میں اپنے سفر کے دوران ملا ہوں اور آپ کو بڑا فاضل و بڑا عالم پایا۔ خود شلی سے بھی انہوں نے فقہ، نحو، حدیث وغیرہ علوم پڑھے شلی فرماتے ہیں کہ آپ بڑے عبادت گذار تھے کوئی ساعت تلاوت قرآن، ذکر اللہ یا نماز سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام سے خالی نہیں جاتی تھی اور آپ دقائق علوم اور سلاطین کے حالات وغیرہ کی کتب کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ آپ بڑے جری، بڑے بہادر، بڑے مدبر تھے۔ آپ مسلسل غزوات اور کفار سے جہاد میں مشغول رہے۔ پھر زمانہ کے انقلابات کی بنا پر اپنی مملکت کو چھوڑ کر بیجاپور تشریف لے گئے۔ اور وہیں ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور اہل بیت اور سادات اور عرب کے مقبرے میں بیجاپور شہر میں دفن کئے گئے۔ [1]

آپ کا نام ہاشم علی تھا اور پورے نام کو آپ بطور تخلص استعمال کرتے تھے۔

[1] خلاصۃ الاثر ج ۱ ص ۴۵

انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ کے مرتب نے آپ کو بیجاپوری لکھا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ آپ (۱۶۲۵ء تا ۱۶۴۶ء / ۱۰۳۵ھ تا ۱۰۵۶ھ) میں بقید حیات تھے نیز آپ کو حضرت شیخ احمد فاروقی الملقب بہ حضرت مجدد الف ثانی رح کا مرید بتایا گیا ہے یہ سب امور غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ آپ کا وطن گجرات تھا، جس کا آپ نے خود ذکر کیا ہے

ہاشم علی نکھا توں نے کس دولہن کی باناں
اس غم سے ہے جگر خون اور چشم اشک ریزاں
گجرات میں پڑھے جب یہ مرثیے کو یاراں
سن کر چلے ہیں دکھی اپنے دکھن کو روتے

آپ کا زمانہ حضرت مجدد الف ثانی رح سے تقریباً ایک صدی بعد کا ہے۔ ڈاکٹر زور کی تحقیق کے مطابق (۱۷۴۵ء/۱۱۵۸ھ) میں آپ خاصے مشہور ہو چکے تھے۔ ایک مرثیے کی تاریخ تصنیف آپ نے "عین و قاف و سین و طا" سے نکالی ہے۔ جس سے ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۵ء برآمد ہوتی ہے۔

آپ کے معاصرین میں حافظ رضی، رومی، مرزا، دکنی اور وفادر گجراتی جیسے شعراء شامل تھے۔ ایک جگہ آپ نے ان شعراء کی دائمی مفارقت کا ذکر مندرجہ ذیل شعر میں کیا ہے۔ ؎

ہزار حیف نئیں شاعران دکن سو رومی و مرزا و وفادر نہیں

آپ نے اپنا مجموعہ مراثی "دیوان حسینی" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ جس کا ایک نسخہ اڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔ اس دیوان کی ابتداء میں آپ نے اس کے نام کی توجیہہ یوں کی ہے۔ ؎

شاعراں نے شعر بولے گرچہ رنگین دل کشا
اے عزیزاں یو سخن ہے اس دل بریاں کا

تو ں لکھا ہے کربلا کا یو بیان ہاشم علی
ہے یو دیوان حسینی نام اس دیوان کا [۱]

شیخ جلال الدین محمد

م ۲۰ ربیع الاول ۱۰۵۴ھ بمطابق ۲۴ اپریل ۱۶۴۴ء

شیخ جلال الدین محمد بن جلال حسینی بخاری ۔ جو مقصود عالم سے معروف ہیں گجرات میں پندرہ ۱۵ جمادی الاخری ۱۰۳۵ھ/۱۵۹۵ھ کو پیدا ہوئے ۔ قرآن حکیم پہلے آپ نے حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم مولانا حسین بستانی سے ، اور شیخ عبدالعزیز سے حاصل کی جو آپ کے والد کے تلامذہ میں سے تھے اس کے بعد طریقت کے حصول میں مصروف ہوئے ۔ اور طویل زمانے تک اپنے والد سے علم طریقت حاصل کرتے رہے شاہ جہاں نے آپکو اکبرآباد بلا لیا ۔ اور آپ کو صدارت سپرد فرمائی ۔

سلطان شاہجہاں آپ کے فضل وکمال کے بڑے معترف تھے اور کہا کرتے تھے کہ آپ کا وجود اس زمانے میں غنیمت ہے ۔ اس لئے آپ کو انکی طرف سے مناصب رفیعہ بھی حاصل ہوئے ۔

۲۰ ربیع الاول ۱۰۵۷ھ کو آپنے انتقال فرمایا اور لاہور سے احمد آباد آپ کی نعش کو دفن کیلئے لایا گیا اور احمد آباد میں اپنے والد کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا ۔ [۲]

---

[۱] تاریخ ادبیات ص ۵۱۶ ج ۴ [۲] مرآۃ احمدی ، نزہۃ الخواطر ص ۱۵۹ ج ۱۱۳/۵ ۔

شیخ احمد بن ابوبکر

وفات ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ء

شیخ احمد بن ابوبکر جو ابن الشلی یمنی کے نام سے معروف ہیں، تریم میں پیدا ہوئے اور قرآن کریم محمد باعلبشہ سے حفظ کیا، تجوید ان سے پڑھی جزری، عقیدۂ غزالیہ، اربعین نووی، اجرومیہ کو حفظ کیا، اسی طرح ارشاد، اوقات الاصول اور قطر الندی وغیرہ پڑھیں۔ اور متعدد مشائخ سے آپ نے علم حاصل کیا جن میں آپ کے والد محترم علامہ ھادی بن عبدالرحمن، قاضی احمد بن حسین، شیخ ابوبکر، ان کے بھائی شہاب الدین ابن عبدالرحمن، شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ، شیخ زین العابدین عیدروس، شیخ عبدالرحمن السقاف وغیرہ معروف ہیں فقہ، حدیث اور علوم عربیہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد مشائخ سے طرق تصوف میں بھی آپ کو اجازت ملی، اور متعدد مشائخ کی طرف سے آپ کو خرقۂ خلافت بھی ملا۔ اس کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے۔ اور یہاں ہندوستان میں شیخ، شیخ بن عبداللہ عیدروس سے تصوف کی تعلیم حاصل کی اسی طرح سید ابوبکر بن احمد عیدروس کی صحبت میں رہے۔ نیز شیخ جعفر عیدروس، سید عمر بن عبداللہ باشیبان سے بھی مستفید ہوئے۔ یہاں ہندوستان میں ملک عنبر سے بھی ملاقات رہی انہوں نے آپ کو بہت اچھی طرح رکھا۔ اور انکی وجہ سے ان علاقوں کے سلاطین اور ملوک کے یہاں بھی آپ کی شہرت ہوئی۔ اس کے بعد آپ یمن واپس تشریف لے آئے۔ لیکن وطن پہنچ کر بھی اس علم وفضل کے باوجود آپ علوم کی تحصیل میں برابر مشغول رہے قاضی احمد بن حسین سے فتح الجواد اور احیاء العلوم پڑھی، اسی طرح شیخ عبدالرحمن السقاف سے لغت عربیہ اور حدیث پڑھی اور تصوف کی

کتابیں ان سے پڑھیں پھر حرمین کا سفر کیا اور وہاں بھی علم کی تحصیل میں مشغول رہے، اسوقت حرمین میں مقیم جن مشائخ سے آپنے استفادہ کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں ۔
شیخ عارف محمد بن علوی، شیخ عبدالعزیز زمزمی، شیخ محمد بن علی بن علان، شیخ سعید باقشیر، شیخ محمد بن عبدالمنعم الطائفی، سید احمد بن ھادی، شیخ احمد بن محمد القشاشی ۔
مشائخ میں سے اکثر نے آپ کو اپنی مرویات اور تالیفات کی روایت کی اجازت عطا فرمائی ۔ اس کے بعد آپ حرمین سے واپس لوٹ آئے ۔

ماہر علماء سے طویل زمانے تک استفادے کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل میں بڑا اونچا مرتبہ عطا فرمایا ۔ آپ حساب اور فرائض کے ماہر اور لغت کے ماہرین میں بہت اونچے مرتبے پر فائز ہوئے اور آپ سے بھی طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا ۔

آپ نہایت خوش اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ رات بھر قیام میں گزارتے اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے ۔ مخلوق کی اذیتوں پر صبر کرنے والے تھے ۔ مساکین و فقراء سے بہت محبت کرتے تھے ۔ فرماتے کہ "جس کو اللہ تعالیٰ اس زمانے میں فقر میں مبتلا فرمائے اس کا معتقد ہونا چاہیئے"، آپکے بھائی آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ "میں جتنا عرصہ آپ کی صحبت میں رہا میں نے کبھی آپ کو غصے ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ۔ اور کسی نے آپ کو اذیت پہنچائی ہو تب بھی اس کی یا اور کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا"

آپنے تریم میں ۱۰۵۰ھ بمطابق ۱۶۴۰ء میں انتقال فرمایا ۔ اور آپ کی ولادت ۱۰۱۹ھ بمطابق ۱۶۱۰ء میں ہوئی زنبل کے مقبرہ میں آپ دفن کئے گئے ۔ وہاں آپکی قبر مشہور و معروف ہے ۔

۱؎ خلاصۃ الاثر ص ۱۶۲، ۱۶۳ / ج ۱ ۔

البدر الطالع میں آپ کے متعلق مذکور ہے کہ ! سید احمد بن ابوبکر بن احمد بن ابوبکر بن عبداللہ بن ابوبکر علوی شلی حسینی حضرمی ۔ آپ تریم میں ۱۰۱۹ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد محمد ہادی بن عبدالرحمٰن بن شہاب الدین، قاضی احمد بن حسین، سید ابوبکر، اور سید شہاب الدین ابوعبدالرحمٰن بن شہاب وغیرہ علماء سے علم حاصل کیا، اور فقہ، حدیث اور ادب میں مہارت حاصل کی ۔ ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں کے علماء کی ایک جماعت سے پڑھا ۔ پھر اپنے وطن واپس لوٹنے کے بعد حرمین کے لئے روانہ ہوگئے ۔ بعدازاں اپنے وطن واپس لوٹے اور اپنے وطن ہی میں ۱۰۵۶ھ میں انتقال فرمایا ۔[1] رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

---

[1] البدر الطالع صفحہ ۲/۲۰۶ ۔

اورنگزیب عالمگیر کے استاد

میر محمد ہاشم گیلانی

م ۱۰۶۱ھ بمطابق ۱۶۵۱ء

آپ میر محمد قاسم گیلانی کے بیٹے تھے۔ حکیم ہاشم کے نام سے مشہور تھے۔ آپ نے بارہ سال تک حرمین شریفین میں شیخ محمد عربی محدث اور شیخ عبدالرحیم حسانی، نیز ملا علی سے منقولات اور میر نصیرالدین حسین اور مرزا ابراہیم ہمدانی سے معقولات کی تعلیم پائی تھی۔ پھر ہندوستان آکر حکیم علی سے طب اور ریاضی پڑھی اور کچھ عرصے تک احمد آباد گجرات میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ شاہجہاں نے آپ کے علم وفضل بالخصوص طبی قابلیت کا حال سنا تو احمد آباد گجرات ہی میں صدارت وطبابت کی خدمات پر مامور کر دیا۔ پھر حکیم ہاشم گجرات سے دربار میں آگئے۔ اور بادشاہ کے حکم سے شہزادہ محمد اورنگزیب کو پڑھانے لگے "بادشاہ نامہ" کا مصنف لکھتا ہے کہ "اب تک اورنگزیب کی ملازمت میں ہیں۔ حکیم ہاشم نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا تھا اور اس کو شاہجہاں کے نام سے معنون کیا تھا۔[1]

میر ہاشم نے علامہ سمرقندی کی اسباب وعلامات پر بھی حاشیہ لکھا تھا۔[2] "رموز الاطبا" مولفہ حکیم فیروزالدین لاہوری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر محمد ہاشم نے جن کو کتاب مذکور میں مرزا محمد ہاشم لکھا ہے نفیسی شرح موجز، میبذی شرح ہدایۃ الحکمۃ پر حواشی اور تعلیقات تحریر کئے تھے اور میر محمد ہاشم کو عہد اورنگزیب میں تین ہزاری منصب اور مسیح الزماں خان بہادر کا خطاب بھی حاصل تھا۔ میر محمد ہاشم نے

---

[1] بادشاہ نامہ ص ۳۴۵-۳۴۶ [2] بزم کا بیاض ص ۲۱۔

احمد آباد گجرات میں حکیم علی سے طب پڑھی تھی۔ ان کا ایک لڑکا بھی تھا جس کا نام سید محمد جعفر تھا جس نے عہد محمد شاہی میں فروغ پایا۔ اس خاندان کے کچھ افراد ریاست جے پور میں موجود تھے۔ [1]

سنہ ۱۰۶۱ھ بمطابق سنہ ۱۶۵۱ء میں اورنگ آباد میں میں انتقال ہوا، اور عمر ۸۰ سال ہوئی

---

[1] اطبائے عہد مغلیہ ص ۲۰۰، رموز الاطبار ص ۱۳، نزہۃ الخواطر عربی ج ۵ ص ۶۲۹، ص ۲۰۴

شیخ عباس مشہدی

م ۷ ربیع الاول ۱۰۶۳ھ مطابق ۵ فروری ۱۶۵۳ء

شیخ عباس حسینی رضوی مشہدی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ۱۰۰۸ھ میں گجرات پہنچے۔ یہاں سے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ وہاں پانچ سال مقیم رہے۔ پھر ۱۰۲۶ھ میں واپس احمدآباد تشریف لے آئے۔ اور یہاں سکونت پذیر ہوگئے۔

آپ صاحب وجد و حال تھے۔ آپ نے احمدآباد میں سات ربیع الاول ۱۰۶۳ھ ۵ فروری ۱۶۵۳ء میں انتقال فرمایا، اور احمدآباد میں دفن کئے گئے۔ [1]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے: آپکی قبر منجھوری میں ہے۔ آپ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ سلوک و تصوف میں کامل اور مشہد کے رضوی سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۰۲۰ھ میں گجرات تشریف لائے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور پانچ سال وہاں سکونت پذیر رہے۔ ۱۰۲۶ھ میں احمدآباد واپس لوٹے اور ۱۰۶۳ھ میں آپنے وفات پائی۔ تاریخی شعر یہ کہا گیا۔

سین وجیم علی الف ھجریہ　　کان و باء وھاومن ربیع الاول

عمرہ دل انہ حکیو　　راح لیل الخمیس فی الربیع الاول

منجھوری میں پتھر سے تعمیر کی ہوئی مسجد آپ کی بنا کردہ ہے۔ [2]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۹ [2] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۱۰۶

جعفر الصادق العیدروس

م ۱۰۶۵ھ بمطابق ۱۶۵۳ء

جعفر بن علی بن عبداللہ بن شیخ المعروف جعفر الصادق "النور السافر" کے مؤلف کے خاندان میں مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ تریم (حضرموت) میں پیدا ہوئے۔ تفسیر، فقہ، حدیث، تصوف، عربیہ، حساب، ہیئۃ، اور فرائض میں مہارت حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت اپنے وطن میں اجلال و احترام سے گذاری۔ پھر ہند آئے۔ فارسی سیکھی اور اس میں عربی سے ترجمے کئے۔ کئی کتابوں کے مصنف اور بلند پایہ صاحب دیوان شاعر تھے دارا شکوہ کی کتاب "سکینۃ الاولیاء" کا عربی ترجمہ "تحفۃ الاصفیاء" کے نام سے کیا جس کا قلمی نسخہ رامپور میں ہے۔

تحفۃ الاصفیاء کا اسلوب بیان فصیح و بلیغ اور صحیح عربی زبان میں ہے۔ [1]

آپ سید محمد بن عبداللہ کے بھتیجے تھے۔ گجرات تشریف لاکر کچھ دنوں احمدآباد میں قیام کیا۔ پھر بندر سورت میں اپنے چچا کے جانشین ہوئے۔ آپ اپنے اوصاف حمیدہ کیوجہ سے جعفر صادق ثانی کے لقب سے مشہور تھے۔ شاہجہاں کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۴ء ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۳ء میں وصال ہوا۔ اور اپنے چچا کے پاس دفن ہوئے۔

علامہ سخاوی نے آپ کے تفوق فی العلوم کو سراہا ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ "سید عالم جعفر صادق بن علی بن زین العابدین بن عبداللہ بن شیخ عیدروس حسینی یمنی،

---

[1] نزھۃ الخواطر ج۵ ص۱ ۔ خلاصۃ الاثر ج۱ ص۴۸۲ ۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ص۳۰۳ (عربی ادب ۲)

شافعی۔ تریم میں ۹۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی سید عبدالرحمٰن سقاف، سید ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور شیخ رزین بن حسین بافضل وغیرہ علماء سے پڑھا، اور تفسیر، فقہ، حدیث، عربی زبان، تصوف، حساب، فلک اور فرائض وغیرہ تمام علوم میں آپ فائق ہو گئے۔

آپ نہایت سمجھدار اور خوبصورت تھے۔ ادب و انشاء، نظم و نثر دونوں پر بڑی قدرت رکھنے والے تھے۔ آپ نے حج کیا اور تریم واپس لوٹے پھر ہندوستان کا سفر کیا اور اپنے عم مکرم شریف محمد سے پڑھا، اور پھر مسند تدریس کو آراستہ کیا اور ۱۰۶۳ھ میں آپ نے انتقال کیا۔ [1]

شیخ عبدالرشید

م ۱۵ محرم ۱۰۶۶ھ بمطابق ۲ نومبر ۱۶۵۶ء

شیخ عبدالرشید بن سراج الدین۔ آپ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ ولادت و پرورش احمد آباد میں ہوئی۔ اپنے والد سے اور شیخ یحییٰ بن محمود عمری سے تحصیل علم کیا۔ پھر شیخ یحییٰ ہی سے سلوک کیا۔ شیخ یحییٰ کے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد آپ نے مسند ارشاد سنبھالی۔ آپ شیخ یحییٰ کے داماد بھی تھے۔ ۱۵ محرم ۱۰۶۶ھ بمطابق ۲ نومبر ۱۶۵۶ء کو وفات ہوئی۔ [2]

---

[1] البدر الطالع ص ۲۰۳ ملحق [2] نزہۃ الخواطر عربی ج ۵ ص ۲۲۷

علّامہ محی الدّین بہاری

وفات ۱۰۶۹ھ بمطابق ۱۶۵۸ء

شیخ محی الدین بن عبداللہ حنفی بہاری ۔ اپنے زمانہ کے مشہور فقہا میں سے تھے۔ آپ کا مولد و منشاء بہار ہے ۔ آپ نے نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، پھر اپنے والد سے علم حاصل کیا ۔ اور صرف سترہ سال کی عمر میں آپ تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور تدریس میں مشغول ہوئے اور ایک طویل زمانے تک تدریس میں مشغول رہے۔

پھر آپ جب دہلی پہنچے تو شاہ جہاں بادشاہ نے آپ کو اپنے صاحبزادہ اورنگزیب کی تعلیم پر مقرر فرمایا ۔ اور بارہ سال تک ان کی تدریس میں آپ مشغول رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین مغلیہ میں جو دینی انقلاب پیدا کیا اس کی اہم شخصیتوں میں سے آپ بھی ہیں ۔

اس کے بعد آپ نے علامہ وجیہہ الدین علوی (احمدآبادی) کے پوتے شیخ حیدر سے طریقت میں استفادہ کیا ۔ اور اس کا آپ پر اتنا غلبہ ہوا کہ اپنے وطن جاکر ورع و عبادت ہی کے ہو کر رہ گئے ۔

آپ کے علاقہ میں آپ ملا موھن کے نام سے معروف ہیں اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہو سکی ۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ۔ کافیہ ابن حاجب پر آپ کی شرح ہے جو فارسی میں ہے ۔ البتہ وہ صرف غیر منصرف کی بحث تک ہے ۔ اسی طرح آپ کی اور بھی کتب ہیں ۔ شیخ غلام ارشد جونپوری "گنج ارشدی" میں لکھتے ہیں کہ :

محی الدین صاحب شیخ محمد افضل جونپوری کے مشائخ میں سے تھے ۔ اور متعدد دفعہ آپ کا جونپور آنا ثابت ہے ۔

صاحبِ مآثر الکرام نے آپ کا سنِ وفات ۱۰۶۸ھ لکھا ہے۔ اور صاحبِ مرآۃ العالم نے آپ کی تاریخ وفات استاد الملۃ والدین لکھی ہے۔ اسی طرح بختاور خاں مرآۃ میں لکھتے ہیں کہ عالمگیری جلوس کے پہلے سال آپ کی وفات ہوئی۔ البتہ اس پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۸۴/ برس تھی۔ [۱]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ۱۰۶۸ھ صفحہ ۴۱۲ ج ۵

حکیم ضیاء الدین رحمت خان

وفات ۱۰۷۵ھ بمطابق ۱۶۶۴ء

رحمت خان آپ کا خطاب تھا۔ آپ حکیم قطبا کے بیٹے اور حکیم رکنائی کاشی کے بھتیجے تھے۔ طالب آملی کی بڑی لڑکی آپ کے ساتھ منسوب تھی۔ جس کی پرورش اسکی پھوپھی اور طالب کی بہن ستی النسا نے کی تھی۔ جو حکیم رکنائی کے بھائی نصیرا کی بیوی تھی اور شاہجہاں کے محل میں انکا بڑا رسوخ تھا۔ رحمت خان بھی اس تقریب سے شاہجہاں کی توجہات کا مرکز بن گئے۔ سنہ ۲۷ جلوس میں آپ احمد آباد کے دیوان اور توشک خانے کے داروغہ ہو گئے۔ سنہ ۲۹ جلوس میں آپنے ڈیڑھ ہزاری منصب حاصل کر لیا۔ شاہجہاں کی بیماری کے دوران جب شہزادہ مراد نے سلطنت کا دعویٰ کیا اور اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا تو رحمت خان بھی اسکے ساتھ ہو گئے۔

مراد کی گرفتاری کے بعد آپ عالمگیر کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ عالمگیر نے آپ کو دو ہزاری منصب دیکر گجرات کا دیوان بنا دیا۔ داراشکوہ احمد آباد پہنچے تو رحمت خان بھی اس کے ساتھ ہو گئے مگر جب داراشکوہ اجمیر سے فرار ہوا تو آپ عالمگیر کے پاس آ گئے۔ سنہ ۳ جلوس عالمگیری مطابق ۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۴ء میں رحمت خان کا انتقال ہو گیا۔

شیخ محمد سعید قریشی

وفات ۱۰۸۶ھ بمطابق ۱۶۷۶ء

محمد سعید نام تھا۔ قریشی النسب تھے، بعد میں سلطان مراد کی طرف سے خان کا

لقب عطا ہوا تو سعید خان بھی معروف رہے۔ آپ ملتان میں ۱۰۲۲ھ بمطابق ۱۶۱۳ء میں پیدا ہوئے، اور سندھ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

۱۰۵۵ھ میں شاہجہاں کے حکم سے سلطان مراد کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور امورِ سلطنت میں انہیں مشورے دیتے رہے۔ پہلے ان کے ہمراہ برہانپور اور بعد میں گجرات گئے۔ شاہزادہ نے انہیں بخشی گری اور واقعہ نویسی کی خدمات پر مامور کیا۔ ۱۰۶۳ھ میں آپ ملتان واپس تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے اپنے لئے عالیشان عمارت اور جامع مسجد تعمیر کرائی۔ ۱۰۸۷ھ بمطابق ۱۶۷۶ء میں انتقال فرمایا، اور اپنے بنائے ہوئے مقبرے میں دفن ہوئے۔

آپ ریاضت و عبادت اور مطالعۂ کتب و سخن سرائی میں مشغول رہتے، چونکہ فنِ کتابت سے بھی آشنا تھے اس لئے قرآن مجید کی کتابت کرتے اور کلام مجید کی تفسیر بیان کرتے۔ انہوں نے ۱۰۷۲ھ میں "کیمیائے سعادت" کا ایک نسخہ بھی نقل کیا۔

شیخ سعید تعبیرِ خواب اور آدم شناسی یعنی علم فراست میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ آغازِ ملازمت کے ایام میں ایک روز شاہزادے کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے جا رہے تھے کہ داروغۂ غسلخانہ نے اندر جانے سے روک دیا۔ شیخ نے یہ رباعی لکھ کر اندر بھجوائی۔

ای شاہِ جنابت چو جناب اللہ است
ہر حکم تو چوں حکم کتاب اللہ است
ایں چیلہ دیو فعلِ مناع درت
ابلیس صفت مانع باب اللہ است

سلطان کو یہ مذاقِ سخن پسند آیا، فرمایا: محل کے حرم کے سوا شیخ کو ہر جگہ

آنے کی اجازت ہے ؛

علی نقی بادشاہ کے منصب دار نے شہزادہ سے شیخ کی برطرفی کے فرمان پر دستخط کروائے۔ جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ احمدآباد سے باہر نکل آئے۔ شاہزادے کو شیخ کی مفارقت شاق گذری۔ آپ ابھی اجمیر پہنچے تھے کہ شاہزادہ نے آپکی واپسی کے لئے عرضداشت بھیجی لیکن شیخ نے جواب میں جو غزل ارسال کی اسکا ایک شعر درج ذیل ہے۔

مشکل بود بجوئی تو دیگر نشستِ ما
پیچیدہ است زلف تو بہر شکست ما [1]

---

[1] پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ص۵۰

شیخ عبد الفتاح

وفات ۲۴ر ذی الحجہ ۱۰۹۰ھ بمطابق ۲۵ر جنوری ۱۶۸۰ء

شیخ عالم کبیر عبدالفتاح عسکری۔ آپ کو معارف الٰہیہ میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے المثنوی المعنوی پر ایک عمدہ شرح تصنیف فرمائی۔

سلطان عالمگیر بن شاہجہاں نے آپ کو اپنے پاس بلوالیا۔ اور آپ سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کیا۔ پھر بعد میں آپ کو احمد آباد جانے کی اجازت دے دی۔

صاحب مآثر الکرام لکھتے ہیں کہ آپ کا روحانی سلسلہ بہت کم واسطوں سے پیران پیر سیدنا عبدالقادر جیلانی رح تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ جتنے مشائخ واسطہ ہیں ان کی عمریں بڑی طویل ہوئی ہیں ان کا شجرہ سلسلہ اگلے صفحہ پر آرہا ہے۔

آپ نے ۲۴ر ذی الحجہ ۱۰۹۰ھ بمطابق ۲۵ر جنوری ۱۶۸۰ء کو وفات پائی۔ [1]

مآثر الکرام میں آپ کا تذکرہ اس طرح ہے کہ ! اولیائے کرام میں بڑے صاحب مرتبہ گذرے ہیں۔ ظاہری و باطنی عقل وشعور کے جامع تھے اور آپ کا فیض عام تھا اور عوام وخواص میں بہت مقبول تھے۔ ان کی خلافت کا سلسلہ طویل عمر رکھنے والے مشائخ کیوجہ سے چند ہی واسطوں سے حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ تک پہنچ جاتا ہے جو اس طرح ہے کہ میر عبدالفتاح نے شاہ اللہ داد رح سے خلافت حاصل کی اور

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ۵ ج ۳ صفحہ ۲۳۷

انہوں نے شاہ غریب اللہ سے، اور انہوں نے شیخ تاج الدین سے، اور انہوں نے شیخ سعید سے، اور انہوں نے سید عبدالرزاق سے، اور انہوں نے اپنے والد ماجد غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل کی تھی۔

جب میر عبدالفتاح کا ذکر خیر سلطان اورنگزیب (انار اللہ برہانہ) تک پہنچا تو انہوں نے تشریف آوری کی استدعا کی اور پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ احمدآباد گجرات سے دارالخلافہ دہلی بلایا اور انکی صحبتِ خاص میں رہ کر بے حد برکتیں حاصل کیں۔

حضرت میر صاحب کچھ دنوں کے لئے سلطان سے رخصت ہو کر وطنِ مالوف چلے گئے اور ۲۴ ذی الحجہ ۱۰۹۰ھ کو نوّے سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ آرام گاہ احمدآباد میں ہے۔ مولانائے روم کی مثنوی سے بیحد شغف رکھتے تھے۔ ہمیشہ اس کا درس دیتے رہتے مثنوی کی شرح بھی تصنیف فرمائی جو لوگوں میں مشہور رہے۔

شجرۂ سلسلہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۵۶۱/۵۶۲ھ

|

شیخ عبدالرزاق قادری

شیخ سعید رح	تاج الدین رح
شیخ تاج الدین رح	(۵۹۵ھ)
شاہ غریب اللہ رح	
شاہ الہ داد رح	
میر عبدالفتاح رح	

سیدّ علی بن جلالؒ

وفات ۱۰۹۱ھ بمطابق ۱۶۸۰ء

سید علی بن جلال بن محمد بن جلال حسینی بخاری۔ آپ علم و صلاح میں مشہور و معروف تھے۔ آپ کا مولد و منشاء گجرات ہے۔ شاہجہاں نامہ میں تحریر ہے کہ ۱۴ر شعبان ۱۰۶۰ھ (۱۲ر اگست ۱۶۵۰ء) کو میر سید علی خلف سید جلال مرحوم کو کتاب خانے اور نقاش خانے کی داروغگی عطا ہوئی۔ یہ عہدہ میر صالح خوشنویس کا تھا۔ وہ ۵ر شعبان کو فوت ہو گئے تو انکی جگہ میر سید علی کو مقرر کیا گیا۔ جواہر خانہ کی خدمت جو پہلے سیدّ علی کے سپرد تھی محمد شریف ولد اسلام خاں کو تفویض ہوئی۔

عالمگیر کے زمانے میں ہند کی صدارت آپ کے سپرد ہوئی اور ایک زمانے تک آپ اس پر فائز رہے۔ علوم و فنون میں آپ بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ۱۰۹۱ھ ۱۶۸۰ء میں آپ نے وفات پائی۔ [۱]

شیخ احمد بن سلیمان

وفات ۲۱ر جمادی الاخری ۱۰۹۲ھ بمطابق ۷ر جولائی ۱۶۸۱ء

مولانا احمد بن سلیمان کردی گجرات کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔ آپ کے والد کردستان سے احمد آباد پہنچے۔ جو متبحر عالم فاضل، صاحب تصانیف تھے۔ انھوں نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے بھی استفادہ کیا تھا۔ شیخ احمد نسلاً کردستانی ہیں مگر آپ کی ولادت گجرات میں ہوئی۔

---

[۱] مآثر الامراء۔ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۶۴، شاہجہاں نامہ ج ۳ ص ۵۷

اپنے والد کے یہاں آپ نے تربیت پائی اور آپ نے اکثر درسی کتب مولانا محمد شریف سے پڑھیں۔ شرح مواقف اور حکمت و منطق کی کتابیں مولانا ولی محمد خالو سے پڑھیں۔ اور آپ نے علم تصوف شیخ فریدالدین سے حاصل کیا۔ اور علوم ریاضی شاہ قباد (جو دیانت خاں کے نام سے مشہور تھے) سے حاصل کئے اور حدیث پاک اور بعض دوسرے فنون اپنے والد سے پڑھے۔ اس کے بعد تدریس میں مشغول ہوئے۔ آپ کے تلامذہ میں سے علامہ نورالدین بن محمد صالح مشہور ہیں۔ جو گجرات کے ان علماء میں سے ہیں جن کی تصانیف بکثرت ہیں۔

شیخ احمد بن سلیمان حکمت و منطق میں اپنے زمانہ میں منفرد تھے۔ اور آپ نے ہی اس کو گجرات میں پھیلایا ہے۔ آپ کی بہت سے علوم میں بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے فیوض القدس بڑی معروف کتاب ہے جو علم کلام میں بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔ ۲۱ رجمادی الاخریٰ ۱۰۹۲ھ کو پیر کے دن عصر کے وقت شام کو آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کے شاگرد علامہ نورالدین فرماتے ہیں کہ آپ کی تاریخ وفات اس سے نکلتی ہے۔ "شمعی کہ بود زانجمن علم گل شد"

آپ کو شیخ موسیٰ کی مسجد کے پیچھے مغربی جانب میں احمدآباد میں دفن کیا گیا۔

علمی تبحر علم و فضل میں آپ یکتائے روزگار تھے تمام علوم میں آپ کو دسترس حاصل تھی۔ فروع و اصول کے بڑے عالم اور جامع معقول و منقول تھے۔ اکثر علوم میں آپ کی تصانیف ہیں اور گجرات کے علاقے میں معقولات کے علوم کا رواج زیادہ تر ان کی وجہ سے ہوا۔ آپ کی منجملہ تصانیف کے فیوض القدس ہے جو علم کلام میں ہے۔ جس کو الہامی کلام کہا جا سکتا ہے۔[1]

---

[1] مرآۃ احمدی، نزہۃ الخواطر ج۶ ص۱۴، تذکرہ قاریان ہند۔

آپ کا کتبخانہ اور مدرسہ کردیہ

یہ مدرسہ بھی مولانا احمد بن سلیمان سے منسوب ہے۔ ان کا یہ مدرسہ بڑا بارونق تھا۔ ایک بڑی جماعت نے ان سے استفادہ کیا، اور وقت کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء ان کے مدرسہ سے پڑھ کر نکلے جن پر گجرات بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔

مولانا نورالدین جیسے کامل الفن بزرگ ان کے ارشد تلامذہ میں تھے ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس کی بعض کتابیں درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد کے کتب خانہ میں اب تک موجود ہیں۔

ان کے بعد ان کے ورثاء جس طرح انکا مدرسہ چلاتے رہے، کتبخانہ کی بھی حفاظت کرتے رہے۔ لیکن ۱۱۲۵ھ بمطابق ۱۷۲۲ء میں ان کے پوتے محمد رضا بن غلام محمد بن احمد بن سلیمان کے زمانے میں جب ترکہ تقسیم ہوا تو کتب خانہ کے بھی حصے بخرے ہوگئے انکی ایک بہن فاطمہ تھیں کچھ کتابیں ان کے حصے میں آئیں، ان میں سے بعض کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد کے کتب خانہ میں آئی تھیں۔ [۱]

علامہ ولی محمد معروف بخانو

منطق اور حکمت کے ماہر علماء میں سے تھے۔ گجرات میں درس و تدریس و افادے میں مشغول تھے۔ شیخ احمد بن سلیمان سے علم حاصل کیا۔ اور آپ سے شرح مواقف اور دوسرے فنونِ حکمت کو پڑھا۔ [۲]

---

[۱] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۲۳ [۲] مرآۃ احمدی، نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۴۵ جلد ۵ ج ۲ ۔

شیخ حسام الدین ابن رکن الدین

ولادت سنہ ۱۰۹۵ھ بمطابق سنہ ۱۶۸۳ء

شیخ حسام الدین ابن رکن الدین عمری چشتی ۔ آپ چشتیہ سلسلہ کے کبار مشائخ میں سے ہیں ۔ آپ کی ولادت احمد آباد میں سنہ ۱۰۹۵ھ بمطابق سنہ ۱۶۸۴ء ہے ۔ آپ نے اپنے والد محترم اور اپنے بھائی جلال الدین سے علم حاصل کیا ۔ نیز سید محمد مشہدی سے بھی پڑھا ۔ پھر آپ نے اپنے بھائی جلال الدین سے طریقت میں فیض پایا ۔ اور اپنے بھائی جلال الدین کے انتقال کے بعد مسند مشیخت کی زینت بنے ۔ آپ صاحب وجد و حال تھے ۔ آپ کی کرامات اور آپ کے کشوف عوام میں بہت مشہور ہیں۔[1]

شیخ محی الدین

وفات سنہ ۱۱۰۰ھ بمطابق سنہ ۱۶۸۸ء

شیخ محی الدین بن عبد الوہاب حنفی اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے سلطان عالمگیر نے گجرات کی صدارت آپکے سپرد فرمائی اور اس علاقے کے جزیہ وصول کرنے پر آپکو بطور امین مقرر فرمایا ۔ ایک عرصہ تک ان امور کو آپ انجام دیتے رہے ۔ اور احمد آباد میں سنہ ۱۱۰۰ھ بمطابق سنہ ۱۶۸۸ء میں آپکی وفات ہوئی ۔[2]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۶۵ [2] مرآۃ احمدی ۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۸۱ ۔

شیخ صلاح الدین

م ۲۱ر ذی الحجہ سنہ ۱۱۰۰ھ بمطابق ۱۵ر اکتوبر سنہ ۱۶۸۹ء

شیخ صلاح الدین بن رکن الدین عمری چشتی ۔ یکے از مشائخ کبار ۔ ولادت اور نشو و نما احمد آباد میں ہوئی ۔ اپنے والد اور دیگر علمار کرام سے علم و معرفت میں کمال حاصل کیا ۔ فارسی میں آپ کا دیوان بھی ہے ۔
۲۱ر ذی الحجہ سنہ ۱۱۰۰ھ بمطابق ۱۵ر اکتوبر سنہ ۱۶۸۹ء کو وفات پائی ۔ [1]

بابا طالب اصفہانی بعہد اکبر

گیارہویں صدی ہجری

طبیعت میں درویشی تھی ۔ اس لئے پہلے قلندر رہ گئے ۔ آٹھ سال تک کشمیر میں رہے ۔ کشمیر جب اکبر کے زیر نگیں ہو گیا تو آپ اکبر کی خواہش پر اس کے دربار سے وابستہ ہو گئے ۔ اور حکیم ابو الفتح گیلانی ، زین خاں کوکہ ، ابو الفضل اور فیضی کی صحبت میں رہنے لگے ۔ جو ان کی خوش صحبتی بے تعلقی اور رفاعدہ کی پابندی سے متاثر رہے ۔ [2]
اکبر نے ان کو تبت کا ایلچی بنا کر بھیجا ۔ واپس ہوئے تو وہاں کے حالات ایک رسالہ میں قلمبند کئے ۔ جس کو شیخ ابو الفضل نے اکبر نامہ میں شامل کیا ۔ [3]
ادب و انشار کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری میں بھی بڑا سلیقہ رکھتے تھے ۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۲۳۱/۶ صد ۱۱۹ ۔ [2] بدایونی ج ۳ ص ۲۶۵ [3] ایضاً ج ۳ ص ۲۶۵

ملا بدایونی لکھتے ہیں "، درہندی خیلے دارد سلیقہ او درشعر وانشا درد رست است"[1]

ماثر رحیمی میں ہے "درشاعری ونکتہ دانی نیز مہارتے تمام دارد" [2]

آئین اکبری میں ہے "از معنی خبرے دارد واز معاملہ دانی نصیبہ" [3]

جہانگیر کے زمانہ میں گجرات کے صدر مقرر ہوئے اسی کے عہد میں سو سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔ (اقبال نامہ ص۱۳۳)

جہانگیر کو ان کی یہ رباعی بہت پسند تھی جو اس نے اپنی بیاض میں لکھ رکھی تھی۔

زہرم بفراق خود چشناق کہ چہ شد	خوں ریزی و آستین فشانی چہ شد
اے غافل از آنکہ تیغ ہجر تو چہ کرد	خالم بہ فشار تا بدانی کہ چہ شد

(اقبال نامہ جہانگیری ص۳۳)

طبقات اکبری ج ۳ ص۱۵ ، آئین اکبری اور منتخب التواریخ ج ۳ ص۲۶۵ میں بھی یہ رباعی نقل کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ ان کے اشعار کے اور نمونے درج ہیں۔

ع شادم از اہل جہاں کز اثر صحبت شاں
بجہانے نہ دہم گوشۂ تنہائی را

دردل تنگم اگر مہر تو گنجد چہ عجب
تنگنائے دل من وسعت صحرا نورد

(آئین اکبری ص۱۸۱/۱ ، بدایونی ص۲۶۵/۳ ، بزم تیموریہ ص۴۵۲ . ص۴۵۳)

---

[1] بدایونی ص۲۶۵/۳ [2] ایضاً ص۱۲۶/۳ [3] ایضاً ص۱۸۱/۱ .

سید مصطفیٰ محبوب اللہ

گیارہویں صدی ہجری

آپ سید حسین چشتی کے پوتوں میں سے ہیں ۔ ہمیشہ قیمتی خلعت پہنا کرتے تھے ۔ شیخ مشائخ کے بیٹے ملک شیر کہتے ہیں کہ ۔

ایک رات مجلس تھی ۔ اس رات میں سید حسین نے مجھے قطب زماں شیخ عبد الملک کو بلانے کے لئے بھیجا ۔ چونکہ شیخ عبدالملک سلس البول کے مریض تھے ۔ اور رات کا وقت تھا ۔ اس وجہ سے وہ تشریف نہ لائے ۔ کہ بیمار دل کو دن میں بلانا بہتر ہے ۔ اگر رات کو بلانے کا موقع آئے تو بلانے والے میں مردانگی چاہیئے ۔ ملک نے سید کو پیغام پیش کیا ۔ تو سید حسین نے تامل کے بعد فرمایا ملک شیر جاؤ اور کہو کہ جس طرح اشارہ کیا ہے ۔ اسی طرح بلانا چاہتا ہوں ۔

جب شیخ عبدالملک نے یہ جواب سنا تو بے تامل مجلس میں چلے آئے ۔ صبح تک وجد و حال میں مشغول رہے اور استنجار کی حاجت نہیں ہوئی ۔ گویا آپ نے بیماری سلب کر لی ۔ آپ کی خوابگاہ احمدآباد گجرات میں ہے ۔

شیخ محدث موسیٰ کشمیری

گیارہویں صدی ہجری

ان کا صاحب النور السافر شیخ عبدالقادر نے اپنی کتاب میں تذکرہ کیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول بندوں میں سے تھے ۔ آپ کے تفصیلی حالات زیادہ

نہیں مل سکے۔ صرف آپ کے متعلق اتنا معلوم ہو سکا کہ شیخ بن عبداللہ العیدروس یمنی نے عدن میں ۱۰۱۱ھ میں آپ سے علمی استفادہ کیا۔ نیز شیخ عبدالقادر بن سید شیخ حضرمی نے احمد آباد میں آپ سے پڑھا ہے۔ [1]

کوکب بن قمر خان بن میر عبداللطیف قزوینیؒ

مصنف مجمع المضامین
گیارہویں صدی ہجری

آپ کے دادا میر عبداللطیف اکبر بادشاہ کے استاذ تھے۔ بڑے پکے سنی تھے۔ جب سلاطین صفویہ نے سنی مذہب کی بنا پر ان پر سختیاں کیں تو میر اپنی لاکھوں کی جائیداد پر لات مار کر ہندوستان ہجرت کر آئے۔ یہاں مغلوں نے انکی بہت آؤ بھگت کی۔ ان کے فرزند میر غیاث الدین جو تاریخ میں نقیب خان کے نام سے مشہور ہیں۔ فن تاریخ میں یکتائے زمانہ تھے۔ اور اکبر بادشاہ کی خلوت وجلوت کے مصاحب تھے۔ بادشاہ کو ایک منٹ کے لئے بھی انکی جدائی گوارا نہ تھی۔

میر عبداللطیف کے چھوٹے بھائی میر علاؤالدین قزوینی "تذکرہ نفائس المآثر" کے مصنف ہیں۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کے خروج کی تاریخ "مذہب ناحق" سے نکالنا اور پھر شاہی عتاب وخطاب کے وقت اسی مادے کو "مذہبنا حق" کی صورت میں ترمیم کردینا اسی خاندان کی طباعی اور ذہانت کا کارنامہ ہے۔

جہانگیر نے توزک میں کوکب کا ذکر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوکب میر عبداللطیف قزوینی کا پوتا ہے جو سادات سیفی میں سے تھے یہ دکن کے لشکر میں تھے۔ منصب کی کمی، تنگ دستی اور پریشانی میں کچھ دن گذارنے تنگ حوصلگی

---

[1] النور السافر، نزہۃ الخواطر ۱۰۱۱ ج ۵ ص ۲۴۴۔

اور آشفتہ خاطری کی بنا پر ترکِ دنیا کر کے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ چھ ماہ کے عرصے میں انہوں نے تمام ملک دکن، مثلاً دولت آباد، بیدر، بیجاپور، کرناٹک اور گولکنڈے پھر بندر سورت، بھروچ (بھڑوچ) اور دوسرے قصبات، جو سرِ راہ واقع تھے۔ انکی سیر کرتے ہوئے احمد آباد پہنچے۔ یہاں انہیں شاہجہاں کا ایک نوکر زاہد گرفتار کر کے میرے (جہانگیر) کے پاس لایا۔ پوچھا کہ اس بے راہ روی کی کیا وجہ تھی۔ انہوں نے کہا کہ میری تقدیر نے یاوری نہ کی تو میں نے ترکِ تعلقات کر کے عالم حیرانی و پریشانی میں دشت و صحرا کا رخ اختیار کیا۔ میں (جہانگیر) نے ان سے پوچھا کہ اس جہاں گردی کے زمانے میں تو نے (حکومت کے دشمنوں) عادل خان، قطب الملک اور عنبر میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حیف ہے مجھ پر کہ میں اپنی تشنہ امیدوں کی سیرابی کے لئے ان لوگوں کی طرف رخ کروں۔ پھر انہوں نے کہا کہ آج تک کے واقعات میں نے ایک بیاض میں بطور روزنامچہ کے لکھے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس غریب الوطنی کے زمانے میں بہت دکھ اٹھائے۔ اور اکثر پیدل چلے۔ اور کئی مرتبہ قوت لایموت سے بھی محروم رہے۔ میں (جہانگیر) نے ان کو خلعت، گھوڑا اور ہزار روپے بطور خرچ کے عنایت کر کے ان کے سابقہ منصب میں دس پندرہ گنا اضافہ کر دیا۔ یہ زبانِ حال سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

این کہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب!
خویشتن را در چنیں نعمت پس از چندیں عذاب

کوکب کے ہندی اشعار بڑی دلچسپی کا باعث ہیں۔ کوکب نے ۱۰۳۵ھ میں ایک بیاض ترتیب دی۔ جس کا نام انہوں نے "مجمع المضامین" رکھا۔
مجمع المضامین کے پہلے حصہ میں مرتب نے ایک سو مختلف شعراء کی مثنویات و

دواوین سے انتخابی اشعار دیئے ہیں۔ مثنویوں میں اکثر صوفی شعراء کا کلام نظر آتا ہے۔ دوسرے حصے میں اکبری و جہانگیری عہد کے خواتین و امراء کے اشعار ہیں بعد میں فردیات، رباعیات، قصائد و قطعات، ہجو و ہزل آتے ہیں۔ ان کے بعد کوکب نے وہ اشعار ذکر کئے ہیں جو انہوں نے ہندی زبان میں لکھے ہیں۔ آخر میں نثر کا حصہ ہے جس میں کوکب نے اپنے سیاحتِ دکن کے چشم دید حالات قلم بند کئے ہیں۔ اس حصے کا نام "سیرِ کوکب" رکھا ہے۔ [1]

شیخ نصیر بن قریش

گیارہویں صدی ہجری تقریباً

اصحابِ علم و معرفت میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کا مولد و منشا گجرات ہے۔ ایک زمانہ تک ملوک و سلاطین کی خدمت میں رہے۔ جب اکبر بادشاہ نے اس علاقے کو فتح کیا تو یہاں سے منتقل ہو کر خاندیس آ گئے اور شیخ محدث جمال محمد برہانپوری کی خدمت میں رہنے لگے۔ انکی لڑکی سے نکاح ہوا۔ آپ "احیاء العلوم" کے مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو شیخ علی متقی کے ساتھ آپ کی مثال بیان کی جاتی تھی۔ کہ آپ علی متقی ثانی تھے۔ اسی لئے علامہ وجیہ الدین علوی کے بھتیجے بہاؤ الدین بن محمد نے آپکی وفات پر کہا "الیوم مات علی المتقی"، آپ نے برہانپور میں انتقال فرمایا۔ [2]

---

[1] توزک جہانگیری ص۲۰۲۔ مقالات حافظ محمود شیرانی ج۲ ص۱۱۲۔ [2] نزہۃ الخواطر ج۵ ص۴۲۹، ص۱۱۲، گلزار ابرار۔

خروشی

گیارہویں صدی ہجری

آپ کا ذکر کسی تذکرے یا تاریخ ادب میں نہیں آیا۔ آپ کے بارے میں معلومات کا ذریعہ دو بیاضیں ہیں جن میں سے ایک (بیاض ریختہ) کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد دکن (نمبر ۱۰۱) میں ہے۔ اس میں شعرائے ریختہ کا کلام ہے۔ دوسری بیاض (بیاض فارسی) کتب خانہ روضتین گلبرگہ شریف میں ہے یہ بیاض جو شعرائے فارسی کے کلام پر مشتمل ہے ایک مجموعہ رسائل (نمبر ۲۴) میں شامل ہے۔ بیاض فارسی کے کاتب نے جو تمہید لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نام 'شاہ حبیب اللہ' اور وطن (محلہ نوشہرہ) کشمیر تھا۔ آپ طریقہ کبریہ کے پیرو تھے۔ آپ کا آبائی سلسلۂ نقشبندیہ ... آپ کے جد اعلیٰ سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کے توسط سے شیخ علاء الدولہ سمنانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔

آپ کشمیر سے گجرات خود آئے یا آپ کے بزرگوں میں سے کسی نے گجرات کی سکونت اختیار کی اس بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سید علی ہمدانی کی اولاد میں سے ایک بزرگ میر محمد صالح ہمدانی ۱۵۹۷ء/ ۱۰۰۵ھ میں سلطان ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں بیجاپور آئے تھے ممکن ہے انہی بزرگ کی اولاد میں سے کچھ لوگ گجرات چلے گئے ہوں۔

آپ کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں کا بھی علم نہیں ہو سکا۔ لیکن آپ کے زمانے کا تعین کرنے میں آپ کے کلام سے مدد ملتی ہے۔ آپ نے ایک غزل میں اپنے 'پیر' کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

سجا نین التجا کرنا خروشی ہم سری کے تئیں
جہاں میں جو شرف اٹھا ہمارا پیر کہلا وے

'شریف الحق'، اور شاہ شریف سے حضرت سید شاہ شریف محمد شریف الحق قادری گجراتی مراد ہیں جو گجرات کے نامور صوفی گذرے ہیں۔ روضۃ الاولیا بیجاپور (قلمی مخزونہ کتب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد دکن) میں شاہ کریم اللہ قادری (جو شاہ شریف کے بھانجے تھے) کے حالات کے ضمن میں شاہ شریف کا ذکر بھی آیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطان محمد عادل شاہ ۱۶۲۷ء - ۱۶۵۶ء / ۱۰۳۷ھ - ۱۰۶۷ھ کے عہد میں بیجاپور تشریف لے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان کی بڑی عزت کی اور انہیں وہاں مستقل قیام کی دعوت دی لیکن شاہ شریف گجرات واپس چلے آئے۔ شاہ شریف کا انتقال تقریباً ۱۶۷۶ء / ۱۰۸۷ھ میں ہوا۔

تقریباً یہی زمانہ خروشی کا ہے۔ خروشی اپنے پیر کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے ولی کی زمینوں میں غزلیں لکھی ہیں۔ ولی کی مقبولیت کا زمانہ یقینی طور پر شاہ شریف کی وفات کے بعد کا ہوگا۔

'بیاض ریختہ'، میں خروشی کی ۲۸ غزلیں ہیں آپ کا صرف یہی کلام اب تک دستیاب ہوا ہے جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف آپ کا خاص موضوع ہے۔ ایسے اشعار جن میں وحدت الوجود اور اس کے متعلقات کو پیش کیا گیا ہے اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ ؎

قلم سے آہ کے املا ہوا ہوں — حروفِ درد میں پیدا ہوا ہوں
جمالِ بے مثال اپنے کی خاطر — کہیں ارواح کہیں اسما ہوا ہوں
تجلی میں میں اپنی ذات کی دیکھ — کہیں وامق کہیں عذرا ہوا ہوں
کہیں گلزار میں جا گل کہایا — کہیں میں بلبل شیدا ہوا ہوں

کہیں میں ہوں خسروشی بندۂ عشق　　کہیں میں راہبر اپنا ہوا ہوں

آپ کا یہی انداز آپ کو آپکے ہمعصروں میں ممتاز کرتا ہے۔

ہے سخن تیرا عجب شیریں سخن　　سرو قد، نرگس نین، گل پیرہن
مجلسِ خوباں میں یارو میں کہوں　　ہے ہمارا یار، شمعِ انجمن![1]

سیّد محمّد قاسم بخاری

مؤلف سفینۃ السادات

سفینۃ السادات مؤلفہ سیّد محمد قاسم بن سیّد عبدالرحمن بڈھ حسنی بخاری۔ اس میں بخاری سادات کے حالات درج ہیں۔ ۱۰۷۳ھ کی تصنیف ہے اور ۱۱۸۲ھ کا مخطوطہ ہے (بھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی۔)[2]

شیخ ثناء اللہ

تقریبًا بارہویں صدی ہجری

آپ کا نام شیخ ثناء اللہ اور تخلص ثناء تھا۔ وطن احمد آباد گجرات تھا شاعری میں ولی کے شاگرد تھے۔ صاحب تذکرہ "مخزن الشعراء" کے بیان کے مطابق آپ احمد آباد کے شیخ زادے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل حضرت شیخ نورالدین حسین صدیقی سہروردی (م ۱۶۵۳ء/۱۰۶۴ھ) سے کی یہ بزرگ حضرت محبوب عالم گجراتی (م ۱۶۲۷ء/ ۱۰۴۷ھ) کے خلیفہ تھے۔

---

[1] ادبیات ص ۲۲۲ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۴۳۔

شیخ ثنا نے بقول فائق محمد شاہ بادشاہ دہلی (۱۹ ۱۷ء ۱۷۴۸ء) کے زمانے میں کسی معرکے میں زخمی ہوکر شہادت پائی۔ اس معرکے کی تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا۔ اور نہ صحیح تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔

فائق کے پیش نظر آپ کا پورا کلام تھا اس لئے یہ رائے دی ہے۔

"محاورہ اش بہ محاورہ حال فرقے دارد ومضامین درست می باید، اما این یک دو شعر کہ موافق محاورہ جدیدہ اہل گجرات است از سفائن قدیم بہم رسید"

اس کے بعد فائق نے یہ تین شعر لکھے ہیں۔ سہ

یہ ہوگئی ہے اسے نام سے ثنا کے ضد   ثنا خدا کی بھی وہ بت نہیں کیا کرتا

ثنا کا کام یہی ہے کہ اپنے منہ سے بس   سدا ثنا دہن یار کی کیا کرتا

آ کے اس قاتل خون ریز کے مقتل میں ثنا   جس نے سر اپنا جھکایا وہ سرافراز ہوا

فائق کے بیان اور منقولہ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا کلام قدیم طرز میں تھا۔ اور محاورۂ جدید اہل گجرات، کے مطابق نہ تھا۔ ان اشعار سے آپ کے اصل رنگِ کلام کا اندازہ نہیں ہوتا۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے مقامی لب و لہجہ سے اجتناب کرتے ہوئے شعر گوئی کا وہ انداز اختیار کیا جو آپ کے استاد ولی کے آخری زمانے کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کے اب تک صرف یہی تین شعر دستیاب ہوئے ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ایک قلمی کشکول ہے جس میں چند شعرائے گجرات (مثلاً داؤد اور دلکش) وغیرہ کا کلام ہے۔ آپ کی بھی ایک غزل ہے جو صنعتِ تنافر یعنی ہکلی زبان میں ہے۔ اس غزل کے دو شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

دہ دہ دہ دلبر آیا   بہ بہ بہ بانکی ادا کا

پہ پہ پہ پہرا ہے جامہ   زززربفت نما کا

ھ ھ ھ ہاتھ میں دستنا ۔۔۔ خ خ خ خنجر خونی !
لہلا لہ لہو سے بھرا ہے ۔۔۔ د د د د دامن سوفیا کا[1]

شیخ عبدالملک بن کریم محمدؒ

تقریباً گیارہویں صدی ہجری
صاحب نصاب الاحتساب

شیخ عمر بن محمد بن عوض کی تصنیف ہے۔ ۱۰۸۲ھ میں عبدالملک ولد کریم محمد بن راجی محمد بن حسن محمد بھروچی نے اس کی کتابت کی ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ مع فارسی ترجمہ کے بھی ہے، اس کا نام توریہ ہے۔ شیخ فتح اللہ اس کے مترجم ہیں۔ اکبرآباد (آگرہ) میں ۱۱۱۱ھ میں ترجمہ مکمل ہوا۔ اس سے دو سو برس پہلے بھی اس کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا تھا جس کا نام دستورالاحتساب ہے۔ ترجمہ سوال وجواب کے پیرایہ میں ہے۔ مترجم کا نام خواجہ بن احمد بن محمود ہے۔ دیباچہ میں ہے کہ یہ ترجمہ سلطان مظفر شاہ ثانی حلیم بن سلطان محمود اعظم بیگڑہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا تھا۔ سلطان مظفر حلیم ۹۱۷ھ سے ۹۳۲ھ تک تخت نشین رہے۔ وہ حافظ قرآن، فقیہ اور محدث تھے۔ اور علم کے قدر دان تھے اس لئے ترجمہ ان کے دوران حکومت ہی میں ہوا ہوگا۔ مترجم نے بادشاہ کے لئے چند دعائیہ اشعار بھی لکھے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

خدایا تا جہاں را بادشاہی ۔۔۔ مظفر شاہ را دہ تاج شاہی
ز عدلش مملکت آباد گرداں ۔۔۔ دلش از ہر چہ خواہد شاد گرداں
گلے آراستہ از بوستانش ۔۔۔ نگہداری ز تاراج خزانش
ہر آنکہ بخت بد باوے ستیزد ۔۔۔ چناں افتد کہ ہرگز بر نخیزد

---

[1] ادبیات ص ۵۰۲، ۵۰۶ ۔

ہمیشہ دولتش معمور باد!!! معاندرا بما مقہور باد!!!

یہ کتاب آخر سے ناقص ہے۔ اس پر قاضی القضاۃ قاضی نظام الدین کی مہر ثبت ہے۔ جس پر ۱۱۵۲ھ لکھا ہے۔ بھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی۔ [1]

شیخ موسیٰ بن جعفر

(م گیارہویں صدی ہجری)

شیخ صالح محدث موسیٰ بن جعفر کشمیری صاحب علم و فضل تھے۔ اور اللہ کے اولیاء میں سے نیک بندے تھے۔ ان سے سید شیخ بن عبداللہ عیدروس یمنی نے عدن میں ۱۰۱۶ھ میں کسب فیض کیا۔ اور شیخ عبدالقادر حضرمی نے احمد آباد میں استفادہ کیا۔ اس کا ذکر عبدالقادر نے النور السافر ص۳۴۳ پر ۹۹۰ھ کے واقعات کے ذیل میں کیا ہے۔

شیخ عبدالقادر نے ان دونوں کا تذکرہ "الزھر الباسم" میں کیا ہے۔ نیز اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ بن جعفر نے انہیں اجازت نامہ عطاء کیا تھا۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰ بن جعفر کو اجازت نامہ مرحمت فرمایا تھا۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی طرف سے مجاز تھے۔ اسی طرح فقیہ احمد بن محمد باجابر اور شیخ عبدالقادر عیدروس نے بھی آپس میں ایک دوسرے کو اجازت نامے دیئے تھے۔ [2]

اجازت نامہ جو شیخ موسیٰ بن جعفر کشمیری نے دیا وہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد فھذہ صحیفۃ مکتوبۃ بالاشارۃ لما بلغ الکتاب اجلہ اعلموا

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۲۲۔ [2] النور السافر ص۴۱۵۔

اَیّهاالاِخْوانِ فِی اللّٰہ وَالمتحابُونَ لِلّٰہِ اَسعدنا اللّٰہ وایاکم ان الاخ الاعز الاجل الارشد فی الدّین المحفوظ عن العقبات والمهالک الکامل الواصل القطب الغوث العارف الوارث المحقق الربانی صاحب الاشارات العلیہ و الحقائق القدسیہ والانوار المحمدیہ فی وجهه واهمم العرشیة فی صدره وقلبه والاسرار الربانیة فی سره وروحه الذی السائر الطائر الی اللّٰہ و فی اللّٰہ وباللّٰہ المحبوب المجذوب السالک فالمنازلات الحقیقة والمترشح لمقام القطبیة الحامل فی زمانه لواء العارفین والمقیم فیه دولة المحققین کهف قلوب السالکین وقبلة همم المریدین الامام الهمام ابو الوقف السید الشریف الولی المقرب الشیخ المقبول عبد القادر بن الشیخ الکبیر والعلم الشهیر شیخ بن عبد اللّٰہ بن الاستاذ الاعظم قطب الوجود امام اهل الشهود الشیخ عبد اللّٰہ العیدروس متع اللّٰہ الطالبین المستظلین بظلال ارشاده وهدایته و وصل الیه نعمة عظیمة رفیعة ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم : للّٰہ الحمد والمنة فحمدا ثم حمدا ۔

فاجازه الخادم الفقیر الحقیر المسکین بالارشاد فی قبول بذکر یه التوبة التأسین وتلقین الذکر الذکر القوی الخفی القوی للطالبین الراغبین وجلوس الخلوة واجلاس المریدین بالثلاثة والسبعة والعشرة والعشرین والثلاثین والاربعین فمن شاهد صلاحیة ذالک فیه وتفسیر الواقعات بعد التوجه والتامل بالصواب علی قدر عقولهم وحسب مراتبهم فی کل باب وحل المشکلات ورفع المعضلات واجزته الباس الخرقة الخمسة لمن تفرس فیه اهلیة ذالک واجزته فی جمیع ما یتعلق بطریقة مشائخنا عموما و خصوصا اجازة تامة مطلقة عامة کاملة من غیر شرط ولا قید وایقنوا

ایها الاخوان انه اکبر وسیلة عند الله تعالیٰ فاغتنموا صحبته وخدمته غنیمة فوق التوصیف وتعریف هٰذه تذکرة فمن شاء اتخذ الیٰ ربه سبیلا واوصیته بالورع والتقویٰ والترفع مع الطالبین المحتاجین والعفو عن زلاتهم والاحسان الیٰ من اساء الیه سبیلا وبکثرة الصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم وعلیٰ سائر الانبیاء ودعاء المشائخ والعلماء عمومًا والمشائخ الشریفة المذهبیة الرضویة الجنیدیة الکبرویة الهمدانیة خصوصًا وان لا ینسانی فی صوالح دعواته فانی محتاج الیٰ دعاء الاولیاء الصالحین وانا ارجو رحمة الله وکرمه ان یثبت هٰذا الاخ الصالح الاعز فی الطریقة المرتبة قطب الاقطاب وهو راوسننا حتی یتمتع من ولایته الکاملة الشاملة جمیع القابلین المسلمین والعالمین وانه قریب مجیب اللهم ثبتنا علیٰ طریقة مشائخنا العظام ومتابعة حبیبك محمد علیه الصلوٰة والسلام وکان ذالك فی اواخر شهر رمضان سنة الف وثمان عشرة من الهجرة النبویة فی احمد آباد گجرات والحمد لله اولاً وآخرا باطنا وظاهرا وکتبت له کتابا وان صارت الالفاظ قبابا قد جری ذالك قلم التقدیر علی لسان العبد الفقیر الراجی ربه الهادموسیٰ المدعوابکشمیری بن جعفر بن مولانا رکن الدین المجذوب الحق اصلح الله شانهم وصیر بین المساکین مکانهم برحمتك یا ارحم الراحمین یارب العالمین ۔ [1]

اب وہ اجازت نامہ نقل کیا جاتا ہے جو حضرت شیخ عبدالقادر نے حضرت موسیٰ بن جعفر کو دیا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمداً لمن اختار موسیٰ وخصصه بالتکلم وشکراً لمن وهب الخضر

---

[1] معارف

القلب السلیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام وعلی آلہ وصحبہ الکرام
صلوٰۃ لا غایۃ لہا ولا انتہاء ولا امد لہا ولا انقضاء مادامت الفیوضات المحمدیۃ
مستمرۃ السریان فی الملۃ الاحمدیۃ وما قبلت قوابل الاولیاء التجلیات الالہیۃ
بواسطۃ روح الحضرۃ القاسمیۃ وبعد فقد ساق سابق القضا وشائق
العطایا بالرضا وتشرقت البلاد والعباد وقرالله من ذالک التشرف قسم احمد
آباد الاخ الصالح ذا البرہان الواضح العالم العامل الکامل الواصل العارف
بغوامض الحقائق الجامع للطائف اسرار الدقائق مظہر الصفات الازلیہ مہبط
الرحمات شیخ الوقت الشیخ موسیٰ بن جعفر الکشمیری نفعنا الله ببرکاتہ فتشرف
العبد بلقاءہ وفاز بدعاءہ شہرا میمونۃ زہرہ وایاما مسرۃ نورہ فصحبتہ
فی تلک المدۃ ولازمتہ وتذاکرت معہ واستفدت من فوایدہ وصافیتہ
ونادمتہ تالمت لفراقہ جدا حتی اذا تذکرت تلک الاوقات الشریفۃ
احن علی حنین الثکلی وانشد.

مرت لنا بمنی والخیف اوقات   بطیب عیش مع احبابی لذات

ومن سعاداتی انی تحکمت لہ وتلقنت منہ الذکر کما تلقاہ ہو من
المشایخ الکبار واخذت عنہ العہد والتوبۃ کما ہو فی عرف الصوفیۃ
الاخیار ولما وقع کذالک احب المخدوم المشار الیہ ان یاخذ عنی لکمال
تواضعہ وغایۃ انصافہ وشفقتہ الزائدۃ علی الفقیر وبذل جہدہ فی
جبر خاطر العبد بکل ما امکن ومقابلۃ الحسنۃ بالحسنۃ بل بالتی ہی احسن
وعظیم محبتہ فی الاولیاء والصالحین وشدۃ تعظیمہ واکرامہ لسید
المرسلین فاجبتہ تقربا الی خواطرہ الشریفۃ وتعرضا لدعواتہ المستجابۃ
المنیفہ واجزتہ فی جمیع ما یجوز لی عنی روایۃ من مقروء ومسموع

و مجاز و مجموع و منطوق ومفهوم ومنثور ومنظوم و غیر ذالک مما للروایة
فیہ مدخل وللنقل علیہ معول اجازۃ عامۃ مطلقۃ بشرط المعتبر عند اهل الاثر
فلیروعنی ذالک بالاتقان والاجازۃ فھو بحمد اللہ اهل للافادۃ ملتمسا منہ
الدعاء بالتوفیق والعافیۃ فی اوقات الانابۃ ورجاء الاجابۃ باجازاتی فی ذالک
المتصلۃ بنور الانوار محمد صلی اللہ علیہ وسلم و وفقنی اللہ وایاہ لتحقیق
العلوم النافعۃ والاعمال الصالحۃ بوجہہ الکریم ثم لجمیع ذریاتنا واحبابنا
ولا توفیق الا باللہ و لااعتماد الا علیہ و لااستناد الا الیہ لہ الفضل والمنۃ
ولارب غیرہ ولاماٴمول الاخیرہ وکان ذالک فی یوم الثلثاء ثانی شہر شوال
المبارک سنۃ ثمان عشرۃ بعد الف بمدینۃ احمدآباد وقال ذالک وتلفظ
بالاجازۃ وکتب العبد الفقیر عبد القادر بن شیخ العیدروس عفی اللہ عنہما
امین حامدا ومصلیا ومسلما علی رسولہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وسلام
علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین ۔

حضرت موسیٰ کا اجازت نامہ اواخر رمضان کا ہے ۔ اور حضرت عبدالقادر کا
اجازت نامہ ۲ رشوال ۱۰۱۸ھ کا ہے ۔ دونوں کے درمیان صرف چند روز کا فاصلہ
ہے ۔ کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ کے ایک مخطوطہ سے ایک اور شرف کا پتہ
چلتا ہے ۔ جو حضرت موسیٰ کشمیری کے توسط سے شیخ عبدالقادر کو نصیب ہوا ۔ گمان
غالب ہے کہ مندرجۂ ذیل عبارت بھی ان کی کتاب الزہر الباسم ہی سے ماخوذ ہوگی
وہ لکھتے ہیں ۔

سمعت شیخنا الشیخ موسیٰ	میں نے اپنے شیخ موسیٰ بن جعفر کشمیری
بن جعفر الکشمیری یذکر عن	کو ایک مرتبہ اپنے شیخ الشیوخ قطب
شیخ مشایخہ الکبیر والعالم	الاقطاب حضرت سید علی ہمدانی کا ذکر

الشهير قطب الاقطاب و فرد
الاحباب الشريف علی الهمدانی
نفعنا الله ببركاته انه اخذ
اليد عن الشيخ المعمر الصحابی
ركن الدين الشيخ سعيد الحبشی
رضی الله تعالیٰ عنه والشيخ
سعيد الحبشی هذا اخذ عن
النبی صلی الله عليه وسلم بغير
واسطة وهو من اصحاب عيسیٰ
عليه السلام وذكروا ان عيسیٰ
عليه السلام دعا له لطول
العمر حتی يدرك زمان
النبی صلی الله عليه وسلم و
سبب ذالك انه حضر ذات
يوم عند عيسیٰ عليه السلام
فسمعه عليه السلام يذكر
النبی صلی الله عليه وسلم
ويعظم شانه فطلب حينئذ
الشيخ سعيد الحبشی من
النبی عيسیٰ عليه السلام ان
يدعو له حتی يبقی الی زمن

کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ایک معمر
صحابی حضرت سعید الحبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مصافحہ کیا۔ حضرت سعید الحبشی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے بغیر واسطہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے مصافحہ کیا تھا۔ حضرت سعید
الحبشی دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے ساتھیوں میں سے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
نے ان کی درازی عمر کی دعا کی تھی کہ وہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پا جائیں
اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت سعید
الحبشی ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان
بیان کرتے ہوئے سنا۔ تب حضرت
سعید الحبشی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
سے استدعا کی کہ ان کی درازی عمر کی
دعا کریں تاکہ وہ حضرت سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک زندہ
رہیں اور آپ کے جمال باہر اور
روئے طاہر کو دیکھنے کا انہیں شرف

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویری جمالہ ملے :
ویتشرف برؤیتہ الظاہر ۔

اب صوفیائے کرام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کا سلسلہ بسند مسلسل مروج ہوا ۔ حضرت سعید الحبشی ، حضرت سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ کے زمانے میں موجود تھے ۔ لہٰذا حضرت سید علی ہمدانی کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کا شرف صرف ایک ہی واسطہ سے نصیب ہوا ۔

شیخ عبد القادر نے اس مقدس مصافحہ کے تسلسل کو یوں بیان کیا ہے ۔

فصافح بھذہ المصافحۃ الشیخ الکامل المکمل امیر سید عبد اللہ برزش آبادی قدس سرہ وصافح السید عبد اللہ برزش آبادی قدس سرہ بھذہ المصافحۃ تلمیذہ سلطان الحافظ علی الاوبہی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز وصافح الحافظ علی الاوبہی الشیخ الکامل المکمل الشیخ بابندہ ساکتری قدس سرہ العزیز وروح اللہ روحہ الشریف وصافح الشیخ بابندہ ساکتری تلمیذہ الشیخ الکامل المکمل الشیخ موسیٰ بن جعفر الکشمیری ابقاہ اللہ تعالیٰ ۔ واتفق ان الشیخ موسیٰ

مذکورہ طریقہ سے حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ نے میر سید عبد اللہ برزش آبادی سے مصافحہ کیا ، انہوں نے اپنے شاگرد سلطان حافظ الاوبہی سے ، انہوں نے شیخ بابندہ ساکتری سے اور انہوں نے اپنے شاگرد حضرت موسیٰ بن جعفر کشمیری سے ، اسی طرح مصافحہ کیا حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ کی نیت سے ۔ شیخ موسیٰ کشمیری احمد آباد پہنچے جو گجرات کے شہروں میں سے ایک شہر ہے مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ انکی ملاقات سے میں کامیاب ہوا ۔ حظ وافر حاصل کیا ۔ اور ہم دونوں کے درمیان ایسی گہری محبت والفت ہو گئی کہ بیان نہیں کی جاسکتی

وصل الى احمد آباد احدى مدت
لجلات بيت حج بيت الله الحرام
وزيارة قبر نبيه عليه الصلوٰة و
السلام فاجتمعت به و فزت بلقاءه
وحظيت بدعاءه وحصل بيني وبينه
من الالفة والوداد والمحبة والاتحاد
يجل عن الوصف وتمليت بغد يته
الغرا اربعة اشهرا ولها جمادى
الآخر وآخرها رمضان فصافحته
حينئذ بهذه المصافحة المتصلة السند
الى قطب الاقطاب وفرد الاحباب
السيد على الهمدانى نفعنا الله
ببركاته كما صافح السيد على
الهمدانى الشيخ سعيد الحبشى
كما صافح الشيخ سعيد الحبشى
رسول الله صلى الله عليه وسلم -

ان کا قیام چار مہینہ رہا۔ یعنی جمادی
الآخر سے رمضان تک۔ اسی زمانے
میں، میں نے ان سے یہ مصافحہ کیا
جس کی سند متصل حضرت قطب
الاقطاب حضرت سید علی ہمدانی
پر منتہی ہوتی ہے۔ شیخ سید علی ہمدانی
رحمۃ اللہ نے شیخ سعید حبشی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے مصافحہ کیا تھا۔ اور شیخ
سعید الحبشی نے حضرت محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح
مصافحہ کیا تھا۔

لہ مقالہ قریشی، معارف اعظم گڑھ سنہ ۴۸ء

میاں غیبن شاہ

گیارہویں صدی ہجری

میاں غیبن شاہ ایک مجذوب تھے۔ باباغیبی کے نام سے مشہور رہتے شیخ محمد چشتی کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ جس وقت مظفر شاہ سلاطینِ گجرات کے آخری بادشاہ نے احمدآباد پر دوبارہ قبضہ کیا تو ان کے دروازہ پر پہنچ گئے اور وہاں جاکر کہنے لگے کون مظفر آیا ہے۔ میں مظفر ہوں۔ چند روز ہی میں مظفر بادشاہ کو شکست ہوئی۔ اور دوبارہ مغلوں کا قبضہ ہوگیا۔ باباغیبن کی قبر شاہ پور دروازہ سے باہر واقع ہے۔[1]

اسداللہ ابن محب الرحمٰن

عہدشاہ جہانی میں آپ احمدآباد تشریف لائے ہیں۔ حضرت سلطان حاجی ہود کے خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی نے احمدآباد کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ احمدآباد میں آپ کا مزار ہٹی سنگ مندر کے باغ کے عقب میں واقع ہے۔[2]

مفسرِ کبیر شیخ یحییٰ بن محمود

م ۲۷ر صفر ۱۱۰۱ھ بمطابق ۹ر دسمبر ۱۶۸۹ء

شیخ یحییٰ بن محمود بن محمد چشتی۔ کبار مشائخ چشتیہ سے تھے۔ ۲۰ر رمضان ۱۰۱۰ھ بمطابق ۱۳ر مارچ ۱۶۰۲ء

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۳۵ [2] اکابرین گجرات ص۲۳ ۔

کو احمدآباد میں ولادت ہوئی۔ اپنے دادا کے پاس ۲۰ رسال رہ کر حفظ قرآن، علوم دین اور معرفت کو حاصل کیا۔ پھر اُنہی کے جانشین ہوئے۔

عرس و میلاد میں سماع بغیر مزامیر کا ذوق تھا۔ اپنے والد کی حیات میں حج کیا تھا۔ پھر والد کی رحلت کے بعد دوسری مرتبہ حجاز مقدس پہنچے اور چودہ سال قیام کیا۔ اس دوران آپ ایک سال مکہ مکرمہ میں گذارتے اور ایک سال مدینہ منورہ میں گذارتے۔

آپ نے تفسیر حسینی کے نام سے بیالیس[۴۲] رسالوں میں ایک تفسیر لکھی، اتوار ۲۷ صفر ۱۱۰۱ھ بمطابق ۹ دسمبر ۱۶۸۹ء کو وفات ہوئی۔ مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع الغرقد میں دفن ہوئے۔[۱]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں آپ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں کہ شیخ محی الدین، ابو یوسف یحییٰ چشتی ابن شیخ محمود بن حضرت شیخ محمد چشتی۔ آپ کی ولادت ۱۰۱۱ھ میں ۲۰ رمضان المبارک کو پنجشنبہ کے روز ہوئی۔ آپ نے اپنے جدّ امجد شیخ محمد چشتی کی خدمت میں رہ کر بیس سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری و باطنی حاصل کیے اور کسب باطن کو بھی کمال تک پہنچایا۔ حافظِ قرآن بھی تھے۔ معاشی ضروریات کی بنا پر آپ نے شروع میں کچھ مدت سیف خاں اور مرزا عیسیٰ خان کے یہاں ملازمت بھی کی مگر اس دوران بھی ورع و تقویٰ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ آپ فوج کے ساتھ سوراشٹر کے علاقہ میں ایک علاقہ کو فتح کرکے تمام فوجی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور تمام فوجی دیہات کا غلّہ اور گھاس وغیرہ لاکر خود بھی کھا رہے تھے اور جانوروں کو بھی کھلا رہے تھے۔ تو آپ اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر ایک طرف کونے پر کھڑے ہو گئے ساتھی فوجیوں

---

[۱] نزہۃ الخواطر عربی ج۵ ص۴۶۹

نے بہت اصرار بھی کیا ــــــــــ کہ ہمارے لیئے اور ہمارے جانوروں کے لیئے غذا اس کے سوا کوئی میسر نہیں مگر پھر بھی آپ نے قبول نہیں کیا۔ اسی طرح بھوک کے عالم میں آپ سو گئے اسی دوران ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور ایک ہاتھ میں رومال تھا جس میں روغن لگی ہوئی کھجوریں اور دوسرے ہاتھ میں گھوڑے کے لیئے چارہ تھا۔ آپ کے حوالے کیا، آپ نے سیر ہو کر خود بھی کھایا اور گھوڑے کو بھی کھلایا۔ بعد میں بتایا کہ وہ حضرت خضر تھے۔ جب آپ اپنے جد امجد کے وصال کے بعد گدی نشین ہوئے تو آپ نے تمام آمد و رفت چھوڑ دی اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اور عزلت و تنہائی اختیار کی۔ اس قدر خلوت نشین تھے کہ اورنگ زیب جس وقت اس صوبہ کے حاکم تھے تو اس وقت انہوں نے اپنے استاذ شیخ نظام کو شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ ملاقات کی درخواست کی شیخ نے جواب دیا کہ انکی ملاقات کا مقصود دعا ہے۔ حقیر اس جگہ بیٹھکر دعا کر رہا ہے اور اگر اس کا اعتبار کیا جائے کہ اولوالامر کی اطاعت واجب ہے تو میں آسکتا ہوں۔ لیکن جو خوشدلی سے یہاں بیٹھ کر دعا ہو سکتی ہے وہ اس حال میں نہیں ہوگی۔ یہ سنکر اورنگ زیب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس کی دعا فرمائیں کہ دین محمدی کی سر بلندی اور برتری قائم ہو۔ شیخ نے اس کے لیئے دعا کی اور فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ اورنگ زیب بادشاہ ہوئے اور ان سے حمایت دین، شرع مبین کی حفاظت کا کام لیا گیا۔ اس کے بعد عالمگیر اپنی شاہزادگی کے زمانے میں اور تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد برابر آپ کی خدمت میں ہدایا بھیجتے رہے۔ اور ساتھ اپنی طرف سے مکتوب گرامی بھی ارسال کرتے جو ان کے دست خاص کا لکھا ہوا ہوتا۔ خاندان چشتیہ میں سماع کا ہمیشہ معمول رہا ہے۔ اس لیئے ان کے یہاں بھی بغیر مزامیر کے صرف اشعار پڑھے

جاتے، نعتیں پڑھی جاتیں، مگر اس سلسلہ میں جب حکومت کی طرف سے زیادہ قیود بڑھا دی گئیں تو اس بناء پر مرزا باقر جو محتسب تھے انہوں نے تمام جگہ اس بارے میں سختی کر دی کہ کہیں بالکل مولود نہ ہو۔ اور نعت گوئی، شعر گوئی وغیرہ کی مجالس قائم نہ کی جائیں۔ اسی وقت ہر جگہ یہ مجلس موقوف ہوگئیں مگر شیخ کی خانقاہ میں پھر بھی برابر جاری رہیں۔ یہ چیز محتسب اور اس شعبہ کے ذمہ داروں کو بہت شاق گذرتی ایک روز محتسب نے یہ طے کیا کہ تمام گویوں کو شیخ کی خانقاہ سے پکڑ کر لے آؤ۔ اور انکی تنبیہ و تادیب کرو۔ تاکہ اس سے باز آجائیں۔ اس ارادہ سے محتسب خود میر عرب کے گھر میں جاکر بیٹھ گئے۔ جب یہ خبر شیخ کو پہنچی تو شیخ ناراض ہوئے اور ادھر شیخ بھی انکی آمد کے منتظر مستعد ہو کر بیٹھ گئے۔ جب شیخ کی اس برہمی کی اطلاع محتسب اور میر عرب کو پہنچی تو میر عرب کہنے لگے کہ پہلے جاکر شیخ کو سمجھانا چاہیئے۔ اگر وہ قبول کرلیں تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ میر عرب شیخ کی خدمت میں آئے مدّعا عرض کیا کہ محتسب اس ارادہ سے آئے ہوئے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ چند روز کے لئے اس کام کو موقوف کر دیا جائے۔ اور بادشاہ کے حکم کا انتظار کیا جائے۔ شیخ یہ سنکر بہت برہم ہوئے اور فرمایا: بادشاہ کون ہوتا ہے۔ میں جس کو چاہوں تخت شاہی پر بٹھاتا ہوں جاؤ اور محتسب سے کہو کہ جلدی یہاں آؤ۔ میر عرب اٹھ کر گئے اور ماجرا محتسب سے عرض کیا ساتھ یہ بھی کہ اس وقت جانا مناسب نہیں ورنہ عظیم فتنہ برپا ہو جائے گا۔ مصلحت یہ ہے کہ اس کو دوسرے وقت پر موقوف کر دیا جائے چنانچہ محتسب نے بھی سمجھ لیا کہ اس وقت جانا مناسب نہیں اٹھ کر اپنے گھر آگئے۔ شیخ نے کئی مرتبہ یہ قصہ لکھ کر شیخ نظام کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ کے واسطے سے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا مگر وہ خطوط بادشاہ کے پاس نہ پہنچ سکے۔ بالآخر شیخ نے وہ خطوط میر سید علی رضوی خان کی معرفت بادشاہ کی خدمت

میں بھیجے ، بادشاہ نے جب خط کو پڑھا تو اس کو بوسہ دیا، سر پر رکھا اور جواب میں معذرت کا خط لکھا ، اور چار خطوط الگ الگ افسران کے نام تحریر فرمائے ایک راجہ جسونت سنگھ کے نام جو اس زمانے میں یہاں کے ناظم تھے دوسرا نظام الدین احمد کے نام کہ جو دیوان تھے ۔ تیسرا امیر بہاؤ الدین کے نام اور چوتھا قاضی محمود شریف کے نام ۔ اس میں یہ لکھکر بھیجا کہ مرزا باقر محتسب کو بتاکید منع کر دیں کہ دوسری مرتبہ ایسے کام نہ کریں اور مختلف فیہ مسائل میں نہ الجھیں ۔ چاروں نے شیخ کی خدمت میں جاکر معافی مانگی ۔ اور حکم شاہی کے مطابق ایک ہزار روپیہ نقد اور چار تولہ عطر شیخ کی خدمت میں پیش کئے ۔ اس کے بعد کسی نے اس سلسلہ میں آپ سے مزاحمت نہیں کی ۔ حضرت شیخ رح دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے ۔ پہلی مرتبہ والدہ بالکل راضی نہیں تھیں فرماتیں کہ اگر اس ضعیف کا وقت آخر آ پہنچا تو میری تجہیز و تکفین کون کرے گا ۔ کہ تمہارے بھائی بھی یہاں حاضر نہیں ہیں وہ بھی دکن کی طرف گئے ہوئے ہیں مگر کسی طرح شیخ نے والدہ کو راضی کیا کہ ہم جلدی حرمین کی زیارت سے واپس حاضر ہو جائیں گے ۔ چنانچہ حج و زیارت سے فارغ ہوکر آپ جلد واپس لوٹ آئے ۔ اور والدہ کی خدمت میں پہنچے ۔ والدہ ماجدہ کے وصال کے بعد پھر دوبارہ حرمین شریفین کی زیارت کا اشتیاق غالب ہوا بلکہ وہاں قیام کے ارادہ سے لوگوں کو اطلاع کئے بغیر آپ چل پڑے اور رکھاریہ دروازہ مسجد میں جو مولانا محمد قاسم صاحب کی مسجد تھی وہاں نزول فرمایا ۔ شہر کے اکثر لوگ الوداعی اور رخصتی ملاقات کے لئے شیخ کے سامنے حاضر ہوئے اور شیخ ان سے رخصت ہوکر بندرگاہ سورت پہنچے ۔ وہاں ساتھیوں نے عرض کیا کہ جہاز میں پیشاب پاخانہ وضو کے لئے نظافت کا لحاظ نہیں رہتا ۔ تکلیف رہتی ہے اس کا کیا کریں گے شیخ فرمانے لگے ۔ ایسا کیوں کرنے ہوں گے ان چیزوں کی تو احتیاج پیش آتی ہے

اس کے بعد جب شیخ جہاز پر سوار ہوئے تو سوائے قہوہ کے کوئی چیز نہ پی نہ کھائی جس کی بنا پر نہ سوئے نہ استنجا اور پیشاب کی حاجت ہوئی جس وضو سے آپ سورت سے سوار ہوئے تھے جدّہ اسی وضو سے پہنچے حالانکہ سفر میں چالیس دن گذرے اور اس کے بعد پاؤں کے عارضہ کی بناء پر حضرت نے حرمین میں اقامت اختیار فرمالی اور ایک سال مکہ مکرمہ اور ایک سال مدینہ منورہ میں قیام فرماتے اس طرح آپ نے چودہ سال حرمین میں گذارے یہاں تک کہ ۱۱۰۱ھ میں ۲۸ صفر یکشنبہ کے روز نماز کی حالت میں سجدہ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اور حضرت عثمان رضؓ کی قبر کے متصل آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر ۹۱ برس ہوئی۔ [۱]

قاضی محمد شفیع

م ۱۱۰۱ھ بمطابق ۱۶۸۹ء

شیخ محمد شفیع حنفی، یکے از علمائے کبار۔ فقہ و اصول فقہ میں ممتاز مقام حاصل تھا عالمگیر کے زمانہ میں احمد آباد کے مضافات کی تولیت آپکے سپرد ہوئی یہ تقریباً ۱۱۰۱ھ مطابق ۱۶۸۹ء کا ذکر ہے۔ [۲]

قاضی شیخ الاسلام

وفات ۱۱۰۹ھ بمطابق ۱۶۹۷ء

قاضی القضاۃ عبدالوہاب کے بیٹے ہیں۔ فقہائے احناف میں سے تھے۔ علم

۱۔ خاتمہ مرآۃ احمدی صہ ۹۰ ۲۔ نزہۃ الخواطر عربی ۵۹۲ صہ ۳۱۹ - ج ۶

وعمل، زہد و ورع کے امام تھے۔

خافی خان نے منتخب اللباب میں بیان کیا ہے کہ جب والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک لاکھ اشرفی اور پانچ لاکھ روپیہ کے علاوہ قیمتی جواہرات اور اثاث بیت چھوڑا۔ شیخ الاسلام نے اس ترکہ میں سے کچھ نہیں لیا۔

آپ کے والد قاضی عبدالوہاب کے انتقال کے بعد ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے آپ کو عہدۂ قضاء کی پیشکش کی لیکن آپ نے اُسے قبول نہ کیا عالمگیر کے اصرار کرنے پر اظہار ناپسندیدگی کے ساتھ اُسے قبول کر لیا۔ پھر آپ نے اس عہدہ کے فرائض بحسن خوبی انجام دیئے اور حق بات ظاہر کرنے میں بادشاہ کی بھی رعایت نہیں کی ۱۰۹۴ھ میں آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد آپ حج کو تشریف لے گئے۔ واپسی پر عالمگیر نے صدارت عظمیٰ کی باصرار پیشکش کی لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ ۱۱۰۹ھ میں وفات پائی اور اپنے بزرگوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ [۱]

رودِ کوثر میں ہے کہ قاضی شیخ الاسلام کا نام اس اندھیری رات میں چراغ کی طرح چمکتا ہے۔ وہ واقعی پرہیزگار اور دیانتدار تھے۔ انہوں نے اپنے باپ کے ورثہ سے ایک پائی نہ لی۔ اور جب اورنگ زیب نے بیجاپور پر حملہ کرنے کے متعلق ان سے استصواب کیا تو انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ ایک مسلمان بادشاہ سے اس طرح جنگ شروع کرنی ناجائز ہے۔ لیکن ان کا دل قضا میں نہ لگتا تھا۔ چند سال خدمت کرنے کے بعد انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور باوجودیکہ بادشاہ بڑا زور دیتا تھا کہ وہ یہ کام سنبھالے رکھیں، لیکن انہوں نے طریقے طریقے سے ٹال دیا۔ پہلے حج کو چلے گئے۔ پھر زیارتِ مقابر بزرگان و ملاقات عیال و اطفال کیلئے رخصت لی۔ اور اپنے آپکو اس سلسلے میں الجھنے نہ دیا۔ [۲]

---

[۱] نزھۃ الخواطر ۶ یادایام۔ [۲] رود کوثر ص۴۶۱۔

مولانا ابوظفر ندوی نے آپ کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں۔ ابتداء میں قاضی دہلی تھے۔ پھر قاضی عسکر ہو گئے۔ اپنے باپ کے ترکہ میں سے انہوں نے کچھ نہ لیا جس کی مقدار ایک لاکھ اشرفی اور پانچ لاکھ روپے نقد تھی۔ یہ رقم دوسرے وارثوں میں تقسیم کر دی۔ مقدمات میں اکثر یہ کوشش کرتے کہ دونوں فریق صلح کر لیں۔ (اور اکثر مقدمات اسی طرح فیصل کئے۔

۱۰۹۰ھ (تقریباً) میں یہ حج کرنے تشریف لے گئے۔ ۱۰۹۲ھ میں واپس آکر گھر بیٹھ رہے۔ ۱۱۰۹ھ میں عالمگیر نے ان کو ملاقات کے لئے طلب کیا جو انکی خوبیوں کے سبب سے ان کا بڑا گرویدہ تھا۔ اور چونکہ یہ ملازمت سے انکار کرتے تھے اس لئے بادشاہ کا خیال تھا کہ جب سامنے آئیں گے اور کوئی خدمت سپرد کرونگا تو انکار نہ کر سکیں گے۔ انہوں نے دعا کی کہ خدایا میری اور بادشاہ کی ملاقات نہ ہو۔ چنانچہ احمد آباد سے روانہ ہوئے تو راستے میں انتقال فرما گئے۔

شیخ الاسلام کے چار لڑکے تھے۔ (۱) سراج الدین (۲) اکرام الدین (۳) نورالحق (۴) عبدالحق (عبدالمعانی خان) ان میں سے اکرام الدین صدر صوبہ احمد آباد ہوئے۔ اور شیخ الاسلام خان ان کا خطاب تھا۔ اچھی عمر پائی اور اچھی دولت حاصل کی۔ احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار خرچ کر کے ایک عربی مدرسہ مع دارالاقامہ (بورڈنگ) قائم کیا۔ اور ساتھ ہی ایک مسجد بھی تیار کی۔ یہ مسجد آج بھی احمد آباد محلہ اسٹوریہ قاضی کے دھابہ میں موجود ہے۔ اس مدرسہ کو اپنے استاد حضرت شیخ نورالدین کے سپرد کیا۔ جن کا مزار بھی اسی احاطہ میں آج بھی موجود ہے۔

شیخ الاسلام آخر عمر میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی پر سیاسی صورت حال دیکھ سورت ہی میں رہ پڑے۔ یعنی مارواڑی اور مرہٹے تمام گجرات پر تقریباً قابض ہو گئے تھے۔ وفات کے بعد آپ کی لاش احمد آباد

لائی گئی، اور مذکورہ مدرسہ میں دفن کیا گیا۔

شیخ الاسلام کے ہندو شاگرد "فتوحات عالمگیری" کے مصنف ایسر داس، قوم کے ناگرا د پٹن کے رہنے والے تھے، ۳۰ برس کی عمر تک قاضی شیخ الاسلام بن عبدالوہاب کی خدمت میں تحصیلِ علم کرتے رہے۔ شاہی ملازمت میں آکر جودھپور کے امین بنے۔ میدانِ جنگ میں بھی مفید خدمات انجام دیں۔ فتوحاتِ عالمگیری انکی ایک علمی یادگار ہے۔ جس میں عالمگیر کے چونتیسویں سالِ جلوس تک (۱۱۰۱ھ — ۱۱۰۲ھ) کے واقعات ہیں۔[1]

قاضی القضاۃ قاضی عبداللہ بن محمد شریف

م ۱۱۰۹ھ بمطابق ۱۶۹۷ء

قاضی عبداللہ بن قاضی محمد شریف حنفی۔ فقہ اور اصول میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ پہلے احمد آباد میں عہدۂ قضا پر تقرر ہوا۔ پھر جب محمد اعظم بن عالمگیر سے آپ کا تعلق ہو گیا تو اس نے آپکو اردوئے معلّی کا قاضی مقرر کیا۔ اور ایک مدت تک آپ اسی عہدہ پر فائز رہے۔ پھر ۱۰۹۵ھ میں قاضی القضاۃ میر ابوسعید قضا سے سبکدوش ہوئے تو عالمگیر نے اقضی القضاۃ کا بڑا عہدہ آپکے سپرد کیا۔ چنانچہ آپ ایک مدت تک ہند کے قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ پھر آپ صدر الصدور کے منصب پر فائز ہوئے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ۱۱۰۹ھ مطابق ۱۶۹۷ء میں آپ کی وفات ہو گئی۔[2]

---

[1] مآثر الامراء، مرآۃ احمدی۔ بحوالہ تذکرہ شیخ طاہر پٹنی ص ۹۶، تاریخ ادبیات فارسی ادب ص ۵۴۰/۱۷۔ [2] یاد ایام، نزہۃ الخواطر عربی ص ۱۶۲/۶ ، ۳۱۵۔

ماثر عالمگیری میں ہے کہ: مفتی قاضی محمد اکرم حنفی دہلوی کبار فقہاء میں سے تھے ۔ آپ نے اکابر سے علم و افتاء کو ورثے میں پایا اور فوج میں افتاء کی خدمت پر طویل زمانے تک مامور رہے ۔ پھر عالمگیر نے آپ کو سنہ ۱۰۴۹ھ میں اورنگ آباد کی قضاۃ سونپی ۔ پھر آپ کو قضاء اکبر قاضی القضاۃ کا عہدہ قاضی عبداللہ بن محمد شریف گجراتی کی جگہ پر سنہ ۱۱۰۹ھ میں سونپا گیا ۔ ساری عمر اس عہدے پر آپ رہے ۔ آپ فقہ میں بے نظیر تھے ۔ نہایت خوش طبع نشیط خوش مزاج تھے ۔ عالمگیر آپ کو آپکی وفات کے بعد "اعلم المرحوم" کے نام سے یاد کرتے تھے ۔ آپ نے سنہ ۱۱۱۶ھ میں وفات پائی کما فی ماثر عالمگیری ۔ ۱؎

مولانا زین العابدین

م سنہ ۱۱۱۳ھ بمطابق سنہ ۱۷۰۱ء

شیخ زین العابدین احمد آبادی ۔ یکے از علمائے کبار ۔ فن مناظرہ میں "آداب باقیہ" پر آپ نے حاشیہ لکھا ہے ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی ۔ ۲؎

خواجہ حسن محمد

م سنہ ۱۱۱۳ھ بمطابق سنہ ۱۷۰۱ء

انکے خاندان کے مورث اعلیٰ شیخ خواجہ عبداللطیف بڑے پایہ کے عالم تھے ۔ سنہ ۷۲۶ھ بمطابق سنہ ۱۳۲۵ء میں بمقام بغداد صدارت کے عہدہ پر ممتاز تھے ۔ بنی عبید کے قبیلہ سے تھے ۔ جو مدینہ کے پاس آباد تھا ۔ یہ بغداد سے گجرات آکر پہلے

۱؎ نزہۃ الخواطر ج۶ ص۲۸۲ ۲؎ ایضاً عربی ج۶ ص۱۸۱ ص۹۴ ۔

سرکھیج میں مقیم ہوئے ۔ پھر پٹن نہروالہ چلے گئے ۔ جب احمدآباد بسایا گیا تو شیخ کی وفات کے بعد خواجہ حسن محمد احمدآباد آئے اور تجارت کا پیشہ اختیار کیا ۔ انکی اولاد میں سے شیخ احمد اور شیخ عثمان سلطان احمد شاہ ثالث کے عہد میں دیوان ہوئے ۔ پھر انکی اولاد سے صفی الدین سیف خان بعہد جہانگیر احمدآباد میں صوبہ دار مقرر ہوئے ۔ پھر شاہجہاں کے عہد میں ان کے لڑکے محمد امین سورت بندر کے متصدی ہوئے ۔ اور ان کے پوتے شیخ حامد سورت آکر مقیم ہو گئے ۔ سنہ ۱۰۵۳ھ بمطابق ۱۶۴۳ء میں ان کو عمدۃ التجار کا خطاب ملا ۔ چونکہ یہ بہت بڑے عالم تھے ۔ اور دولت کے ساتھ علم کا بھی ذوق تھا ۔ ایک بڑا کتبخانہ بھی ان کے پاس تھا جس میں بیس ہزار کتابیں تھیں ۔ ایک سو سات ۱۰۷ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۱۰۷ھ بمطابق ۱۷۰۱ء میں انتقال کر گئے ۔ انکے صاحبزادے محمد فاضل اسم بامسمیٰ تھے ۔ دولت اور علم دونوں میں اپنے باپ کے وارث تھے ۔ عمدۃ التجار کے خطاب کے ساتھ اور بہت سے شاہی عنایات سے مستفیض ہوئے ۔ اور انکی مالداری کا یہ حال تھا کہ ساٹھ ہزار فقط زکوٰۃ ادا کرتے تھے ۔ علمی ذوق اس قدر تھا کہ تیس لاکھ روپیہ خرچ کر کے چالیس ہزار کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کیں ۔

کتابوں کی خرید اور انکی نقل کے لئے ہر بڑے شہر میں آپ کے کارندے مقرر تھے ۔ سنہ ۱۱۲۹ھ میں حیدر قلی خان متصدی بندر سورت نے عداوت سے برودہ کے پاس گویوں کے ذریعے ان کو قتل کرا دیا ۔ ان کے لڑکے شیخ محمود کا جو صاحب دولت تھے سنہ ۱۱۸۴ھ میں بمقام سورت انتقال ہوا ۔ ان کے صاحبزادے شیخ بہادر علوم وفنون میں بڑے ماہر تھے ۔ ۷۳ سال کی عمر پاکر سنہ ۱۲۴۵ھ میں رحلت کر گئے ۔ ان کے لڑکے شیخ حامد بھی صاحب علم تھے انہوں نے سنہ ۱۲۵۵ھ میں وفات پائی ۔ انہی کے صاحبزادے رضی الدین احمد عرف بخشو میاں تھے ۔

انہوں نے اپنے آبائی کتب خانہ سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ ۴۴۴ منتخب کتابوں سے ایک کتاب "حدیقۂ احمدی" تاریخ میں تالیف کی۔ اس کی تیسری جلد کا نام "حدیقۃ الہند" ہے۔ مولانا ابوظفر ندوی رقمطراز ہیں کہ انکی نظر سے یہ تینوں جلدیں گذری ہیں اور ابتک غیر مطبوعہ ہیں۔ ۱۲۶۵ھ میں بخشو میاں رحلت کر گئے۔ ان کے خلف الرشید شیخ بہادر عرف شیخ میاں اپنے باپ کے خلف الصدق ثابت ہوئے "حقیقۃ السورۃ" انہی کی تالیف ہے۔ ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انکے لخت جگر شیخ محمد امین صاحب احمدآباد کے محکمۂ منشیات کے افسر رہے۔ فرماتے تھے کہ میری کم عمری کے باعث کتب خانہ برباد ہو گیا۔ [۱]

شیخ رکن الدین

متوفی ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۵ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۷۰۳ء

شیخ رکن الدین بن یحییٰ عمری چشتی۔ یکے از مشایخ چشتیہ۔ احمدآباد میں ۱۰۵۹ھ بمطابق ۱۶۴۹ء میں ولادت ہوئی۔ اپنے والد اور شیخ فریدالدین سے تعلیم حاصل کی شیخ عبدالفتاح عسکری سے مثنوی پڑھی۔ پھر والد ماجد کی صحبت میں رہ کر سلوک طے کیا۔ جب آپکے والد نے حجاز مقدس ہجرت فرمائی تو آپ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ گجرات میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور بہت سے لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۵ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۷۰۳ء کو احمدآباد میں وفات ہوئی۔ [۲]

---

[۱] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۴۰　[۲] نزھۃ الخواطر ص ۱۲۲ ج ۶

سید سعد اللہ بلگرامی

م ۱۷ شوال ۱۱۱۹ھ

شیخ سعد اللہ بن مرتضی بن فیروز بن عبد الواحد حسینی واسطی بلگرامی ۔ یکے از علمائے صالحین ۔ ولادت اور نشو و نما بلگرام میں ہوئی ۔ بعض کتب درسیہ شیخ فیض امروہی سے پڑھیں ۔ اور اکثر قاضی عبد الرحیم مراد آبادی سے پڑھیں ۔ بلگرام ہی میں ایک طویل مدت تک درس و افادہ میں مشغول رہے ۔ پھر حج کے لئے تشریف لے گئے ۔ واپسی پر احمد آباد میں شیخ نور الدین ابن محمد صالح کے مدرسہ میں درس و تدریس کی طرف مشغول ہو گئے اور زہد و عبادت کو اپنا شعار بنا لیا ۔ عبادت کے لئے شب میں بیدار رہتے ۔ دن کے وقت درس افادہ میں منہمک رہتے ۱۷ رشوال ۱۱۱۹ھ میں وفات ہوئی ۔ احمد آباد ہی میں مقبرۂ کھکن میں مدفون ہوئے ۔ [۱]

ولی احمد آبادی

م ۱۱۱۹ھ

بعض اصحاب کے نزدیک آپ کا نام شمس الدین، شمس الحق، شمس مولا تھا ۔ اور بعض اصحاب کے خیال میں آپ کا نام ولی الدین، حاجی ولی، ولی محمد یا ولی اللہ تھا ۔

بہر حال اس پر سب متفق ہیں کہ آپ کا تخلص ولی تھا ۔ آپ بمقام اورنگ آباد دکن ۱۰۷۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۱۹ھ میں بمقام احمد آباد (گجرات) فوت ہوئے اور دریا خاں کے گنبد کے سامنے دفن کئے گئے ۔ آپ کی قبر حسب وصیت خام بنی ہوئی ہے اور

---

[۱] نزہۃ الخواطر عربی ۱۸۹ ج ۶ صہ ۹۹

بالیں کی طرف چینی کے ٹکڑے نصب ہیں۔ نیز ایک قطعہ سنگِ مرمر پر لکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ آپ کا قیام زیادہ تر صوبۂ گجرات میں رہا، شہر سورت کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ آپ دہلی بھی تشریف فرما ہوئے لیکن بہت زیادہ قیام نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ بعض الفاظ جو آپ نے پہلے دکنی زبان کی مطابقت میں لکھے تھے، دہلی کے قیام کے بعد اُن کو دلّی کی زبان میں صحیح لکھنا شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں بعض الفاظ صحیح اور غلط دونوں طرح بندھے ہوئے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں کلیات کے علاوہ ایک کتاب نور المعرفت بھی شامل ہے جو فنِ سلوک میں لکھی ہے۔ آپ اُردو شاعری کے موجد خیال کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ آپ سے پہلے اور لوگوں نے بھی اردو میں طبع آزمائی کی ہے اور دواوین بھی مرتب کئے ہیں لیکن وہ اردو شاعری کے لحاظ سے ہرگز قابلِ اعتبار نہیں۔ آپ کے حالات گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں اور اس سے زیادہ آپ کے سوانح حیات ہم کو معلوم بھی نہ ہو سکے جس کا افسوس ہے۔

نام کے متعلق مقالات شیرانی میں ہے کہ: مولانا آزاد انکا نام، شمس ولی اللہ، لکھتے ہیں۔ (صفحہ ۹۵ آبحیات)

حکیم عبدالحی صاحب نے شمس الدین لقب اور ولی اللہ نام دیا ہے۔ معلوم نہیں ان بزرگوں نے شمس اور شمس الدین کس بنا پر رکھا ہے۔ مخزن نکات، تذکرہ گلزار ابراہیم، تذکرہ گلشن ہند، تذکرہ شعرائے اردو، میں شاہ ولی اللہ درج ہے۔ مگر گردیزی، شفیق، مصحفی، اور قدرت اللہ قاسم نے محمد ولی لکھا ہے۔ ان سب سے قدیم سند ہمارے پاس ثناء اللہ فانی کی ہے جو آٹھ سن جلوس محمد شاہ میں ولی محمد تحریر دیوان کی ایک نقل تیار کرتے ہیں۔ اور شاعر کا نام سید ولی محمد تحریر کرتے ہیں۔ ثناء اللہ فانی اپنا خاتمہ بدین الفاظ لکھتے ہیں۔

: دیوان اشعار ولی مسمیٰ سید ولی محمد مرحوم بتاریخ چہاردہم شہر محرم الحرام

۸ رسن از جلوس میمنت مانوس محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و سلطانہ روز چہارشنبہ وقتِ چاشت در بلد خیر البلاد احمد آباد حمیت عن الفساد، بخط فقیر حقیر اضعف البلاد کلبِ محبوبِ سبحانی نمود، بی بود شناراللہ فانی سمت انجام وصورت اتمام پذیرفت "

فانی کے بیان پر ہمیں اشتباہ کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں۔ وہ ولی سے یقیناً واقف معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں سید بھی لکھ رہے ہیں اور مرحوم بھی، جو لوگ انکو شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں وہ شاید ایک اور شاعر شاہ ولی اللہ اشتیاق کے ساتھ التباس کر رہے ہیں

مولانا آزاد صاحب لکھتے ہیں: آپ گجرات کے رہنے والے تھے اور شاہ وجیہ الدین کے مشہور خاندان میں سے تھے۔ اپنے وطن سے ابوالمعالی کے ساتھ دہلی آئے جہاں سعد اللہ گلشن سے شعر وسخن کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کا سن ولادت اور وفات معلوم نہیں ہوسکا۔ لیکن اتنا ثابت ہے کہ آپ کا ابتدائی زمانہ شاید عالمگیر کا آخری زمانہ تھا۔ آپ اپنے دیوان کے ہمراہ محمد شاہی کے حکمران بننے کے دوسرے سال دہلی پہنچے۔ آپ صوفی شاعر تھے۔ آپ کے اشعار میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔

آپ کو فارسی زبان میں کامل استعداد اور عبور حاصل تھا۔ فارسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اردو ادب کے لئے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ یہاں تک کہ آپ ہی کی وجہ سے ہند کی شاعری، نظم فارسی کے مدمقابل بن سکی۔ آپ فارسی کی تمام بحریں اردو میں لائے۔ آپ نے شعر کو غزل اور غزل کو قافیہ وردیف سے سجایا۔ اور ساتھ ہی رباعی، قطعہ، مخمس اور مثنوی کا طریقہ ایجاد کیا۔ آپ کو ہندوستان کی شاعری میں وہی مقام حاصل تھا جو چاسر کو انگریزی شاعری، رودکی کو فارسی شاعری اور مہلہل کو عربی شاعری میں حاصل تھا۔

آپکی شاعری اور انشار پردازی کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ آپ نے ایک زبان کو دوسری زبان سے ایسا جوڑ لگایا ہے کہ آج تک زمانہ کے کئی کروٹ بدلنے کے باوجود اس میں جنبش نہیں آئی۔

آپ نے نور معرفت کے نام سے تصوف میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ میں نورالدین محمد صدیقی سہروردی کے مریدونکا خاک پا ہوں۔ اور شیخ سعد اللہ کا شاگرد ہوں۔[1]

ولی نے دلی کا سفر کیا اور وہاں کے مشاعروں میں اپنا کلام سنا کر وہاں کے شعرار کو اتنا متأثر کیا کہ وہ اردو میں لکھنے کی طرف مائل ہو گئے۔ اس وقت تک وہاں یہ زبان صرف عامی سمجھی جاتی تھی، اور علمی و ادبی محفلوں میں اس وقت تک اس کو جگہ نہ مل سکی تھی۔ ولی کی شخصیت اور ان کے دیوان کی مقبولیت کا یہ اثر ہوا کہ شعرار دلی نے فارسی کے بجائے اردو میں طبع آزمائی شروع کر دی۔ حاتم، مظہر، آبرو، ناجی، اور فغاں۔ وہ شعرائے دہلی ہیں جنہوں نے ولی کا کلام خود ان کی زبان سے سنا۔ اور اپنے کلام کے لئے وہی محاورہ اور زبان اختیار کی جو ولی نے استعمال کی تھی۔

سفر دہلی کو بعضوں نے مشکوک بنایا ہے، مقالات شیرانی میں ہے قولہ صفحہ ۹۲:
"ابتدائے عہد، شاید عالمگیر کا آخری زمانہ ہوگا اور وہ مع اپنے دیوان کے سن ۲ محمد شاہی میں دلی پہنچے"

سن ۲ جلوس محمد شاہی ۱۱۳۲ھ کے مطابق ہے۔ ولی کا اس سال دہلی آنا کجا، وہ تو اس سے پندرہ سال قبل یعنی ۱۱۱۹ھ میں انتقال کر چکے ہیں۔

---

[1] آبحیات ص ۹۶۔

ولی کا قطعہ وفات از مولوی حسن مفتی بقول مولانا عبدالحق ایک قلمی نسخہ دیوانِ ولی نشان ۴۲۷۹ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی نوشتہ ۱۱۵۲ھ میں جو راقم کی نظر سے بھی گزر چکا ہے، حسب ذیل مرقوم ہے۔

مطلع دیوان عشق سیدارباب دل
والی ملک سخن صاحب عرفان ولی
سال وفاتش خرد از سر الہام گفت
باد پناہ ولی ساقیٔ کوثر علی!

مصرع آخر سے ۱۱۱۹ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ۳ سنہ بلکہ ۲ سنہ جلوس محمد شاہی شاہ حاتم کی سند پر مصحفی نے دہلی میں ولی کے دیوان کی آمد کی تاریخ دی ہے۔ چنانچہ تذکرہ ہندی میں ہے۔

"روزی پیش فقیر نقل می کرد کہ در سن دوئم فردوس آرام گاہ دیوانِ ولی در شاہجہاں آباد آمدہ و اشعارش بر زبان خورد و بزرگ جاری گشتہ"

(صفحہ ۸۰ تذکرہ ہندی از مصحفی)

مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ مصحفی کا جو نسخہ حضرت مولانا کے پاس تھا اس میں کاتب سے "دیوان" کا لفظ کتابت میں رہ گیا ہے۔ جس سے جملے کا مطلب یہ ہو گیا کہ خود ولی دلی آئے تھے۔

قولہ، صفحہ ۹۴ "کبھی کبھی خواجہ حافظ کی طرح بادشاہِ وقت کے نام سے اپنے شعر کو شان وشکوہ دیتے تھے۔ چنانچہ ولی کی تصنیفات میں سے ایک غزل میں کہتے ہیں۔

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین
جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

«گل رعنا» میں حکیم عبدالحی بھی مولانا کے ہم آواز ہیں، لیکن شعر بذاتہ ولی کی ملک ہے اور نہ دیوانِ ولی میں موجود ہے۔ یہی شعر کسی قدر اختلاف کے ساتھ شفیق اورنگ آبادی نے چمنستان شعرار، میں شرف الدین کے نمونۂ کلام میں درج کیا ہے چنانچہ۔

اس گدا کا دل لیا دلی نیں چھین
کوئی کہے جا کر محمد شاہ سوں
(ص ۲۵۷، چمنستان شعرار)

ولی کی تعلیم احمد آباد میں شاہ وجیہ الدین رح کی خانقاہ کے مدرسے میں ہوئی۔
آپ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل — شمشیر ہجر سوں جو ہوا ہے فگار دل
میرے سینے میں آکے چمن دیکھ عشق کا — ہے جوشِ خون سوں لتق میں میرے لالہ زار دل
ہجرت سے دوستاں کے ہوا جی میرا گداز — عشرت کے پیرہن کو کیا تار تار دل

علاوہ ازیں آپ کی نظم «در تعریف شہر سورت» سے بھی آپ کے گجراتی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ آپ کے کلام میں گجرات کے بعض مقامات اور گجراتی احباب کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً سورت، نربدا، اکرم کا باغ اور اسی طرح گجراتی احباب مثلاً کامل، اکمل اور شمس الدین سراج وغیرہ کے ذکر سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ آپ کو گجرات سے منسوب کرنا زیادہ صحیح ہے۔

اردو یا ریختہ گوئی کا ایجاد جو آپ نے کیا وہ محض حضرت شاہ گلشن صاحب کا فیضان تھا مزے کی بات یہ ہے کہ شاہ گلشن کا وطن دہلی نہ تھا ان کا اصلی وطن گجرات تھا۔ البتہ انہوں نے دہلی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

آپ کا سنِ وفات عام طور پر ۱۷۴۲ء مطابق ۱۱۵۵ھ مشہور رہا۔ لیکن

ڈاکٹر عبدالحق کی تحقیق کی رو سے آپ کی وفات ۱۷۰۷ء مطابق ۱۱۱۹ھ میں بوقت عصر ہوئی۔ ان کا یہ فیصلہ دیوانِ ولی کے ایک قلمی نسخہ واقع کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے مطالعہ پر مبنی ہے۔ جس پر یہ قطعہ درج ہے۔

مطلع دیوان عشق سیدار باب دل — والی ملک سخن صاحب عرفان ولی
سالِ وفاتش خرد از سر ابہام گفت — بادشاہ ولی ساقی کوثر علی

یہ قطعہ ۱۹۲۴ء میں دریافت ہوا۔ اس کی تائید بعد میں احمدآباد کے ایک بزرگ کے ذاتی کتب خانہ سے بھی ہوگئی ہے۔ جس میں آپ (ولی) کی تاریخ وفات ۴ر شعبان ۱۱۱۹ھ وقتِ عصر لکھی ہے۔ آپ نے احمدآباد میں انتقال کیا اور نیلے گنبد کے قریب اپنے جدی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

پنجاب یونیورسٹی میں دیوانِ ولی کے ایک قلمی نسخے میں جو جلوس محمد شاہی کے آٹھویں سال یعنی ۱۱۳۸ھ مطابق ۱۷۲۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ یہ عبارت ملتی ہے

"دیوان اشعارِ ولی مسمیٰ سید ولی محمد مرحوم بتاریخ چہار دہم شہر محرم الحرام سنہ ۸ از جلوسِ میمنت مانوس محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ روز چہارشنبہ وقتِ چاشت در بلدہ خیر البلاد احمدآباد حمیت عن العناد بخط فقیر حقیر اضعف العباد و کلب محبوب سبحانی نمود بے بو دشنا راللہ فانی سمت انجام وصورت اتمام پذیرفت"۔[1]

مثنوی پری دخت وسام ولی دکنی۔

ولی کی مثنوی کا یہ دو سو چالیس سالہ قدیم نسخہ طلبا رکے لئے ایک کارآمد

---

[1] تاریخ ادب اردو مصنف ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۵۲۳

نسخہ ہے اس رسالہ میں مثنوی کے علاوہ غزلیات قطعات، رباعیات، مخمس، ہجویات بھی درج ہیں۔ اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

ے زباں پر توں اے ولی اول
نام پاک خدائے عزّ وجل

اور اختتام ان سطور پر ہوتا ہے۔

؛تمت تمام شد کیا دیوان ولی بعون الملک الوہاب روز دوشنبہ بوقت نماز عصر ماہِ ذی الحجہ ۱۱۵۷ھ مطابق .... جلوس محمد شاہ

یہ مخطوطہ کتب خانہ ضلع خیرپور میں ہے۔ [1]

دیوانِ ولی گجراتی

مُصنِّف ولی گجراتی

دیوان حافظ (فارسی) کے قلمی نسخے مکتوبہ (۱۲۱۶ھ) کے حاشیے پر ولی گجراتی کا دیوان درج ہے۔ اس میں صفحہ اول سے ۹۰ تک صرف غزلیات درج ہیں۔ غزلیات، ردیف کی ترتیب سے رقم ہیں۔ آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے۔

---

[1] سندھ میں اردو مخطوطات صـ۹۔

کیتا ہوں تیرے ناؤں کو میں وردِ زباں کا
کیتا ہوں ترے شکر کو عنوان بیاں کا

ہر ذرۂ عالم میں ہے خورشید حقیقی !
اس گرد کوں میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

کہتا ہے ولی دل ستی یو مصرعِ رنگین
ہے یاد سبب مجھ کوں تری راحتِ جاں کا

آخری غزل کا مطلع یہ ہے ۔

آیا ہے ہاتھ لے کے جدھاں گلعذار شمع
روشن کیا ہے گھر کوں ہر قہر بار شمع

اور مقطع یہ ہے ۔

شکر خدا کہ دریں وقت نیک ہے
پایا ولی نے حق سے دیکھو چار بار شمع

تحریر خوشخط ہے ردیف ج کے بعد کی غزلیں موجود نہیں ہیں ۔ یہ مخطوطہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب صدر شعبہ تعلیمات جامعہ سندھ کی ملکیت ہے۔[1]

منتخب از کلیات ولی

حمد و نعت و منقبت و موعظت

لے زباں پر تو اول اول
نام پاک خدائے عزّ و جل

لائق حمد نہیں ہے اس بن اور
اس اُپر متفق ہیں اہل ملل

[1] سندھ میں اردو مخطوطات صفحہ ۲۰۱۹ ۔

یاد اس کی ہے سب اُپر لازم
شکر اس کا ہے مدعائے مکمل
آسمان اور زمین کے سب ساکن
یاد کرتے ہیں اس کوں ہر پل پل
شکر اس کا محیط اعظم ہے
وہ ہے سلطان بارگاہ ازل
اس سے بہتر اگر شنا ور ہوں
روز محشر تلک سکوں نہ مکمل
بعد حمد خدائے بے ہمتا
یاد کر نعت سیدِ مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں
دو جہاں مثل دانہ خردل
اس کی مجلس میں آہوا ہے کھڑا
صف آخر میں جو ہر اول
گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب
آسماں جائیں مثل موم پگھل
دیکھ اس کے جلال وعظمت کوں
بادشاہاں کا رنگ ہے دنگل
گر کرے بحر پر غضب کی نظر
ماہیاں جائیں جل کے بہتر جل
اس فصاحت اگے دسے مجکوں
نطق سحباں عبارت مہمل

کاملاں سوں سنا ہو یہ نکتہ
عشق اس کا ہے ہادی اکمل

نام اس کا ہے حرز ہر مومن
یاد اس کی ہے دافع کلول

دیکھ اس زلف و مکھ کوں بے جا ہے
بحر اور بر ہیں عنبر و صندل

بعد اس آفتاب انور کے
چار ہیں اہل علم و اہل عمل

صاحب صدق و عدل و علم و حیا
ایک سوں ایک اکمل و افضل

ان کو اصحاب میں سباقت ہے
دین کو جو کئے قبول اول

میں دُجے وہ کہ دین کے بل سوں
کفر کے دست و پا کوں کینے شل

ہیں تجھے وہ کہ جن کے تو ہو سوں
رنگ پکڑا کلام عزّو جل

نعت حضرت خیر البشر
صلے اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

یا محمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کوں لازم ہے جی کو تجھ پہ قربانی کرے

وہ اچھے آزاد جو بازار میں تجھ حسن کے
بندگی میں آپ کو جیوں ماہ کنعانی کرے
زینتوا الحانکم کا گر سنے داؤد ناد!!
ہو وے خوش، دربار پر تیرے خوش الحانی کرے
فرح تجھ رحمت کی کشتی باج کہیں پاوے نہ تھا
تجھ غضب کا گر سمندر جوش طوفانی کرے
رتبۂ عالی میں دیکھے حق نزدیک اپنا کلام
گر کلیم اللہ آتیری ثنا خوانی کرے
جسم کو ست روح سوں آوے بہت مشتاق ہو
گر تری امت خلیل اللہ کی مہمانی کرے:
تب مسیحا فقر کے خط کوں سکھے کا تجھ نزدیک
مشق کرنے فقر کی جب لوح پیشانی کرے
جس مکاں میں ہے تمہاری فکر روشن جلوہ گر
عقل اول آ کے وہاں اقرار نادانی کرے

ہم یہاں نمونہ کے طور پر ولی کی مثنوی سے جو اس نے شہر سورت پر لکھی ہے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔ اور اس دور کے شعراء کو توجہ دلانا چاہتے ہیں دور اوّل کے شعراء... کن کن امور کا خیال رکھتے تھے۔ اگر وہ نظموں کی طرف راغب ہو جاتے۔ تو کیا کچھ کمال نہ ظاہر کرتے۔ دیکھئے ولی نے حسب ذیل اشعار میں شہر سورت کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ تشبیہات اور استعارات کے ایچ پیچ میں نہیں پڑا۔ سیدھے طریقہ سے اور سادگی کے ساتھ جو خصوصیات سورت تھیں بیان کر دیا ہے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد

تھے ۔ انکا طرزِ معاشرت کیا تھا ۔ انکی بڑی بڑی عمارتیں کیا تھیں ۔ یہ عہد عالمگیر تھا جب ولی نے یہ مثنوی تصنیف کی ۔ آج اگر آپ کسی شہر کی تعریف میں کوئی نظم دیکھیں گے تو مشکل سے آپ کو اس شہر کی خصوصیات کا اندازہ ہو سکے گا ۔ ہاں اس نظم میں زمین و آسمان کے قلابے ضرور ملا دئے جائیں گے اور تعریف کے پل باندھ دیئے جائینگے مگر اصلیت کا پتہ نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو ایسا جیسے دریا کے مقابل میں ایک قطرہ یا تشبیہات و استعارات میں اصل شئی ایسی گم ہو جائے گی کہ گویا تھی ہی نہیں

عجب شہراں میں ہے پر نور یک شہر
بلاشک وہ ہے جگ میں مقصد دہر

رہے مشہور اس کا نام سورت
کہ جاوے جس کے دیکھے سب کدورت

جگت کی انکھ کا گویا ہے یہ نور
اچھو اس نور سوں ہر چشم بد دور

شہر جیوں منتخب دیوان ہے سب
ملاحت کی وہ گویا کہاں ہے سب

سرج سن آب اس کی جگ میں کانپا
سمندر موج زن رگ رگ میں کانپا

کنارے اس کے اک دریائے تپتی
کہ دنیا دیکھنے کوں اس کے تپتی !

کیا سب تن خجالت سوں یہ جیوں عرق
ہوا دریا اپس کے عرق میں غرق

شہر سوں ہے وہ ہم بازو ہمیشہ
دریا سوں ہے وہ ہم پہلو ہمیشہ

کہ آبِ خضر کی ہے اس میں تاثیر
ہوا دیتی ہے اس کی یاد کشمیر

وہاں اشنان جب کرتا ہے عالم
صبح ہور شام جب کرتا ہے عالم

عجب قلعہ ہے وہاں اک با قرینہ
انگوٹھی میں دنیا کے جیوں نگینہ

نزک قلعے کے بارا گھات ہے وہاں
کہ دائم گلرخاں کی بات ہے وہاں

رہے اس حاشیے پر جائے آرام
طلسمی باغ وہاں ہوتا ہے ہر شام

اے بلبل پاک بینی سوں نظر کر
کثافت کی نظر سوں بس حذر کر

کھلے ہیں ہر طرف رخسار کے گل ؛
ہر ایک گل کے نزک وہاں پر ہے سنبل

جو کوئی دیکھا ہے ان کا باغ رخسار
ہوا اک دید میں وہ محو دیدار

جو ہیں وہ محض تصویرات اخلاص ! !
سو عاشق پروری میں وہ مجھ میں خاص

کہاں ہے ساقی اخلاص انگیز
محبت کی کرے سے مجھ اپر ریز

صفائی سوں کھلے مجھ جیو کا باغ !
کروں اس قدر دہر کوں مرہم داغ

ہے دسورت حقیقت کی نشانی
کہ ہیں معمور و ہاں اہل معانی

شرافت میں یہ ہے جیوں باب مکہ
تو ہے سب ملک پر اس کا جو سکہ

اگر دیکھے ہیں لوگاں شام و تبریز
نہ دیکھا کوئی ایسا ملک زرخیز

کہ اس بہتر کتنے ہیں ایسے تجار
کہ قاروں کو نہیں انکے زک بار

انی آتش پرستاں کی ہے بستی
سکھے نمرود واں آتش پرستی

فرنگی اس میں آتے ہیں کلہ پوش
عدد و ہاں جنکی گنتی میں ہے بیہوش

وہاں ساکن اتے ہیں اہل مذہب
کہ گنتی میں نہ آویں انکے مشرب

اگرچہ سب ہیں ابنائے آدم
و لے بینش میں رنگا رنگ عالم

بھری ہے سیرت و صورت سوں سورت
ہر اک صورت ہے وہاں انمول صورت

ختم ہے امرداں پر رو صفائی
و لے ہے بلکشتر حسن نسائی

سبھا اندر کی ہے ہر اک قدم میں
چھپا اندر سبھا کو ہے عدم میں
کشن کی گوپیاں نہیں ہے یہ نسل
رہیں سب گوپیاں وہ نقل یہ اصل
زلف اور مکھ کے طالب سوں پوچھو بات
جسے ہر دن ہے عید، ہر رات شبرات
ہزاراں اس سبب شیدا ہیں بول
کہ ہیں وہاں غنچہ لب دائما گل !
نہ کی وقت سوں کھینچے شوخ چنچل
وہ مکھ کے باغ کن دیوار آنچل
نظر بھر کر دیکھو ہر گل بدن کوں !
کہ ہے پردے سوں بے پرواان کوں
رہے وہاں عاشقاں کوں عام آواز
کہ نہیں پردہ بغیر از پردۂ ناز !
کسی کوں نہیں نظر بازی بنا چین
کھلے ہیں رات دن سب غرفہ نین
ہر اک لب میں سو جیوں یاقوت انمول
کرے وہ بات جب میٹھے لباں کھول
وہ باتاں نہیں سراپا ہے مٹھا قند
کہ جن باتاں اپر ہے نیشکر بند
پڑا شیراں بچن سن انکے بس جو
پھنسا اس شہد میں جا کر مگس ہو

ہوا ان کوں فلک کا م دشوار
رہا تھا آخری دم تک گرفتار

شہر بھیتر جو آوے نہاں کا دن
ہندو کی قوم کے اشنان کا دن

ہر اک جانب دکھوں میں فوج در فوج
تجلی کے سمندر کی اٹھے موج

نین کی بیٹھ کشتی پر تو اے پاک
پرطے کر سیج ہیں موج خطرناک

مہرباں ہو کے اے ساقی کوثر
کرم سوں کشتی سے مجھ کوں دے بھر

ایس کے لطف سوں کردے عطا مے
جو اس نشئے میں دریا کوں کروں طے

عبث باتاں ہیں بس کر اے (ولی) تو
نہ کر مقصد سوں اپنے کاہلی تو

ولی نے فراق گجرات کے موضوع پر جو غزل لکھی ہے اسکے چند شعر یہ ہیں :-

گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل
بے تاب ہے سینے منے آتش بہار دل

مرہم نہیں ہے اس کے زخم کا جہاں منیں
شمشیر ہجر سوں جو ہوا ہے فگار دل

اس سیر کے نشئے سوں اول تر دماغ تھا
آخر کوں اس فراق میں کھینچیا خمار دل

میرے سینے میں آکے چمن دیکھ عشق کا
ہے جوش خوں سوں تن میں مرے لالہ زار دل
ہجرت سوں دوستاں کے ہوا جی مرا گداز
عشرت کے پیرہن کو کیا تار تار دل
ہر آشنا کی یاد کی گرمی سوں تن منیں
ہر دم میں بے قرار ہے مثل شرار دل

ذیل میں کلیات ولی سے منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں۔ ؎

الٰہی رکھ مجھے تو خاک پا اہل معانی کا
کہ کھلتا ہے اسی صحبت سے نسخہ نکتہ دانی کا

نہیں سنتا کوئی احوال میری دلفگاری کا
کہوں کس سوں گریباں چاک کر دکھ بیقراری کا

پایا ہے جو کوئی دولت فقر
مشتاق نہیں سکندری کا

آج تیری نگہ نے مسجد میں
ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا

گر ہوا ہے طالب آزادگی
بندمت ہو سبحۂ و زنار کا

مسند گل منزل شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

دریا میں بیم کے یہاں گرداں ہے کشتیِ عقل
اس موجِ شعلہ زن میں کیا آسرا ہے خسر کا

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسن بے حجاب اسکا
بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اسکا

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروشِ دل کی کیفیت
برنگ ابر دریا بار ہے رو ماں عاشق کا

آئینہ تجھ سے ہو کے ہم زانو
حیرت افزا ہوا ہے گلشن کا

ہر ذرہ اس کی چشم میں لبریز نور ہے
دیکھا ہے جس نے حسن تجلّی بہار کا

طاقت نہیں کسی کو جو یک حرف سن سکے
احوال گر کہوں میں دل بیقرار کا

نہ یاد دین کی لذت جیسے دنیا کی ہے خواہش — قفل ہے لذت دنیا حقیقت کے خزانے کا
حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد — طالبِ عشق ہوا صورتِ انساں میں آ
نقشِ دیوار کیوں نہ ہو عاشق — حیرت افزا ہے بیوفا کی ادا
موسیٰ اگر جو دیکھے تجھ نور کا تماشا — اُس کوں پہاڑ ہووے پھر طور کا تماشا
تجھ حسن عالمتاب کا جو عاشق و شیدا ہوا — ہر خوبرو کے حسن کے جلوہ سوں بے پروا ہوا
نشۂ سبزۂ خط خوباں سے — والیِ عالمِ خیال ہوا
طاقت نہیں کہ حشر میں ہووے وہ دادخواہ — جس بے گنہ پہ تیری نگہ سوں ستم ہوا
بے منت شراب ہوں سرشار انبساط — تجھ نین کا خیال مجھے جام جم ہوا
جو دلی ہے مرجع ہر جزو و کل — وہ مرا مقصود جان و تن ہوا
گر نہیں ہے خنجر بیداد خوباں کا شہید — دامنِ صد چاک گل کس واسطے پر خوں ہوا
بیکسی کے حال میں یک آن میں تنہا نہیں — غم ترا سینے میں میرے ہمدم جانی ہوا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا! — شاید کہ میرا حال اُسے یاد نہ آیا
سینۂ بلبل و قمری کو کیا محشر درد — جب کہ اس سرو نے سیر گل و شمشاد کیا
دل میں جب عشق نے تاثیر کیا — فرد باطل خط تدبیر کیا
غمزۂ شوخ نے بہ نیم نگاہ — کام عشاق کا تمام کیا
باعث نشۂ دو بالا ہے — حسن صورت کے ساتھ حسنِ ادا
کم نما ہے نوجواں میرا برنگِ ماہ نو! — ماہ نو ہوتا ہے دائم اے عزیزاں کم نما
تماشا دیکھ اے لیلیٰ کہ تیرے غم کی گردش سوں — بگولے کی طرح پھرتا ہے مجنوں خوار ہر جانب
خلاصی کیوں کہ پاوے بلبل دل — نگاہ مہرباں ہے دام صیاد
ہوں گرچہ خاکسار دلے از رہِ ادب — دامن کوں تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

زاہدا اگرچہ فہم میں ہے بو علیِ وقت   میرے سخن کے رمز کو پایا نہیں ہنوز

پڑی جو نظر چشمِ دلبر طرف   ہوا ہوش یکبارگی برطرف

ولی شعر میرا سراسر ہے درد   خط و خال کی بات ہے خال خال

معشوق کوں ضرر نہیں عاشق کی آہ سوں   بجھتا نہیں ہے بادِ صبا سوں چراغِ گل

چوں گل شگفتہ رو ہیں سخن کے چمن میں ہم   جیوں شمع سربلند ہیں ہر انجمن میں ہم

صنم کے لعل پر وقتِ تکلّم!   رگِ یاقوت ہے موجِ تبسّم

سمجھ کر بات کر اے مرد ناصح   نصیحت عاشقوں پر ہے تحکّم

سختی کے بعد عیش کا امیدوار رہ   آخر ہے روزہ دار کو اک روزِ عید بھی

ظلمات میں یہ غم کے ملے گا تجھ آبِ خضر   دامن تلے ہے رات کے روزِ سفید یہاں

خوبی اعجازِ حسنِ یار اگر افشا کروں!   بے تکلّف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

کیا ہوں ترک نرگس کا تماشا   طلب گار نگاہ باحیا ہوں!

فرہاد لکھا صورتِ معشوق حجر پر   ہیں صورتِ دلبر دلِ شیدا پہ لکھا ہوں

آوے اگر وہ شوخ ستمگر عتاب میں   جراٴت جواب کی نہ رہے آفتاب میں

جو ہے تیرے دہن میں رنگ و خوبی   کہاں یہ رنگ، یہ خوبی کلی میں

عشاق مستحقِ ترحم ہیں اے عزیز   ان کے شکستہ حال پہ سختی روا نہیں

زندگی جامِ عیش ہے لیکن   فائدہ کیا اگر مدام نہیں

صدق ہے آبِ رنگِ گلشنِ دین   پاکبازی ہے شمعِ راہِ یقین

گل و بلبل کا گرم ہے بازار   اس چمن میں جدھر نگاہ کرو

حالِ دل پر دکی کے اے جاناں   نظرِ لطف گاہ گاہ کرو!

میری طرف ساغر بکف آیا ہے وہ مستِ حیا   اے دل تکلّف برطرف مستانہ ہو مستانہ ہو

کیا مجھ عشق نے ظالم کو آب آہستہ آہستہ   کہ آتش گل کو کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ سلہ

ولی کے مزید ... کچھ اشعار ملاحظہ ہوں

تو نوا حبا بنا فاین طریق
جانو اس راہ کوں ہیں کر تحقیق

تجھ دہن کا کلام سو بوجھے !!
حق نے بخشا ہے جس کوں فکر عمیق

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ !

مدرس مدرسے ہیں گر نہ دیوے درس درشن کا
تو اس کو عاشقان استاد کامل کر نہیں گنتے !

خیال خام کوں جو کئی کہ دھووے صفحہ دل سوں ل
تصور کے مطالب کوں وہ مشکل کر نہیں گنتے

جو بسمل نہیں ہوا تیری نگہ اکی تیغ کا بسمل !!
شہیداں جگ کے اس بسمل کوں بسمل کر نہیں گنتے

بزرگاں کن جو کئی اپنے کوں ناداں کر نہیں گنتے
سخن کے آشنا ان کو سخنداں کر نہیں گنتے

گریباں جو ہوا نہیں چاک بے تابی کے ہاتھوں سوں
گلے کا دام ہے اس کوں گریباں کر نہیں گنتے

عجب کچھ بوجھ رکھتے ہیں سرآمد بزم معنیٰ کے
تواضع نہیں ہے جس میں اسکو انساں کر نہیں گنتے

(ولی) راہ محبت میں وفاداری مقدم ہے
وفا نہیں جس میں اس کو اہل ایماں کر نہیں گنتے

لہ مرآۃ الشعراء ۔

شیخ جمال الدین

م ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء

شیخ جمال الدین بن رکن الدین عمری چشتی ۔ یکے از مشائخ کبار ۔ آپ کی پیدائش احمدآباد میں ہوئی ۔ اپنے والد ماجد سے علوم دین اور راہ سلوک کو اخذ کیا پھر درس و تدریس میں لگ گئے ۔

آپ نہایت صالح کریم النفس عبادت گذار اور طلبہ و فقراء پر احسان کرنے والے تھے ۔ تدریس کے ساتھ میدانِ تصنیف کے بھی شہ سوار تھے ۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف فرمائی ۔

۱ ۔ حاشیہ بر شرح کافیہ ۲ ۔ حاشیہ بر المنہل الصافی ۳ ۔ حاشیہ بر زبدہ ۴ ۔ حاشیہ بر شرح شمسیہ ۵ ۔ حاشیہ بر مطول ۶ ۔ حاشیہ بر شرح عقائد ۷ ۔ حاشیہ بر حاشیہ الخیالی ۸ ۔ حاشیہ بر مختصر المعانی ۹ ۔ حاشیہ بر تفسیر المدارک ۱۰ ۔ حاشیہ بر بیضاوی ۔ ۱۱ ۔ حاشیہ بر تفسیر محمدی ۱۲ ۔ حاشیہ بر تفسیر حسینی ۱۳ ۔ تفسیر نصیری ۱۴ ۔ فتح الجمال ۱۵ ۔ شرح مثنوی معنوی ۱۶ ۔ شرح سوانح جامی ۱۷ ۔ شرح جام جہاں نما ۱۸ ۔ شرح فصوص الحکم ۱۹ ۔ شرح اسمار الاسرار ۲۰ ۔ شرح مرآۃ العارفین ۲۱ ۔ شرح التعرف ۲۲ ۔ شرح عوارف المعارف ۲۳ ۔ شرح آداب المریدین ۲۴ ۔ شرح اسرار الخلوۃ ۲۵ ۔ شرح بحر الاسرار آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۴۲ بیان کی جاتی ہے ۔ ۱۱۲۴ھ میں رحلت فرمائی ۔ احمدآباد میں دفن ہوئے ۔

قاضی عبدالرسول

متوفی ۱۹ ر شوال ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۴ ر دسمبر ۱۷۱۸ء

قاضی عبدالرسول بن ابو محمد بن عبدالوارث ابن ابو محمد بن عبدالملک بن اسماعیل بن شہاب الدین بن حسام الدین عثمانی کپڑونجی۔

علمائے صالحین میں سے تھے۔ کپڑونج میں آپ پیدا ہوئے۔ جو احمد آباد سے تقریباً بیس میل کی مسافت پر مغرب کی جانب واقع ہے۔ آپ نے شیخ احمد بن سلیمان سے علم حاصل کیا۔ اسی طرح شیخ نصیر الدین بن عبدالماجد علوی سے بھی پڑھا۔ اور قرأت وتجوید شیخ فرید الدین سے پڑھی۔ اور طریقت شیخ عبدالماجد سے حاصل کی جو شیخ وجیہ الدین علوی کے خاندان میں سے تھے۔ پھر آپ نے دہلی کا سفر کیا اور وہاں سے دھولقہ گجرات کی قضا کا منصب لے کر آئے پانچ سال تک اس منصب پر فائز رہے اس کے بعد آپ نے کلکتہ کا اپنے شیخ کے ساتھ سفر کیا مگر عالمگیر سے جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ کو احمد نگر کی قضا سونپی گئی اور اخیر تک اسی کو انجام دیتے رہے مگر درس و تدریس بھی آپکا ہمیشہ مشغلہ رہا۔ ۱۹ ر شوال ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۴ ر ستمبر ۱۷۱۸ء کو پیر کی شب میں آپ نے انتقال فرمایا۔ [1]

مولانا عبداللہ بلگرامی

م ۱۱۳۲ھ مطابق ۱۷۱۹ء

شیخ عبداللہ حسین بلگرامی۔ یکے از فقہائے حنفیہ، ولادت اور نشو ونما بلگرام میں ہوئی۔

---

[1] دستور العلماء۔ نزھۃ الخواطر ۲۷۲ صفحہ ۶/۵۔

قرآن مجید اور چند بنیادی کتابوں کی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی۔ پھر آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور قاضی علیم اللہ لکھنوی سے درسی کتابیں پڑھیں اور پھر ان ہی کی خدمت میں رہ کر مختلف فنون میں بالخصوص فنون حربیہ میں مہارت حاصل کی۔

پھر آپ نواب سربلند خاں التونی کے مقرب ہو گئے۔ نواب نے آپ کو دیوان المظالم کی تولیت سپرد کی اور اس کے بعد احمد آباد کی صدارت آپ کے حوالہ کر دی احمد آباد میں آپ نے شیخ اسد اللہ علوی سے جو شیخ وجیہہ الدین کے پوتے ہیں شرح مواقف پڑھی اور ہدایۃ الفقہ شیخ قوام الدین سے پڑھی پھر شیخ نور الدین احمد آبادی سے روحانی تعلق قائم کر لیا۔ آپ کی وفات ۱۱۳۲ھ/۱۷۱۹ء کو بلگرام میں ہوئی۔ [1]

مآثر الکرام میں آپ کے حالات ذرا تفصیل سے ملتے ہیں۔ علامہ بلگرامی فرماتے ہیں کہ؛ آپ کا تعلق بھی بلگرام کے ان سادات سے ہے جو محلہ میدان پورہ کے رہنے والے خاندانوں میں سے کسی نہ کسی ایک خاندان سے وابستہ ہیں۔ آپ علوم عربی و فارسی اور ہندی میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ درسیات کی تعلیم میں آپ قاضی علیم اللہ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ فن تحریر اور خوش نویسی میں آپ سات قسم کے خط میں مشاق اور ماہر تھے۔ فن سپہ گری اور اسلحہ کے استعمال کے علم و ہنر میں نیز جنگی ہتھیاروں کے بنانے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ کاغذی پھولوں کے بنانے میں بھی آپ کو اچھی مہارت تھی۔ آپ نے تمام عمر بڑی عزت اور شان کی زندگی بسر کی اکثر نواب مبارز الملک سربلند خاں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ بسلسلہ ملازمت آپ فوج کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

شیخ قوام الدین احمد آبادی نے فقیر (مؤلف) سے بیان کیا کہ جب سربلند خاں تونی پہلی بار ۱۱۲۴ھ میں صوبہ احمد آباد کے ناظم مقرر ہوئے تو انہوں نے سید

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ج ۶ ص ۳۱۹ صفحہ ۱۲۸۔ [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

عبداللہ کو صدارت کا عہدہ مرحمت فرمایا۔ سید عبداللہ نے ریاست کے وظیفہ خواروں اور جاگیرداروں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔ غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ بڑا احسان و اکرام کیا۔ سید عبداللہ بہت اعلیٰ درجہ کی علمی استعداد کے مالک تھے۔

شاہ اسداللہ نے جو شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے پوتے اور سجادہ نشین تھے سید عبداللہ کی خدمت میں "شرح مواقف" کا ایک نسخہ پیش کیا۔ اور میں نے فقہ کی کتاب "ہدایہ" حاصل کی۔ میرے ہی توسط سے مولانا نورالدین اور سید عبداللہ کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہوئے۔

میں نے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ نے محمد اعظم شاہ کے دورِ حکومت میں فلاں فاضل کو دعوت دے کر بلایا تھا۔ اور اسی موقع پر علمی بحث ومباحثہ شروع ہوگیا تھا جس کا اختتام شکر رنجی اور کدورت پر ہوا۔ اب آئندہ آپ ایسا نہ کریں۔ یہی بات میں نے سید عبداللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوکر کہی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ تم ایسی بات زبان پر کیوں لائے۔ علمی ذکر اور مباحثہ میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تو فائدہ پہنچانے اور حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ سید عبداللہ مولانا کے گھر پر تشریف لائے۔

لہ نواب مبارز الملک سربلند خاں تونی، میر محمد رفیع نام تھا۔ تون کے رہنے والے تھے جو ایران کا ایک شہر ہے۔ خلد مکاں کے زمانہ میں اپنے والد مرزا محمد افضل عرف مقتدر رے خاں کے ساتھ ایران سے ہندوستان آئے۔ والد کی وفات کے بعد اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ مختلف اعزازات کے حامل ہوئے بادشاہی لشکر کے ایک امیر روح اللہ خاں بخشی کی لڑکی ہدیہ بیگم سے نکاح کیا چونکہ ہدیہ بیگم سلطان کی بیوی عائشہ کی بہن تھی اسلئے خلد مکاں کے زمانہ میں شاہزادہ کی جانب سے سربلند خاں کے خطاب سے نوازے گئے۔ پھر مختلف حالات سے گزر کر گجرات کی صوبہ داری کے منصب پر فائز ہوئے ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ کے آنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ تاریخ مظفری میں انکا سال وفات ۱۱۵۴ھ تحریر ہے۔ (مآثرالامراء)

دہاں انہوں نے علمی بحث شروع کردی اور اس انداز وحکمت سے گفتگو کی کہ مولانا اور مجلس میں موجود تمام حضرات بے حد مسرور ہوئے۔ اور سب نے سید صاحب کی بڑی تعریف کی۔ آخرکار "دارالخلافہ شاہجہاں آباد" میں مرض استسقاء میں مبتلا ہو گئے۔ اور وہاں سے سید عبداللہ بلگرام آئے اور چند ہی دنوں کے بعد آپ انتقال فرما گئے "باغ محمود" کے مغربی سمت اپنے قبیلہ کی دوسری قبور کے درمیان دفن کئے گئے۔
آپ کا انتقال ۱۱۳۲ھ میں ہوا۔

شیخ عبدالرزاق بانسوی

متوفی ۵ رشوال ۱۱۳۶ھ بمطابق ۲۶ رجون ۱۷۲۴ء

عارف وزاہد شیخ عبدالرزاق بن عبدالرحیم حسینی بانسوی قادریہ سلسلہ کے کبارِ مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کا مولد ومنشاء "بانسہ" ہے آپ نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور فارسی کے بعض مختصر رسائل پڑھے۔ پھر آپ نے ردولی کا سفر کیا۔
علم کے حصول کا یہ آپ کا پہلا سفر تھا کہ اچانک راستے میں رجالِ غیب میں سے کسی کی ملاقات ہوئی تو اس نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ میں کونسی کتاب ہے آپ نے فرمایا کہ "یوسف زلیخا" اس رجل غیبی نے کہا کہ آپ کو "یوسف زلیخا" کی کوئی ضرورت نہیں اپنے گھر چلے جایئے اور وہیں رہیئے۔ پھر اس رجل غیبی نے آپ کی طرف ایسی نگاہ کی کہ جس نے بڑا اثر پیدا کیا۔ اور آپ کے دل میں صوفیاء اور ان

کے طریقے کی محبت گھر کر گئی ۔ اس لئے آپ نے تمام مشغلوں کو چھوڑا اور اپنے گھر بالسہ آکر ایک عرصہ تک وہیں مقیم رہے ۔ مگر مجبوراً روزی کی طلب میں آپ نے دکن کا سفر کیا اور سات سال وہاں مقیم رہے ۔ پھر "بالسہ" واپس لوٹے نکاح کیا ۔

اس کے بعد آپ نے گجرات، احمد آباد کا سفر کیا وہاں سید عبدالصمد خدانما سے ملاقات ہوئی ۔ ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور طریقت ان سے حاصل کی اور ان کے انتقال کے بعد اپنے گاؤں "بالسہ" میں مسند ارشاد کو زینت بخشی ۔

آپ بڑے صاحب کشف و کرامات تھے ۔ آپ سے طریقت میں استفادہ کرنے والے شیخ نظام الدین بن قطب الدین سہالوی اور آپ کے بھائی محمد رضا نیز آپکے بھتیجے احمد، عبدالحق اور آپ کے چچازاد بھائی کمال الدین بن محمد دولہ فتح پوری، اور اسماعیل بن ابراہیم حسینی وغیرہ حضرات ہیں آپ کی وفات بروز بدھ ۵ رشوال ۱۱۳۶ھ میں محمد شاہ دہلوی کے دور میں ہوئی انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف ۸۸ برس تھی ۔ [1]

مآثر الکرام میں آپ کے حالات یوں مذکور ہیں کہ "بالسہ ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے لیکن اصلاً آپ کا تعلق قصبہ محمود آباد سے تھا جو بالسہ کے قریب ہے انکے والد کی شادی خاندان قدوائی میں کسی شیخ کی صاحبزادی سے ہوئی جو بالسہ میں رہتے تھے ۔ شاہ عبدالرزاق ان ہی عفیفہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور والدہ کی وراثت کی بنا پر بالسہ میں وطنیت اختیار کر لی ۔ ابتداء میں ملازمت آپکی وجہ معاش تھی ۔ آخر میں ملازمت چھوڑ کر ایک مدت سیاحت میں بسر کی ۔ اور احمد آباد گجرات کے مضافات میں شاہ عبدالصمد خدانما قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا ۔ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے ۔ اور مقصد اعلیٰ کے حصول

---

[1] مناقب رزاقیہ، نزہۃ الخواطر صـ ۱۴۹ ج ۶ ۔

میں کامیاب ہوئے۔ پھر وطن مالوف کو مراجعت کی۔ ہمیشہ دنیاداروں کا لباس پہنتے تھے۔ اور زراعت میں محنت کرکے کسبِ حلال کے ذریعہ روزی حاصل کرتے تھے چونکہ فقر کی روشن نشانیاں آپ میں موجود تھیں۔ لہذا ادنیٰ اور اعلیٰ سب ہی طرح کے لوگ آپ کے منقاد و مطیع تھے۔ بلکہ علماء و فضلاء بھی آپ کے ارادت مند اور آپ کے حاشیہ بردار تھے اگرچہ بالکل امی تھے لیکن آیاتِ قرانی کو بے تکان پڑھکر ان کی عجیب و لطیف تفسیر بیان فرماتے تھے اور ایسے حقائق و معارف بیان فرماتے تھے کہ دانش مندوں کو حیرت ہوتی تھی۔ انکی وفات ۵ شوال ۱۱۳۶ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک قصبہ بالسمر میں زیارت گاہ عوام خواص ہے۔

شیخ جمال اللہ بلگرامی

م ۱۱۳۸ھ بمطابق ۱۷۲۵ء

شیخ جمال اللہ حنفی بلگرامی شیخ الہ داد صدیقی کی اولاد سے تھے۔ آپ کی ولادت اور نشو و نما بلگرام میں ہوئی۔ اور زمانہ کے اساتذہ سے علم حاصل کیا پھر آپ درس و تدریس میں لگ گئے۔ کتابوں کے مطالعہ میں بڑا اشتغال تھا۔ آخر عمر میں احمد آباد عازم سفر ہوئے اور وہاں آپ بیمار ہو گئے۔ آپ کا انتقال بڑودہ میں ۱۱۳۸ھ ۱۷۲۵ء کو ہوا۔ نور اللہ مرقدہٗ [1] آپکی عمر تقریباً پچپن برس ہوئی

صاحبِ مآثر الکرام آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ! بلگرام کے فرشوری شیوخ میں محلہ میدان پورہ کے رہنے والے ہیں۔ اور قاضی اللہ داد قدس سرہٗ کی اولاد میں ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ آپ انتہائی با اخلاق اور منکسر المزاج، سوز و گداز اور دلِ دردمند رکھنے والے شخص تھے۔ خداوند کریم نے آپ کو علم

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی صفحہ ۱۱۹ جلد ۶۔

وفضل کا بھی بہت بڑا سرمایہ عطا فرمایا تھا۔ آپ ہمیشہ کتب بینی اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے مجھ فقیر کی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ نماز کی امامت کے بارے میں "نہرالفائق"[1] اور علم فقہ کی دوسری کتابوں میں فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ: المتیمم عن الجنابۃ اولی بالامامۃ من المتیمم عن الحدث:

پھر فرمایا کہ اگرچہ علماء مجتہدین کا قول ہمارے لئے سند ہے اور یہ قول دلیل رکھتا ہوگا۔ لیکن دل یہ چاہتا ہے کہ اس امر کا علم دلائل عقلی کے ساتھ حاصل ہو جائے میں نے عرض کیا کہ اس وقت ایک دلیل سمجھ میں آرہی ہے کہ حدث اکبر والے شخص کا تیمم، غسل کا قائم مقام ہے۔ اور حدث اصغر والے کا تیمم وضو کے برابر ہے اس لئے طہارت کبریٰ والا شخص، طہارت صغریٰ والے کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ ممکن ہے کہ حدث اکبر والے (یعنی نجاست کبریٰ والے کو) اور حدث اصغر والے (یعنی بے وضو شخص) دونوں کو اس سے پہلے غیر شعوری طور پر جنابت واقع ہوگئی ہو تو ایسی حالت میں طہارت کبریٰ والا شخص اپنی سابقہ اور حالیہ نجاستوں دونوں سے پاک وصاف ہوگیا۔ اور نجاست حکمی کا شک وشبہ

---

[1] شرح کنزالدقائق (فقہ حنفیہ میں جزئیات کی کتاب ہے اور درسیات میں متداول ہے) مصنف شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد معروف بہ حافظ الدین نسفی متوفی ۷۱۰ھ۔ اس کتاب کے شارح مولانا سراج الدین عمر بن نجیم نے متقدمین اور متاخرین کی آراء اور ان کے خیالات کا نچوڑ بڑے اہتمام سے جمع کیا ہے۔ خاص کر زین العابدین بن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ کی کتاب بحرالرائق کی تلخیص کی ہے۔ یہ شرح کتاب الطہارۃ سے کتاب القضاء کے باب الحبس تک تحریر کی گئی ہے۔ (کشف الظنون) کنزالدقائق کی متعدد شرحیں ہیں ان میں ایک فخرالدین زیلعی متوفی ۷۴۳ھ کی شرح ہے جو تبیین الحقائق کے نام سے موسوم ہے۔ دوسری شرح: رمزالحقائق، قاضی بدرالدین محمد بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ (کشف الظنون)

اس سے دور ہو گیا ۔ اور طہارت صغریٰ والا شخص اس مشکوک نجاست حکمی سے دور نہیں ہوا ۔ ایسی صورت میں جب کہ ایک شخص جنابت (نجاستِ کبریٰ) کا غسل کر چکا ہو اور دوسرے شخص نے حدث اصغر کو دور کرنے کے لئے صرف وضو کیا ہو تو ان دونوں اشخاص میں سے نجاست حقیقی کے امکان اور احتمال سے وہی شخص دور اور طاہر ہوگا جس نے غسل کیا ہے ۔

حضرت شیخ جمال اللہ قدس سرہٗ اپنی عمر کے اواخر میں احمدآباد (گجرات) کی طرف چلے گئے اور بڑودہ کے شہر میں جو گجرات سے چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے پہنچ کر بیمار پڑ گئے ۔ ۱۱۳۰ھ میں بعمر تقریباً پچپن سال وصال فرمایا اور وہیں دفن بھی کئے گئے ۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنی

م ۲۸ رصفر ۱۱۲۲ھ بمطابق ۱۷۱۰ھ

آپ کا نام محی الدین لقب یحییٰ مدنی اور کنیت ابو یوسف ہے ۔ آپ کے والد گرامی کا نام شیخ محمود تھا ، جن کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ کمال الدین علامہ تک یوں پہنچتا ہے ، حضرت شیخ محمود بن شیخ حسن محمد بن شیخ احمد میاں جیو بن شیخ نصیر الدین ثانی بن شیخ مجدالدین بن شیخ سراج دین بن شیخ کمال الدین علامہ رح ۔

ولادت :۔ آپ کی ولادت بیس ۲۰ رمضان المبارک ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۶۰۲ء بروز جمعرات ہوئی ۔ فخرالاولیاء میں آپ کی تاریخ ولادت اس طرح لکھی ہوئی ہے ۔

چوں سلطان الولایت شیخ یحییٰ — کہ بروئے از خدا صد آفریں باد
تولد یافت در تاریخ مسعود — سعادت ذات پاکش زآفریں باد

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی رابعہ ہے جو شیخ تاج محمد عرف ملک تاجو کی دختر

نیک اختر تھیں ۔ ان کے آباؤ اجداد قاضی النسب تھے ۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و اشارہ سے احمد آباد سے منتقل ہو کر مدینہ منورہ میں جا کر سکونت اختیار کر لی تھی اسی وجہ سے آپ کو مدنی کہتے ہیں ۔

وصال آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۲۸ صفر ۱۱۲۲ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۷۱۰ء کو رات کے تیسرے پہر کے آخری حصہ میں ہوا ۔ فخر الاولیاء میں سنہ ۱۱۰۱ھ مطابق ۱۶۸۹ء لکھا ہے اور مرات ضیائی میں ۲۷ صفر بھی لکھا ہے مگر پہلی بات زیادہ صحیح ہے ۔

آپ اپنی زندگی کے آخری چودہ سال مدینہ منورہ میں رہے ۔ آپ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں حضرت عثمان غنی کی قبر کے قریب ہے ۔ آپ کے مفصل حالات معارج الولایت فی مدارج الہدایت میں درج ہیں ۔ نیز محمد فاضل بن شیخ فیروز نے بھی جو آپ کے مریدوں میں سے ہیں ۔ ایک کتاب مفتاح الکرامات آپ کے ملفوظات و حالات میں لکھی ہے جس میں آپ کا مفصل ذکر ہے ۔

اولاد :- آپ کی اولاد کافی تھی جو احمد آباد میں رہتی تھی ۔

خلفاء :- آپ کے خلفاء بھی بہت تھے ، مگر آپ کے مشہور ترین خلیفہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی ہیں جن سے سلسلہ چشتیہ آگے چلا ہے ۔ [1]

خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے حالات اس طرح مذکور ہیں کہ ! آپ شیخ اعظم چشتی قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ ظاہری اور باطنی علوم حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت شیخ اعظم قدس سرہ کے مرید ہوئے وہاں ہی طالبان حق کو بیعت کر کے مقاصد اعلیٰ تک پہنچا دیتے ۔ آپ کے بے شمار مرید اہل کمال میں شمار ہوتے تھے ۔

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۸۱، ۸۲ ۔

شیخ رشیدالدین

م ۲ر رجب ۱۲۴۲ھ بمطابق ۲۹ر جنوری ۱۸۲۷ء

شیخ رشیدالدین بن رکن الدین بن حسام الدین بن رکن الدین عمری ۔ چشتیہ سلسلہ کے اونچے مشائخ میں سے ہیں ۔ ۶ر رجب ۱۱۶۸ھ کو احمدآباد میں آپ کی ولادت ہوئی ۔ آپ نے اپنے والد اور گجرات کے دیگر علماء سے علم حاصل کیا ۔ اور آپ نے اپنے والد سے طریقت میں فیض پایا ۔ اسی طرح آپ نے اپنے جدِ امجد سے بھی روحانی فیض حاصل کیا ۔ یہاں تک کہ علم و معرفت میں اپنے اقران میں اور اپنے ہم زمان میں سب سے ممتاز ہوئے ۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں ۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ کی تصانیف تقریباً ڈیڑھ سو ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں ۔

(۱) شرح المثنوی المعنوی (۲) شرح فصوص الحکم (۳) شرح اللوائح (۴) ربیع المعارج (۵) عروۃ الوثقیٰ (۶) مجمع الاولیاء ۔

آپ کا انتقال ۲ رجب ۱۲۴۲ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۸۲۷ء کو احمد آباد میں ہوا ۔ اور احمد آباد ہی میں آپ دفن کئے گئے ۔ [۱]

شیخ علی رضا سرہندی

وفات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ مطابق ۷ جون ۱۷۳۰ء

شیخ علی رضا سرھندی کبار مشائخ چشتیہ سے تھے ۔ آپ نے شیخ یحییٰ بن محمود بن محمد چشتی سے اخذ طریق کیا اور احمد آباد کو مسکن بنایا ۔ آپ بڑے صاحب کشف وکرامات تھے ۔ آپ کی وفات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ مطابق ۷ جون ۱۷۳۰ء میں ہوئی ۔ اور احمد آباد میں مدفون ہیں ۔ نور اللہ مرقدہ ۔ [۲]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں شیخ علی رضا سرہندی کے متعلق لکھا ہے کہ سرہند سے گجرات تشریف لائے اور گجرات کو وطن بنا لیا ۔ آپ اپنے سلسلہ نقشبندی کے بزرگوں سے ارادت رکھتے تھے ۔ اور آپ کو چشتی سلسلہ کی خلافت میاں شیخ چشتی سے ملی تھی ۔ آپ صاحب وجد و حال تھے ۔ اور شب بیدار، عبادت گذار بزرگ تھے ۔ حالانکہ ظاہری رونق و ثروت اور دولتِ ظاہری بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھی تھی ۔ دکن کے اکثر امراء جو فیروز جنگ کے ہمراہ گجرات پہنچے وہ بھی آپ کے مرید اور معتقد ہوئے ۔ ۱۱۴۲ھ یکم ذوالقعدہ کو آپ نے رحلت فرمائی ۔

---

[۱] محبوب ذی المنن ، نزہۃ الخواطر ۳۱۲ صفحہ ۱۷۶/۷ ج ۔ [۲] نزہۃ الخواطر عربی ۳۶۱ صفحہ ۱۹/۶ ج

اور آپکی قبر جوہری واڑہ سے متصل بنائی گئی۔ آپ کے صاحبزادے محمد شاہ بھی صاحبِ علم تھے۔ اور خوش نویس تھے۔ ؎

مولانا محمد صالح

متوفی ۱۶ رجمادی الاولی ۱۱۴۷ھ بمطابق ۱۳ راکتوبر ۱۷۳۴ء

شیخ محمد صالح بن نورالدین ۔ ولادت اور نشو و نما احمد آباد میں ہوئی سبعہ قرأت کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر اپنے والد سے علم دین حاصل کیا پھر فتوی نویسی اور تدریس میں لگ گئے۔ بڑے بڑے علماء نے آپ سے علم حاصل کیا۔ دو مرتبہ دہلی کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ فرخ سیر کے زمانے میں دوسرا محمد شاہ کے عہد سلطنت میں۔ اور دونوں مرتبہ بڑے اکرام و احترام سے نوازے گئے۔ ورع و تقوی میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے۔ اپنے والد کی حیات میں رحلت فرمائی۔ آپکی وفات ۱۶ رجمادی الاولی ۱۱۴۷ھ بمطابق ۱۳ راکتوبر ۱۷۳۴ء کو بہ دہلی میں انتقال ہوا لیکن آپکی میت کو احمد آباد منتقل کیا گیا۔ اور اپنے دادا ملا محمود کے پاس دفن کئے گئے ؎

مولانا غلام محمد

متوفی ۱۱۴۹ھ بمطابق ۱۷۳۶ء

شیخ غلام محمد حنفی ۔ ولادت و نشو و نما احمد آباد میں ہوئی اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ نے لکھنؤ کا سفر کیا اور وہاں شیخ نظام ابن قطب الدین سہالوی سے درسی کتابیں

؎ خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۱۰۰ ؎ نزہۃ الخواطر عربی ۶/۱۴۲ ۔ تذکرہ قاریان ہند ۲/۲۰۶

پڑھیں اور مدت مدید تک آپ کی خدمت میں رہے۔ پھر دہلی کا ارادہ کیا اور وہاں شیخ محمد انور گوپاموی سے ملاقات ہوئی۔ شیخ محمد انور انہیں اپنے ساتھ برہانپور لے آئے۔ ان دنوں شیخ مذکور برہانپور کے والی مقرر ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا غلام محمد کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کرایا اور سالانہ ۳۶ ہزار روپیہ آپ کا وظیفہ مقرر کیا۔ ایک مدت تک آپ نے اس مدرسہ میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ اپنے بیٹے ولی اللہ کو بھی احمد آباد بلاکر اس مدرسہ میں داخل کرا دیا۔

جب آصف جاہ برہانپور آیا تو آپ نے اس کی خدمت میں حاضری نہ دی جس کی وجہ سے وہ ناراض ہوگیا۔ چنانچہ اس نے وظیفہ مقررہ بند کروادیا۔ شیخ محمد انور نے سفارش کرکے وظیفہ جاری کروانا چاہا۔ آصف جاہ نے مولانا غلام محمد کی مہر طلب کی تاکہ وصول رجسٹر پر اس کو ثبت کرے جیسے کہ ان دنوں اس کا رواج تھا۔ لیکن آپ کے پاس کوئی مہر نہ تھی۔ آپ کے ایک شاگرد محمد فاضل نے آپ کے نام کی مہر بنواکر مولانا غلام محمد کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے اسی وقت اس کو توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ نے اپنے بیٹے ولی اللہ کو حرمین شریفین رخصت کردیا ۱۱۴۹ھ/۱۷۳۶ء میں وفات پائی۔[1]

روح الامین خانؒ[2]

م ۱۱۵۱ھ

آپ محلہ قاضی پورہ بلگرام کے عثمانی شیوخ میں سے ہیں۔ آپ کو قدرتی طور پر حضرت روح القدس سے تائید حاصل تھی۔ آپ عربی، فارسی اور ہندی کے

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ج ۶ صفحہ ۲۱۴ ۔ [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپکے پاکیزہ اخلاق اور بلند کردار کی خوشبو سے عوام وخواص کے مشام جان معطر رہتے تھے۔ مزاج میں ظرافت اور لطافت بہت زیادہ تھی۔ زبان سے سلاست وفصاحت کا چشمہ جاری رہتا تھا۔ حافظہ اس قدر زبردست تھا کہ تینوں زبانوں کے ہزاروں اشعار، علمی مسائل سینکڑوں واقعات اور بڑے بڑے قصیدے اور مثنویاں آپکی نوکِ زبان پر تھیں۔ ایسے حاضر جواب تھے کہ جب بھی کسی علم وفن سے متعلق آپ سے سوال کیا جاتا برجستہ جواب دیتے تھے۔

آپ کو سید العارفین میر سید لطف اللہ قدس سرہٗ سے مرید ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ تمام باطنی فضائل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری علم و فضل اور مال ودولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ آپکی فیاضی اور بہادری کی ہر طرف شہرت تھی۔ ہمیشہ فوج ولشکر، علم ونقارہ وطبل کے مالک اور فیل نشین رہے۔ اپنے ہم وطنوں، پڑوسیوں، دوستوں اور دشمنوں سبھی کے ساتھ نہایت اخلاق واحسان سے پیش آتے تھے۔

کچھ عرصہ تک آپ نے صوبہ پنجاب کے دو خاص شہروں سیالکوٹ اور جالندھر کے بائیس پرگنوں کی حکومت کا کام سنبھالا۔ اور کچھ زمانہ تک صوبۂ اودھ کے نائب صوبہ دار کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ آخرکار آپ نے صوبہ اودھ کے ناظم برہان الملک سعادت[۱] خان نیشاپوری کی رفاقت اختیار کر لی۔ اور باوجود ملازمت کے کبھی آپ نے کتابوں سے اپنا تعلق ختم نہیں کیا آخری عمر میں بھی جبکہ آپ کا سن شریف ستر سال سے تجاوز کر چکا تھا۔ آپ نے

حاشیہ بقیہ صــــــ کا ملاحظہ ہو۔ [۲] ابن قاضی محمد سعید اللہ یار خاں شہید کی بہن انکے عقد میں تھیں انکے منظومات کی تعداد تقریباً سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے (مفتاح التواریخ، تاریخ خطہ بلگرام) اس صفحہ کا حاشیہ آئندہ پر

صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی اپنے ہاتھ سے کتابت کی اور ان پر حاشیے بھی لکھے ۔ احادیث نبوی کی خدمت سے آپ کو حد درجہ رغبت و محبت تھی ۔ یہاں تک کہ ذیقعدہ کی ۱۵ ر تاریخ کو منگل کے دن ۱۱۵۱ھ میں ہندوستان کی اس جنگ میں جو ایران کے بادشاہ نادر شاہ کے ساتھ شہر کرنال کے قریب واقع ہوئی تھی ۔ نہایت بہادری کے ساتھ دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور اسی مقام پر دفن کر دیئے گئے ۔

نظام الدین احمد صانع جو انکی اولاد میں سے ہیں فرماتے ہیں ۔ سے
(سات اشعار میں انکی تاریخ وفات تحریر کی ہے ۔ اس کا آخری شعر مطالعہ فرمائیں (آخری)

سال تاریخش نوشتم صوری وہم معنوی — سال ہجرت بد ہزار و یک صد و پنجاہ و یک
۱۱۵۱ھ

اپنی موزونی طبع کے تحت یہ دو اشعار بھی فرماتے ہیں ۔

در سایۂ مژگان رُخ یار است بہ بینید — آسائش گل در تہ خار است بہ بینید
ہر اشک کہ گل کرد ز نوک سر مژگان — منصور صفت بر سر دار است بہ بینید

حاشیہ ص گذشتہ کا سلسلہ انکا نام میر محمد امین تھا ۔ شاہ عالم بہادر شاہ بن خلد مکان کے زمانہ میں ایران سے ہندوستان آئے اور کچھ دنوں نواب سربلند خان صوبہ گجرات کے ساتھ رہے اور محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں رفتہ رفتہ عنایتِ خسروانہ سے نوازے گئے ۔ صوبہ داری گجرات اور اودھ حاصل ہوئی ۔ اور نواب برہان الملک سعادت خاں کا خطاب ملا ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ سے جنگ کے بعد شاہجہاں آباد میں زخموں کی شدت اور تکالیف برداشت نہ کر سکے اور انتقال فرما گئے ۔ شاہ جہاں آباد دہلی میں مدفون ہوئے ۔ (مفتاح التواریخ ، مآثر الامراء)

شیخ حافظ سعد اللہ

م ۱۱ رشوال ۱۱۵۲ھ بمطابق ۱۰ رجنوری ۱۷۴۰ء

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے فرزند و خلیفہ ۔حضرت محمد صدیق کے کامل خلفار میں سے تھے ۔تیس سال تک آپ نے اپنے مرشد کی صحبت اختیار کی اور طریقہ احمدیہ منسوب بہ حضرت احمد سرھندی مجدد الف ثانی میں بلند مقامات حاصل کئے ۔ خانقاہ کے فقرار نے آپ کو سید الصوفیہ کا لقب دیا تھا ۔

بڑے ناز سے فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے پیر کی خانقاہ کا پانی اپنے سر پر اٹھایا ہے جس کی وجہ سے میرے سر کے بال گھس گئے ہیں ۔ بلکہ اللہ کی راہ میں میری آنکھوں کا نور بھی نثار ہوگیا ہے ۔میرے پیر نے مجھے شدید موسم گرما میں احمد آباد بھیجا ۔سورج کی گرمی سے میری آنکھیں بھی بے کار ہوگئیں ۔ خانقاہ کی خدمت کی برکت سے میرے پاس اتنے خادم آئے کہ ان میں سے ہر ایک کو میری خدمت کا موقع نہ مل سکا اور میرے دل کی آنکھیں نور معرفت سے بینا ہوگئیں ۔ اور میرے سر کی آنکھیں غیر کے التفات سے بے پرواہ اور مجھے دائمی مراقبہ حاصل ہے ۔ غیر کا تصور جو ظاہری آنکھوں کے ذریعہ دل میں آتا ہے وہ میرے آئینہ باطن میں راہ نہیں پاسکتا اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر ہے ۔

جب آپ طریقہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے تو ابتدا میں آپ نے عالم رویا میں ایک ایسا شہر عظیم دیکھا جو ولایت کی برکات و انوار سے معمور تھا ۔ اس کے ہر محلہ میں اولیار کے گروہ اقامت گزیں ہیں ۔ ایک مرتبہ اس شہر میں بڑے اولیار کے آنے کی شہرت ہوئی اور ساکنان شہر ان اولیار کے استقبال کے لئے نکلے ۔ آپ نے پوچھا یہ سب کون ہیں ۔کسی نے جواب دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے

کمالات جدیدہ کے اظہار کے لئے ان حضرات کا انتخاب فرمایا ہے اور ان کے سرحلقہ شیخ احمد سرہندی ملقب بہ مجدّد الف ثانی ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان بزرگوں کے اس طریقہ کے حصول کے لئے ریاضات و مجاہدات کئے۔

مرزا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ آپ پر تواضع اور انکساری کا غلبہ تھا۔ لوگوں سے معافی مانگتے ہوئے اپنا سر مبارک ان کے پاؤں پر رکھ دیتے۔

نواب فیروز خاں جنگ نے جو آپ کا مرید تھا۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ سید حسن رسول نما جس کو چاہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرماتے آپ نے فرمایا ہم جس کو چاہیں دوبارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کریں تم آج شب کو فاتحہ پڑھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی طرف توجہ کرو۔ اس نے اسی طرح کیا اور زیارت سے مشرف ہوا اور سو روپیہ ہدیہ مقرر کیا اور دوبارہ فاتحہ پڑھکر سو گیا۔ اور پھر زیارت کی سعادت حاصل کی اور ایک سو روپیہ پھر ہدیہ دینا منظور کیا۔ صبح کے وقت خدمت میں حاضر ہوا اور سو روپیہ نذر کیا۔ آپ نے فوراً فرمایا دوسرا سو کہاں ہے اس نے وہ بھی نذر کر دیا۔

مرزا مظہر جان جاناں رحؒ نے فرمایا کہ آپ علم ظاہری میں مہارت نہیں رکھتے تھے لیکن اپنے پیر کی خدمت کیوجہ سے باطنی نسبت قوی تھی۔ آپ کی خانقاہ میں ایک بلی رہتی تھی جو آپ کے تصرف سے چڑیوں پر مہربان ہو گئی تھی وہ اپنا منہ کھولتی تو اس کے منہ میں گندم کے دانے ڈال دیئے جاتے۔ چڑیاں اس کے منہ سے دانے چن لیتیں۔ آپ کی وفات ۱۱ رشوال ۱۱۵۲ھ (۱۰ رجنوری ۱۷۴۰ء) کو ہوئی۔ آپ کے خلفاء میں شیخ صبغۃ اللہ مشہور ہوئے۔ نوراللہ مرقدہٗ[1]

---

[1] مقامات مظہری صد ۲۴۶۔

محمد سیف اللہ احمدآبادی

م ۱۱۵۳ھ

آپکی تصنیف کا ایک مخطوطہ مولانا ابو ظفر ندوی کی نظر سے گذرا ہے وہ لکھتے ہیں
شرح ظہوری قلمی، مصنفہ محمد سیف اللہ احمدآبادی، خوشخط، خط نستعلیق،
تقطیع متوسط، کرم خوردہ ۱۱۵۳ھ۔ لہ

سید محمد علی

متوفی ۷ صفر ۱۱۵۴ھ مطابق ۱۷۴۱ء

سید محمد علی جادۂ شریعت پر گامزن اور اسرار حقیقت و تصوف سے واقف تھے۔ ہمیشہ ذکر خفی و جلی میں مشغول رہنے والے تھے۔ سید محمد علی کی ولادت احمدآباد میں ہوئی۔ ابتداء جوانی ہی سے دنیائے فانی کو ترک کر دیا تھا۔ اور عزلت اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی تھی۔ آپ جمال پور کے راستہ میں ایک مسجد (جس کو سلطان محمود ثانی کے وزیر افضل خان بنبانی نے تعمیر کروایا تھا) میں مقیم تھے۔ ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ اور حج و زیارت سے بھی آپ تین دفعہ مشرف ہوئے۔ ۱۱۵۴ھ میں ۷ صفر شب یکشنبہ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور مسجد افضل خان بنبانی کے صحن میں آپ کو دفن کیا گیا۔
میر حسام الدین خان نے جنکا تخلص اُمّی تھا آپکی رحلت پر یہ قطعہ کہا۔ ؎

لہ گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۳۹۔

بحر مواج حقیقت مرشدِ روشن ضمیر
پیر اصحاب طریقت سید صاحب وقار
از صفر ہفتم زیک شنبہ قریب نیم شب
کردہ از دار فنا رحلت سوی دار القرار [1]

پیر محمد شاہ

م ۲۶ر جمادی الاولی ۱۱۶۳ھ

پیر محمد شاہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ آپ کے آباء و اجداد بغداد میں رہتے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات ترک سکونت کرکے ہندوستان آ گئے اور بیجاپور میں مقیم ہو گئے۔

آپ کے والد ماجد کا نام امین الدین تھا۔ پیدائش سے پہلے ہی والد رحلت فرما گئے ۱۱۰۰ھ میں بمقام بیجاپور پیدا ہوئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والدہ کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ آپ کی پرورش کی ذمہ داری پھوپھی کے حصہ میں آئی۔

تعلیم بنیادی تعلیم آپ کے عم مکرم سید عبد الرحمٰن کے زیر سایہ ہوئی۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ پھر حرمین شریفین کا عزم فرمایا اور وہاں پہنچکر وہاں کے مشہور اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔

سفر حرمین سے قبل اپنے چچا سید عبد الرحمٰن سے سلوک کی منازل طے کیں اور پھر ان کے مجاز ہوئے۔ اور سلسلہ قادریہ میں لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں آپ کے چچا اور پیر و مرشد نے آپ کو مکہ مکرمہ بغرض علم سفر کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ اس مقصد کے لئے بیجاپور

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۱۰۵۔

سے براہ سورت مکہ مکرمہ پہنچے ۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت زبردست علماء اور مشائخ تھے جو تشنگان علم کی پیاس بجھاتے تھے جن میں یہ حضرات بطور خاص نمایاں خدمات انجام دے رہے تھے ۔ شیخ عبدالرحمٰن بن محمد ذہبی ۔ شیخ مصطفیٰ بن فتح اللہ مکی ۔ شیخ محمد شرنبلالی شیخ تاج الدین بن احمد مکی ۔ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد دمیاطی ۔ شیخ محمد بن سلیمان مغربی ۔ آپ تقریباً چھ سال مکہ مکرمہ میں رہے ۔ اور شیخ عبدالرحمٰن ۔ شیخ محمد بن احمد بن سعید شیخ محمد بن عثمان ۔ شیخ مصطفےٰ بن فتح اللہ مکی کے علاوہ دیگر اساتذہ سے علم حاصل کرتے رہے ۔

مدینہ منوّرہ میں

مکہ مکرّمہ میں چھ سال قیام کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کا سفر فرمایا اور یہاں بھی تقریباً چھ سات سال قیام فرمایا ۔ اس مدت میں آپ ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول رہے اور وہاں کے مشہور علماء و فضلاء سے مستفیض و مستفید ہوتے رہے ۔ جن میں سے حسب ذیل حضرات قابل ذکر ہیں ۔ مولانا احمد یک دست ۔ سید عبداللہ الحدادی ۔ شیخ علی بن ابراہیم شیروانی ، شیخ یوسف بن حطیب مدنی ۔

حرمین شریفین سے واپسی

حرمین شریفین میں طویل قیام اور تحصیل علوم کے بعد آپ واپس ھندوستان تشریف لائے اور احمد آباد میں قیام فرمایا ۔

چلّہ کشی

۱۱۲۲ھ کے آخر میں علامہ وجیہہ الدین علوی (احمد آباد) کے مزار پر چلّہ کشی فرمائی ۔ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش رہے اور حضرت وجیہہ الدین کی روحانیت سے فیض یاب ہوتے رہے ۔

اوصاف

آپ مادر زاد ولی تھے ۔ بزرگوں کی صحبت اور خدمت کو غنیمت سمجھتے تھے توکل اور قناعت شعار تھا ۔ دنیا سے بے رغبتی تھی ۔ ہدایا

قبول نہ فرماتے اور کسی کے اصرار پر فرماتے کہ فقیروں کے کس کام کی جاؤ لے جاؤ۔ علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں سے آراستہ تھے۔

شعروشاعری آپ شعرگوئی بھی فرماتے۔ اردو کے اشعار میں شہید تخلص تھا اور فارسی میں اقدس تخلص تھا۔ فارسی کلام کے کئی مجموعے مرتب ہوئے ہیں۔ آپ کے فارسی اردو کلام کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں سہ

من وجود بے نشان در نشان گرفتارم ہنوز
لامکانم جائے من در جہان بیمارم ہنوز
من بہ جہل کنہ ذات خود درآزارم ہنوز
بر ظہور کنز خویشم عاشق زارم ہنوز

کچھ سکھ نہیں دنیا میں دنیا اب جانا بھلا
دو روز کی دنیا میں جینے سے ہے مرنا بھلا

مدفن کے متعلق پیش گوئی آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی آخری آرامگاہ کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ علامہ وجیہ الدین علوی کے مزار پر نہایت پابندی سے حاضر ہوتے۔ وہاں ایک جھونپڑی تھی۔ اس میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ جب وہ بڑھیا آپ سے جھونپڑی میں تشریف رکھنے کو کہتی تو آپ فرماتے :

"ہاں ہاں جب اس جگہ آؤ نگا تو پھر اسی جگہ رہوں گا"

آپ کے مریدوں کا خیال شاہ موسیٰ سہاگ کے قبرستان میں دفن کرنے کا تھا۔ جہاں آپ کا مزار ہے وہاں آپ کی نماز جنازہ ادا ہوئی۔ لوگوں نے جب وہاں سے جنازہ اٹھانا چاہا تو اٹھ نہ سکا۔ چنانچہ آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔

وصال :- ۲۶ رجمادی الاولی ۱۱۶۳ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور احمد آباد میں آپ کا مزار مرجع خواص وعوام ہے۔ [۱]

گجرات کی تمدنی تاریخ میں ہے کہ "کلام اقدس" کے مصنف حضرت پیر محمد شاہ بیجاپوری ہیں۔ یہ شاعر بھی تھے۔ تخلص اقدس ہے۔ اُردو کے مشہور شاعر ولی گجراتی کے ہمعصر تھے۔ ان کا دیوان نایاب ہے۔ مولانا ندوی نے اس کا ایک نسخہ احمد آباد میں دیکھا تھا۔ دوسرا نسخہ سورت میں سید قمر الدین کے کتب خانہ میں تھا جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ [۲]

نیز آپ کے متعلق لکھا ہے کہ کتاب "کلام اقدس" کے مصنف حضرت پیر محمد شاہ بیجاپوری ہیں جو چالیس برس تک احمد آباد کی جامع مسجد میں معتکف رہے۔ یہ شاعر بھی تھے۔ متعدد نظمیں اردو میں لکھی ہیں۔ ان کا دیوان بہت نایاب ہے۔ تمدنی کارنامے کے مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک مکمل نسخہ احمد آباد میں دیکھا ہے" اور یہ دوسرا نسخہ ہے۔ یہ دیوان ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ [۳]

خاتمہ مرأۃ احمدی میں بھی سید پیر محمد کے حالات ہیں۔ ان سے مراد صاحب ترجمہ ہیں یا اور کوئی یہ معلوم نہ ہو سکا۔ خاتمہ میں لکھا ہے۔ سید پیر محمد۔ اس علاقہ میں تشریف لائے۔ جامع مسجد میں سکونت پذیر ہوئے اور اخیر تک یہیں مقیم رہے۔ آپ سلسلۂ قادریہ سے وابستہ تھے۔

میاں وجیہ الدین سے بھی آپ کو خلافت ملی۔ آپ بھی اصحاب طریقت میں سے تھے۔ اکثر اوقات تلقین وارشاد میں مشغول رہتے۔ گوشہ نشینی اور عزلت کو آپ نے ترجیح دی۔ کسی جگہ آمد ورفت نہیں رکھتے تھے اور تصوف کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا۔ قوم بواہر کے اکثر لوگ سید پیر محمد کے مرید تھے۔

۱؎ تذکرہ صوفیائے گجرات ص۱۴ ۲؎ گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۴۲ ۳؎ تمدنی کارنامے ص۲۹۱۔

اوران سے عقیدت رکھتے تھے ۔ زین العارفین اخوند عبدالعزیز کے صاحبزادے بھی طریق مشیخت اختیار کئے ہوئے تھے ۔ انکی طرف سے زیادتی پر آپکی طبیعت خراب ہوئی اور ۱۱۶۷ھ ، ۲۷ر جمادی الاولی کو آپ نے انتقال فرمایا ۔ اندرون شہر صلاح الدین خان کی حویلی کے متصل آپ کو دفن کیا گیا ۔ [۱]

قاضی نظام الدین

متوفی ۱۲ر ذیقعدہ ۱۱۶۵ھ بمطابق ۲۰ر ستمبر ۱۷۵۲ء

قاضی نظام الدین بن نورالدین بن محمد بن صالح ۔ یکے از علمائے صالحین علمی خاندان میں آپ نے نشو ونما پائی ۔ نہایت ذکی و ذہین تھے ۔ علوم وفنون میں اپنے ہمعصروں سے آگے نکل گئے ۔ فن ریاضی اور شعر وانشا میں خاص مہارت حاصل تھی ۔ ۱۱۵۱ھ میں احمد آباد کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور تادم حیات اسی عہدہ پر فائز رہے ۔

آپ صاحب عزیمت باوقار اور مذہب کے معاملہ میں نہایت سخت تھے شاہ پور کا واقعہ ہے کہ ھندؤں نے ایک مسجد کے سامنے مندر تعمیر کیا اور روزانہ نماز کے اوقات میں گھنٹہ بجایا کرتے تھے ۔ قاضی صاحب نے حسن تدبیر سے انکو اس سے روک دیا جب اس کی اطلاع احمد شاہ دہلوی کو ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور آپ کو خلعت فاخرہ سے نوازا ۔ اور سواری کے لئے ہاتھی عنایت فرمایا ۔

آپ نے تصنیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں ۔ چنانچہ میزان الساعۃ ، تفصیل الفصول اور فضائل العلماء کے علاوہ اور بھی دیگر رسائل تصنیف

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۱۰۳ ۔

فرمائے ۔ ۱۲ر ذی قعدہ ۱۱۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور اپنے والد کے پہلو میں بمقام احمد آباد دفن ہوئے ۔ آپ کے چار بھائی اور بھی تھے جو علم و فن میں ماہر تھے ۔ [1]

مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ : قاضی محمد نظام الدین خاں حافظِ قرآن، بڑے محقق تھے ۔ بالخصوص ریاضی کے ماہر تھے ۔ انشار پردازی اور شعر گوئی میں بہت ممتاز تھے ۔ امرا اور سلاطین کی صحبت میں بھی رہے ۔ اور انکی طرف سے خلعتیں اور مناصب پائے ۔ یہاں تک کہ احمد آباد کی منصبِ قضا پر فائز کیے گئے ۔ اور نہایت عدل و انصاف کے ساتھ احکام شریعت کو نافذ کرتے ۔

۱۱۶۵ھ ۱۲ر ذیقعدہ کو اس عالم فانی سے عالم باقی کو کوچ فرمایا ۔ اور اپنے والد کے پہلو میں مشرقی جانب دفن کیے گئے ۔ آپ لاولد تھے ۔ آپ نے متعدد رسائل تصنیف فرمائے ۔ جس میں قضیات علم پر ایک رسالہ ہے ۔ اسی طرح میزان الساعۃ اور تفصیل الفصول اور قہوہ پر آپکا ایک رسالہ مشہور ہے ۔ [2]

شیخ محمد محسن

استاذ قاضی عبد النبی

شیخ محمد محسن بن عبد الرحمن صدیقی ۔ احمد آباد کے ان علماء میں سے ہیں جو منطق اور

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ۶ صفحہ ۳ ج ۶ ، تذکرہ قاریان ہند ۔ [2] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ

حکمت کے امام سمجھے جاتے تھے۔ درسی کتابیں آپ نے مفتی محمد اکبر بن محمد شریف دہلوی سے پڑھیں اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور بڑی مخلوق نے ان سے علمی استفادہ کیا بالخصوص "دستور العلماء" کے مصنف قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری آپ کے تلامذہ میں مشہور ہیں۔ [1]

قاضی عبدالنبیؒ

م ۱۱۷۳ھ بمطابق ۱۷۵۹ء

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول عثمانی، گجرات نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب اپنے والد سے پڑھیں۔ پھر شیخ عبداللہ، شیخ قطب الدین عثمانی، اور محمد محلن بن عبدالرحمن صدیقی سے درس لیا۔ اور ادب و لغت اور نحو و منطق کے ماہر عالم بن گئے۔ آپ قاضی کے فرائض انجام دینے کے علاوہ تدریس میں مشغول رہے۔ آپ اپنے زمانہ کے علامہ اور یگانۂ زمان تھے۔

قاضی صاحب کی مشہور تصانیف میں سے "کافیہ ابن حاجب" کی فارسی زبان میں شرح موسوم بہ "جامع الغموض ومنبع الفیوض" اور دستور العلماء (جو چار جلدوں میں علوم وفنون کی اصطلاحات کی لغت ہے) کے علاوہ "شرح التہذیب لليزدی، میرزاہد، ملا جلال، الفرائض السراجیہ، دستور المبتدی، خلاصۃ الحساب للعاملی المطول اور الرشیدیہ وغیرہ پر حواشی وتعلیقات قابل ذکر ہیں۔

قاضی عبدالنبی کی ان تصنیفات میں دستور العلماء (جس کا پورا نام جامع العلوم الملقب بدستور العلماء فی اصطلاحات العلوم والفنون ہے) علوم وفنون کی مصطلحات

---

[1] نزھۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۴۷

کے بارے میں برصغیر کے علمار نے جو کوششیں کی ہیں ان میں دو ناقابلِ فراموش اور اہلِ علم کے لیئے ناگزیر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک تو شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کی کشاف اصطلاحات الفنون ہے اور دوسری یہ کتاب (دستور العلمار) ہے۔ کثرتِ مواد اور ضخامت کے اعتبار سے اوّل الذکر کو فضیلت حاصل ہے۔ مگر حسن ترتیب کے لحاظ سے مؤخر الذکر بہتر ہے۔

شیخ عبدالنبی نے اگرچہ کتاب کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے پیش کی ہے مگر آپ نے لفظ اللہ، الاحمد، اور اصحاب کا ذکر ترتیب حروف تہجی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سب سے پہلے کیا ہے اور مقصد صرف یُمن و برکت ہے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

" ان ھذا دستور العلماء جامع العلوم العقلیۃ ۔ حاوی الفروع و الاصول النقلیۃ ، فیہ فوائد غریبۃ وجرائد عجیبۃ ، فی تحقیقات اصطلاحات العلوم المتداولۃ، وتدقیقات لغات الکتب المتداولۃ وتوضیحات مقدمات منتشرۃ مشکلۃ علی المعلمین وتلویحات مسائل مبھمۃ متعسرۃ علی المتعلمین "(یہ کتاب دستور العلما ہے جو عقلی علوم کی جامع اور نقلی فروع و اصول پر حاوی ہے۔ اس میں عجیب وغریب فوائد و بیانات ہیں جن میں مستعمل علوم کی اصطلاحات کی تحقیق ہے۔ متداول کتابوں کے کے الفاظ کی باریک تشریح ہے۔ ان منتشر معلومات کی توضیح ہے جو اساتذہ کیلئے مشکل ہیں اور ان مبہم مسائل کی وضاحت ہے، جو طلبہ کے لئے لاینحل ہیں)۔

یہ کتاب اپنے ضمیمے سمیت حیدرآباد دکن سے چار جلدوں میں چھپی ہے آپ کی وفات ۱۷۵۹/۶۱/۱۱۷۳ھ میں ہوئی۔ [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۶۲ ۔ تذکرہ علمار ہند ص ۳۲۵ ۔ تاریخ ادبیات ج ۴/۲ ص ۲۳۹

نزھۃ الخواطر میں آپ کے حالات اس طرح درج ہیں کہ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول بن ابو محمد بن عبدالوارث عثمانی احمدنگری مشہور علماء میں سے ہیں۔ مولد و منشاء احمدنگر ہے۔ مختصرات اپنے والد سے پڑھی اور والد کی وفات کے بعد عبداللہ احمدنگری اور سید بخش حسینی کرمانی فیروزآبادی سے پڑھی پھر گجرات چلے آئے۔ اور "حاشیہ قدیمہ" وغیرہ کتب درسیہ شیخ قطب الدین عثمانی گجراتی سے پڑھیں۔ اور ان میں سے اکثر شیخ محمد بن محسن بن عبدالرحمن صدیقی گجراتی سے پڑھیں۔ ایک طویل عرصے تک انکی خدمت میں رہے یہاں تک کہ اپنے زمانے کے علماء میں نحو، منطق میں ماہر ہوگئے احمدنگر کی قضاۃ آپ کو سونپی گئی پھر بھی درس و افادے کو نہ چھوڑا اور اس میں مشغول رہے بڑی مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی۔ آپ کی تصانیف ہیں "جامع الغموض و منبع الفیوض" ہے۔ اور کافیہ ابن حاجب کی ایک بسیط شرح بھی آپ نے لکھی۔ "دستور العلماء" آپ کی ایک کتاب ہے۔ جو علوم و فنون کی اصطلاحات میں ہے چار جلدوں میں ہے۔ ایک مبسوط حاشیہ آپ نے شرح تہذیب پر لکھا۔

منطق کی دوسری اہم نصابی کتاب تہذیب المنطق کی دو شرحیں لکھی گئیں اور ان کے مصنف دو مشہور علماء ہیں۔ عبیداللہ یزدی اور جلال الدین دوانی یزدی کی لکھی ہوئی شرح تہذیب المنطق پر شیخ عبدالنبی احمدآبادی (۱۱۴۴ھ بمطابق ۱۷۳۱ء) نے یہ حواشی لکھے جن میں منطق کے اہم مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک حاشیہ "میرزاہد ملا جلال" پر لکھا۔

نیز آپ کا ایک حاشیہ "دستور المبتدی" پر بھی صرف میں ہے۔ اور عاملی کی خلاصۃ الحساب کا حاشیہ، اور اصول حسامی کا حاشیہ مطول پر حاشیہ، شرح عقائد پر حاشیہ، شرح عقائد کی شرح خیالی پر حاشیہ، رشیدیہ پر حاشیہ جو شرح شریفیہ کی شرح ہے۔ جو فن آداب کے بحث میں ہے

نیز آپکی کتاب "سیف المبتدین فی قتل المفرورین" بھی ہے۔ آپکی تاریخ وفات نہیں مل سکی۔ البتہ دستور العلماء کی تالیف آپنے ۱۱۲۳ھ میں مکمل فرمائی اور اس وقت تک بقید حیات تھے۔

سید نور اللہ قدس سرہٗ

م ۱۱۲۳ھ

سید العارفین شاہ لدھا بلگرامی قدس سرہٗ کے حقیقی برادر صغیر تھے۔ بڑے دل سوختہ تھے خشیت الٰہی سے ہر وقت اشک بار رہتے۔ خدا دوست اور دنیا سے نفور تھے۔ حصول علم کی ابتدا شیخ ابوالفتح[1] ساکن نیوتنی اودھ کی شاگردی سے کی اور انہی سے فراغت حاصل کی۔ آپ ملّا ابوالفتح قاضی ضیاء الدین[2] کی اولاد سے ہیں جن کا شمار نیوتنی کے ممتاز لوگوں میں ہوتا ہے۔ احمدآباد جاکر شیخ وجیہ الدین علوی کی صحبت میں مرتبۂ کمال کو پہنچے اور مقام فضیلت حاصل کیا۔ شیخ ان کے ساتھ خاص عنایت سے پیش آئے اور اپنی صاحبزادی کے ساتھ عقد فرمادیا۔ قاضی ضیاء الدین کچھ دنوں بعد اپنی بیوی کے ہمراہ اپنے وطن اصلی لوٹ کر آگئے۔ ملّا ابوالفتح جوانی کے دنوں میں تحصیل علم کے شوق میں قصبہ قصبہ پریشان پھرتے تھے۔

---

[1] ابن سلیمان بن فضل بن قاضی ضیاء الدین معروف بہ قاضی جیا عثمانی نیوتنی اودھی (نزھۃ الخواطر) ابن سلیمان سلوانی عثمانی۔ [2] علمائے وقت میں ممتاز تھے۔ قاضی وجیہ الدین گجراتی کے شاگرد اور داماد تھے۔ طریقہ قادریہ شیخ محمد بن یوسف قرشی برہانپوری ۹۷۲ھ سے حاصل کیا۔ شاہ جمال اولیاء کوروی ۱۰۴۰ھ ان کے شاگرد تھے۔ قاضی وجیہ الدین نے ۹۸۹ھ میں وصال فرمایا۔ (نزھۃ الخواطر)۔

ملا محمد زمان[1] ساکن کاکوری اور دیگر علمائے وقت سے انہوں نے پڑھا۔ اس کے بعد میر سید حسین شاگرد رشید میر زاہد کی خدمت میں گئے۔ کچھ دنوں ان سے بھی پڑھا اور پھر آخر میں میر زاہد ہی کی خدمت میں پہنچ کر آخر تک تحصیل علم کیا۔ (فارغ التحصیل ہوئے) پھر وطن اصلی لوٹے۔ اور شیخ پیر محمد لکھنوی[2] سے بیعت کی۔ اور آخر عمر تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بہت سے لوگ آپ سے فیضیاب ہوئے۔

مختصر یہ کہ سید نور اللہ علائق سے فارغ ہو کر دہلی چلے گئے اور وہیں سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے مزار مقدس کے نزدیک مقیم ہو گئے۔ قیام کے دوران بعض امراء نے روزمرہ کے اخراجات اور مدد معاش کے لئے اراضی کی سند پیش کی تو سید صاحب نے اپنے منہ پر طمانچے مارے اور سند کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیا۔ سید العارفین کی خدمت میں پہنچکر ان سے بیعت کی اور سخت ریاضتیں کیں۔ آپ کی عجیب حالت ہو گئی تھی راتوں کو بہت کم آرام کرتے زیادہ تر روتے

---

[1] بن محمد رضا بن محمد اشرف بن عبدالقدوس بن شہاب الدین بن نظام الدین بھیکہ علوی کاکوروی بڑے علماء میں تھے۔ قاضی عبدالقادر زعمری لکھنوی ۱۰۷۰ھ کے شاگرد تھے۔ طریقت کی سند شیخ پیر محمد لکھنوی سے حاصل کی شیخ عبدالغفور اشرفی بھاگلپوری و شیخ علی اصغر قنوجی ۱۱۴۰ھ و شیخ محمد غوث کاکوروی ۱۱۱۱ھ ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ (نزہۃ الخواطر)۔ [2] بن اولیاء جونپوری بڑے قابل آدمی تھے علوم ظاہری و باطنی میں اور فضل و کمال میں بہت مشہور تھے۔ عمدہ اور لطیف تصنیفات۔ اور سوز عشق سے بھری ہوئی تالیفات والے تھے درسی کتابیں جونپور، حرمین شریفین اور دوسرے شہروں میں پڑھکر لکھنؤ آئے۔ اور قاضی عبدالقادر لکھنوی ۱۰۷۰ھ کی درسگاہ سے فارغ ہوئے۔ شاہ عبداللہ سیاح کے مرید ہوئے اور انہیں سے خلافت بھی حاصل کی۔ متوفی ۱۰۸۵ھ دریائے گومتی کے کنارے (ایک ٹیلہ پر جواب وسط لکھنؤ میں ہے) مزار مقدس زیارت گاہِ عوام ہے اور ٹیلہ شاہ پیر محمد کے نام سے مشہور رہے۔ انکی تالیفات میں سراج الحکم حاشیہ شرح صدرا، فتاویٰ فقہیہ کتاب المنازل لاربعہ مشہور ہیں۔ (تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر، خزینۃ الاصفیاء)۔

رہتے۔ کبھی رکوع اور کبھی سجدہ کی حالت میں صبح کر دیتے۔ اور حدیث کریمہ حتیٰ تورمت قدماہ[1] (یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک متورّم ہو جاتے) کے مطابق اکثر دیکھا جاتا کہ پاؤں متورّم ہیں۔ ایک مرتبہ تو ایسی حالت ہو گئی کہ گیارہ روز تک نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ ایک روز کھڑے ہوئے تھے۔ آفتابہ سے وضو کے لئے پانی لینے کو جھکے تو یکبارگی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اسی طرح رکوع کی حالت میں تین دن تک جھکے رہے۔ اکثر دیوانگی کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ اور ضعف و ناتوانی میں پڑے رہتے تھے۔ گریبان چاک رہتے تھے۔ سونا چاندی ہاتھ میں نہیں لیتے تھے فرماتے تھے یہ مُردار ہے اس سے ہاتھ ملانا جائز نہیں ہے۔ خلافِ شریعت کاموں پر سخت گرفت فرماتے تھے۔ ایک روز آزاد قلندروں کے گروہ کا ایک شخص سید العارفین کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے کان میں ساز کی آواز آئی وہ قلندر گستاخی کے ساتھ حضرت سید العارفین سے گفتگو کرنے لگا اور کہنے لگا کہ جہاں ساز ہوں وہاں سے چلا جانا چاہیئے۔ سید نور اللہ نے اس سے سختی سے کہا کہ یہاں تو ساز ہے۔ اور وہاں کیا ہے؟ قلندر نے کہا وہاں: اللہ ہے۔ سید نور اللہ اٹھ کھڑے ہوئے اور قلندر سے کہا کہ اٹھو اور اللہ کو دکھاؤ۔ اس نے کہا کہ پہلے اپنے بدن سے نجاست کو دور کرو۔ انہوں نے کہا نجاست کیا ہے؟ اس نے کہا یہ دنیوی لباس جو تمہارے اوپر ہے۔ سید نور اللہ نے عمامہ زمین پر پھینک دیا اور کپڑے ہوا اتر دیئے۔ اور کہا کہ آؤ اور: اللہ، کو دکھاؤ۔ قلندر کو سخت تعجب ہوا۔ اور عاجزی و انکساری کرنے لگا۔ سید نور اللہ نے سختی کی۔ بالآخر سید العارفین نے درمیان میں پڑ کر قلندر کو ان کے ہاتھ سے رہائی دلائی۔ ایک رات نماز تراویح جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ جب امام اس آیت پر پہنچا: فَلْيَضْحَكُوا

---

[1] حدیث مغیرہ بن شعبہ (مشکوٰۃ شریف)۔

قَلِیلًا وَّلْیَبْکُوا کَثِیرًا ۔ (تم کو چاہئے کہ کم ہنسو اور زیادہ روؤ) عین نماز کی حالت میں گر کر بیہوش ہو گئے۔ اور کئی دن تک روتے رہے۔ ایک بار ان کو راہِ سلوک میں ایک مشکل پیش آئی۔ سید العارفینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ حضرت ہمہ وقت مصروف رہتے تھے اس وقت بھی ذکر میں مشغول تھے۔ اور سید نور اللہ کی مشکل حل نہ ہوئی۔ قلبِ ذاکر اسی وقت خاموش ہو گیا۔ سید العارفین نے ان سے فرمایا جاؤ قرآن مجید حفظ کرو۔ چند پارے حفظ کئے تھے کہ دل کی گرہ کھل گئی۔ حضرت سید العارفین کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے اور باقی قرآن حفظ کرنا شروع کیا۔ پچیس پارے یاد کئے تھے کہ راتوں کو قیام کی وجہ سے دونوں پیر متورم ہو گئے۔ اور اسی پیروں کے ورم کے عارضہ میں انتقال فرمایا۔ وقت آخر لوگوں نے عرض کیا کہ اپنی کوئی خواہش بیان فرمائیں۔ فرمایا یہ تمنا ہے کہ قرآن کے باقی پانچ پارے اور یاد کر لیتا۔ مگر یاد کرنے کا موقع نہیں ملا۔ انکی وفات ۱۳ شعبان ۱۱۷۳ھ کو ہوئی کاتب الحروف (میر غلام علی آزاد بلگرامی) نے آیت "بُشْرٰىکُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ" سے تاریخ وصال نکالی۔ ان کے انتقال کے بعد قرآن مجید کا وہ نسخہ جس میں تلاوت فرماتے تھے گم ہو گیا۔ گھر والے سخت پریشان اور افسردہ خاطر تھے کہ سید نور اللہ مرحوم نے گھر کے لوگوں میں سے کسی شخص کو خواب میں بتلایا کہ فلاں شخص کے گھر فلاں جگہ وہ قرآن رکھا ہے۔ گھر والوں کو جب پتہ چلا تو اسی جگہ رکھا ہوا وہ قرآن ان کو مل گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مرزا علی محمد

م ۱۱۷۴ھ بمطابق ۱۷۶۰ء

شیخ علی محمد بن محمد علی یکے از ماہرین سیر تاریخ۔ تاریخ گجرات میں مرآۃ احمدی آپ ہی کی ہے بلاد گجرات کے صاحب دیوان الخراج تھے۔ ۱۱۷۴ھ میں احمد آباد میں رحلت ہوئی۔ [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۹۱ ج ۶

سید غلام حسین اورنگ آبادی

م ۱۱۷۶ھ

فقیہ غلام حسین بن شہاب الدین بن محمد اسحاق بغدادی ثم الہندی اورنگ آبادی اپنے زمانے کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں۔ جنیر شہر میں آپکی ولادت ہوئی، اور بچپن ہی میں گجرات پہنچ گئے۔ اور اپنے زمانے کے علماء سے گجرات میں پڑھتے رہے۔ پھر شیخ علی رضا ابن فرخ شاہ سرہندی ثم الگجراتی کی صحبت میں رہے۔ ان سے فیضیاب ہوئے۔ پھر اورنگ آباد آئے۔ اور وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور زہد و عبادت میں خلوت گزیں رہے۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ قرآن پاک کا ایک ختم فرماتے اور روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دس ہزار مرتبہ درود شریف اور بارہ ہزار دفعہ لا الٰہ الا اللہ ایک ہزار دفعہ درود تنجینا اس کے علاوہ اوراد پر بھی آپ مداومت فرماتے ساری عمر کبھی آپ کی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی۔ آپ نے ۱۱۷۶ھ ۲ر جمادی الاولیٰ کو اورنگ آباد میں وفات پائی۔ [۱] (کما فی مجمع الابرار)

شیخ ابوالحسن ویلوری

م ۱۹ر رمضان ۱۱۸۲ھ بمطابق ۲۶ر جنوری ۱۷۶۹ء

شیخ ابوالحسن بن عبداللطیف بن ابی حسن۔ احمد آبادی ثم ویلوری، مدراسی۔ آپ

---

[۱] نزھۃ الخواطر صفحہ ۳۹۹ ج ۶۔

مشائخ قادریہ سے تھے۔ ولادت ۱۱۱۰ھ میں ہوئی۔ آپ نے علوم دین کی تحصیل اپنے والد شیخ عبداللطیف۔ شیخ محمد حسین بے جاپوری۔ شیخ فخرالدین خلیفہ شیخ عبدالحق الساوی اور شیخ محمد ساقی وغیرہم سے کی۔

اپنے والد سے طریقۂ قادریہ میں اجازت حاصل کی۔ نیز شیخ فخرالدین سے بھی اجازت ملی۔ پھر شیخ عبدالحق الساوی کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور موصوف نے آپ کو تمام سلسلوں میں اجازت عطا فرمائی۔ آپ شاعر تھے اور آپ کا تخلص قربیؔ تھا

آپ سے آپ کے فرزند شیخ عبداللطیف قادری اور علامہ محمد باقر آگاہ مدراسی کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی علم حاصل کیا۔

فقہ، عقائد اور تصوف میں آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ۱۹ رمضان ۱۱۸۲ھ بمطابق ۲۶ جنوری ۱۷۶۹ء کو آپ نے وفات پائی۔ نوراللہ مرقدہٗ۔[۱]

شیخ رکن الدّین

م ۲۵ شعبان ۱۱۹۸ھ بمطابق ۱۳ جولائی ۱۷۸۴ء

شیخ رکن الدّین بن حسام الدین بن رکن الدین بن یحییٰ عمری چشتی۔ یکے از مشائخ کبار۔ احمد آباد میں ولادت ہوئی۔ اپنے والد اور دیگر علمائے گجرات سے تعلیم حاصل کی پھر والد ہی سے سلوک و تصوف کی منازل طے کیں اور والد کے جانشین بنے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا۔ ۲۵ شعبان ۱۱۹۸ھ بمطابق ۱۳ جولائی ۱۷۸۴ء کو وفات ہوئی۔ احمد آباد میں مدفون ہیں۔[۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر عربی ص ۶ ج ۱ [۲] تذکرہ قاریان ہند، نزہۃ الخواطر ص ۱۷۳ ج ۹۱

شیخ سراج الدین

م ۱۷۹۸ء بمطابق ۱۲۱۳ھ

شیخ سراج الدین بن صادق بن عطاء اللہ بن عبداللطیف ابن پیر محمد چاپانیری فقہ واصول کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ ولادت و پرورش گجرات میں ہوئی۔ زمانہ کے اساتذہ سے علم دین حاصل کیا پھر درس و تدریس میں زندگی بسر کی اور بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء میں وفات پائی۔ احمدآباد میں مدفون ہیں۔[1] نور اللہ مرقدہٗ۔

محمد امین گجراتی

تقریباً بارھویں صدی ہجری

محمد امین کے حالات زندگی ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ وہ "یوسف زلیخا" مثنوی کے مصنف ہیں۔ یہ مثنوی دوشنبہ کے دن جمادی الاولیٰ کی دوسری تاریخ کو ۱۱۰۹ھ میں بہ عہد اورنگ زیب عالمگیر ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ

زمانہ شاہ اورنگ زیب کے میں ... لکھی یوسف زلیخا کو امین میں

الٰہی تو ایسا عادل شہنشاہ ... رکھیں قائم رہے جب لک مہر ماہ

---

[1] الحدیقہ، نزہۃ الخواطر ۳۵۱ صفحہ ۱۹۵۔

اگیارہ سو اوپر جب نو سو گزرے برس ہجرت محمد مصطفٰے کے !
اجھی تاریخ دو جی وے دل افروز جمادی الاولیٰ اتوار کے روز
ضحیٰ کے وقت لکھ رہیا ایں رے الٰہی توں محبت سب کتیں وے

(از خاتمہ یوسف وزلیخا)

یہ مثنوی ایک بڑی کتاب ہے ۔ جس میں چار ہزار ایک سو چودہ ابیات ہیں ۔

بتیاں ہیں چار ہزاراں اوپر ایک سو
دے کر چاردہ بیت گجری سنو

(کذا)

شاعر نے دیباچے میں حمد و نعت ، خلفائے اربعہ ، حسنین و بانیانِ مذاہبِ اربعہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے ذکر کے بعد ایک علیحدہ عنوان کے نیچے معراج کا بیان دیا ہے ۔ اس کے بعد عشقِ حقیقی پر رائے زنی کی ہے ۔ زاں بعد تعریف سخن پر ایک فصل ہے ۔ اس کے پیچھے اصل قصہ شروع ہوتا ہے ۔ جس کی تمہید میں شاعر کہتا ہے کہ یوسف و زلیخا کا قصہ فارسی زبان میں بہت عام ہے لیکن میں اسے گوجری زبان میں منتقل کرتا ہوں تاکہ عوام الناس اس قصے سے واقف ہو جائیں ۔ شاعر نے مثنوی کے خاتمے پر بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے ۔

الٰہی توں مجھے توفیق جو دی ! تو میں نے فارسی کی گوجری کی
مرا مطلب ہے یوں سب کوئی جانے حقیقت اس کی سب کوئی پچھانے
پڑھا ہووے جو کوئی فارسی کوں وہی جانے حقیقت اس سو دلیوں
انے جو نا پڑھا ہووے بچارا سو کیا بوجھے انوں کا عشق سارا
ایں اس واسطے کیتی سو گجری حقیقت سب عیاں ہووے انوں کی
کہ عشق اول انوں نے کیوں نپایا انے آخر اسے کیونکر نبھایا

فارسی زبان میں یوسف زلیخا کے قصے کو مختلف شعراء نے نظم کیا ہے۔ ان میں زیادہ مشہور تین مثنویاں ہیں۔ پہلی وہ جو فردوسی کی طرف منسوب ہے۔ دوسری کے مالک مولانا عبدالرحمٰن جامی ہیں۔ اور تیسری ناظم ہروی کے قلم سے نکلی ہے۔ امین کی مثنوی بلحاظ روایت و ترتیب مولانا جامی کی مثنوی پر مبنی ہے۔

قصے کے اہم خط و خال وہی ہیں جو جامی کے ہاں مروی ہیں۔ سرخیاں قریب وہی ہیں۔ لیکن جزویات و حشویات میں مختلف ہیں۔ اس مثنوی میں جامی کی رنگینیٔ ادا اور مکلف طرز بیان کو سلاست اور سادگی میں بدل دیا گیا ہے۔ اور ایسی خصوصیات کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ جو ہندوستانی زندگی اور اس عہد کے مسلمانی رسم و رواج پر روشنی ڈالتی ہیں۔ مثلاً امین نے زلیخا کے لباس اور زیور کے ذکر میں جو بالتفصیل دیا گیا ہے۔ اس زمانے کے اعلیٰ خاندانوں کی خواتین کی پوشاک اور زیور و دیگر اسباب آرائش کی ایک صحیح تصویر کھینچ دی ہے۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

زلیخا کا سنو تم اب سو سنگار　　　کہتا ہیگا امین اب ہو کر ہشیار
زلیخا کے تھے ایسے بال سر میں　　　نہ آوے مشک ان آگل نظر میں
انوں کے رنگ آگل مشک ہے کم　　　نہ عنبر ان اگے مارے کچھو دم [1]

امین گجراتی کی کتاب "ولادت نامہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کا مخطوطہ سندھ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔

یہ مخطوطہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک سے متعلق ہے۔ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ شروع کا ایک صفحہ دریدہ ہے کیونکہ حمد کا یہ شعر پہلے نظر آتا ہے

ہے جیونا وائم خدا نہیں موت کا اس پر گزر
بن نین سب ہے دیکھتا بن کان سنتا ہے خبر [2]

[1] مقالات شیرانی ص ۲۸۰ ج ۲ ۔ [2] سندھ میں اردو مخطوطات ص ۱۵۵ ۔

تاریخ ادب اُردو کے مصنف لکھتے ہیں کہ : احمدآباد کے کچھ فاصلے پر گودھرکے رہنے والے امین نے اورنگ زیب کے آخری دور میں ۳۴ر عنوانات کے تحت اپنی ۱۱۴۴ اشعار پر مشتمل مثنوی : یوسف زلیخا ، ۱۱۰۹ھ بمطابق ۱۶۹۷ء میں مکمل کی اور اپنی زبان کو گوجری کے لفظ سے موسوم کیا ۔

زمانے شاہ اورنگ زیب کے میں
لکھی : یوسف زلیخا ، کوں امیں میں
الہٰی توں ایسا عادل شہنشاہ !
رکھیں جب لگ رہے قائم مہر ماہ
امین نے گوجری کیتی سو بول کر
کہ آپے تیئں رہے دنیا کے بھیتر
وجود اسے نہے سو ہو جائیگا سب خاک
نہیں پاوے سو دھونڈا جیوا ہے پاک
نشانی تب رہے گی اسے سخن رسے
جو کچھ بولا امین میٹھے بچن رسے

امین گجراتی نے : یوسف زلیخا ، کو فارسی سے : گوجری ، میں لکھا ہے ۔

الہٰی تیں مجھے توفیق جو دی ؛ تو میں بھی فارسی سیں گوجری کی

امین کیفیتِ عشق کو اثر آفرینی کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

زمانے کا ستم بسیار ہے رے ؛ زمانا ں تو عن پرا خونخوار ہے رے
کسی کو عشق بھیتر ہے جلاتا ؛ کسی کو ہجر بھیتر ہے رُلاتا !
محبت کی کسی کے سر میں تروار ؛ لگاتا ہے اپنے ہے ڈالتا مار
نہیں اسے دیکھ سکتا جگ میں شادی ؛ اسے گمتی ہے سب کی نامرادی

زلیخا عشق بھیتر شاد رہتی ! | زدرد وغم ہمیشں آزاد رہتی
ایکا ایک عشق میں جا کر پڑی او | امین بولے بیاں دہر کان سن لیو
رمن کوں غم کی اومسند بچھا کر | بیٹھی بادرد و زاری اوسکے اوپر
اکیلی سب سوں چھپ بیٹھی زلیخا | کیا تب یاد ان قصارین کا
نین سوں پور آنجھو کے بہائی | زباں سوں ان سخن یوں کر چلائی
کر اے موتی توں کہہ کس کان کا ہے | کہ توں بے مثل اور بے شان کا ہے
اگر تو شاہ ہے تو مقام بتلا | وگر معشوق ہے تو نام بتلا !
اگر سورج ہے تو کس گگن کا | وگر چندرا ہے تو کس انگن کا !
مرے دل کو چھپا کر لے گیا تیں | الپس کا نام مجھ کوں ناں کیا تیں
ہمیں ہیں نام تیرا کس کوں پوچھوں | مقام اور ٹھام تیرا کس کوں پوچھوں
یہیں تن جلا یا ہے تیں میرا | ہمیں توڑال پانی وصل کیرا
مثال پھول کھیلا تھا میرا مکھ | ہمیں کملا گیا اب تیرے دکھ
ترے اس عشق کیرے تیر کاری | لگے میرے کلیجے بیچ کاری !
ترے اس عشق کا خنجر جو ہے تیز | ہوا ہے میرے کارن دلے خونریز
ترے اس عشق کا ڈسیا مجھے ناگ | اٹھی سگلے بدن بیچ زہر کی آگ

ان اشعار سے شعر گوئی کی فنی سنجیدگی کا احساس ہوتا ہے۔ مثنوی میں موضوع کی ترتیب، قصے کا تسلسل اور شاعر کی پُر گوئی قابل توجہ ہے۔ اس مثنوی کو جب ہم بحیثیت مجموعی گجری ادب میں رکھ کر دیکھتے ہیں تو اس دور کا ایک ادبی کارنامہ معلوم ہوتی ہے۔ امین میں طویل نظم لکھنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

امین کی دوسری مثنوی ہے "تولد نامہ"۔ تولد نامہ تقریباً ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کے تین حصے ہیں ایک تولد نامہ، دوسرا معراج نامہ، اور

تیسرا وفات نامہ۔ گجری ادب کی روایت موضوع کے اعتبار سے مذہبی ہے۔ یہی رنگ ہمیں یوسف زلیخا میں بھی نظر آتا ہے۔ اور تولدنامہ میں بھی؛ تولدنامہ، میں امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان کیا ہے۔ معراج نامہ میں واقعہ معراج کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور وفات نامہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ وفات بیان کئے ہیں۔

محمد امین گجراتی کے ایک ہمعصر؛ محمد فتح بلخی،، نے جو گودھرا ہی کے رہنے والے ہیں۔ امین کی فرمائش پر ایک مثنوی؛ یوسف ثانی،، کے نام سے تصنیف کی۔ جس میں اسلام کے بنیادی قوانین کے علاوہ تجربہ وحکمت، علم ودانش ہر ئکہ مسائل وپند ونصائح کو مسلمانوں کے فائدے کے لئے چین کے بادشاہ اور بادشاہ زادی کی داستان کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اس مثنوی کی زبان اور بیان کا وہی رنگ روپ ہے جو اس دور میں ہمیں عام طور پر ملتا ہے۔ بحر چھوٹی اور رواں ہے۔ [1]

چار امین جنوبی ہند میں امین تخلص کے تین چار شاعر گزرے ہیں۔ ایک امین سلطان ابوالحسن تاناشاہ؛ قصہ ابوشحمہ،، کے نام سے ایک مثنوی ۱۰۸۰ھ مطابق ۱۶۶۹ء میں تصنیف کی تھی۔ اس کا ترجمہ ایک دوسرے امین نے سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے زمانے میں کیا ہے۔ ایک اور امین بیجاپور یا گجرات کے تھے جنہوں نے ایک مثنوی بہرام وحسن بانو کے نام سے لکھی ہے۔ بلوم ہارٹ نے اسے دولت کی تصنیف کہا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصل مصنف امین ہی ہیں۔ دولت نے اسے مکمل کیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک امین، ایاغی تخلص کرتے تھے۔ ان کی مثنوی کا نام نجات نامہ ہے۔

---

[1] تاریخ ادب اردو ص۱۳۳ تا ۱۴۴۔

جس کا موضوع مذہبی ہے۔ دکن کے مشہور بزرگ حضرت امین الدین اعلیٰ بھی امین تخلص کرتے تھے۔ قدیم اردو یا دکنی میں ان کے اشعار بھی ملتے ہیں۔

جن میر محمد امین کا ذکر ہمیں مطلوب ہے وہ مثنوی "یوسف زلیخا" کے مصنف تھے اور مغلیہ دور سے تعلق رکھتے تھے۔ نصیر الدین ہاشمی نے انہیں میر کی بجائے شیخ لکھا ہے۔ اصل گجرات کے تھے۔ لیکن اورنگ آباد میں بھی رہے ہیں۔

ملک محمد امین کمال کے الگ حالات ملاحظہ فرمائیں۔ عنایت اللہ فتوت نے "تذکرۂ ریاض حسینی" میں جن محمد امین، امین اورنگ آبادی کا ذکر کیا ہے غالباً وہ یہی امین ہوں گے۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنے مضمون "مثنوی یوسف زلیخا" از شیخ محمد امین" میں انہیں گجراتی کہا ہے۔ ڈاکٹر عبد الحمید فاروقی نے بھی گجراتی تسلیم کیا ہے اور ایک مضمون بھی "امین گجراتی یوسف زلیخا" کے عنوان سے لکھا ہے شمس اللہ قادری نے اپنی تصنیف "اردوئے قدیم" میں لکھا ہے کہ میر محمد امین شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے کے شاعر تھے اور انہوں نے قصہ "یوسف زلیخا" کو دکنی میں نظم کیا ہے۔ لیکن میر محمد امین خود اپنی زبان کو گوجری کہتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنے مضمون گوجری یا گجراتی اردو سولہویں صدی میں "میں بھی یہی رائے قائم کی ہے۔

شمس ولی اللہ قادری نے اردوئے قدیم میں اگرچہ میر محمد امین کے ایک نعتیہ قصیدے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ۱۶۸۸ء بمطابق ۱۰۹۹ھ کا تصنیف شدہ ہے لیکن ان کا اصل کارنامہ مثنوی یوسف زلیخا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے "تاریخ ادب اردو" میں اس کا سنہ تالیف ۱۶۹۷ء بمطابق ۱۱۰۹ھ دیا ہے۔

یوسف زلیخا کے قصے کا بنیادی موضوع تو قرآن اور کتب روایات و احادیث سے لیا گیا ہے لیکن شاعروں نے مختلف زبانوں اور زمانوں میں

اس قصے پر طبع آزمائی کرتے وقت جذباتی حاشیے بھی چڑھائے ہیں۔ اور شاعرانہ مینا کاری بھی کی ہے۔ میر محمد امین نے بھی اس قصہ کو غالباً اس کی شہرت اور سبب شہرت کی بنا پر دکنی یا گوجری میں منتقل کیا ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ "قصہ" اور "کردار قصہ" کے زمانۂ قدیم اور ملکِ مصر و کنعان سے تعلق رکھنے کے باوجود اس میں معاشرت کی جھلک مقامی ہے۔ [1]

شیخ اکرم الدین

قاضی عبدالوہاب کے پوتے

شیخ فاضل اکرم الدین بن محی الدین بن قاضی عبدالوہاب حنفی۔ مولد و منشا احمد آباد ہے۔ آپ نے شیخ نورالدین بن محمد صالح سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں کمال حاصل کیا۔

آپ اپنے والد محترم کی رحلت کے بعد ۱۱۱۱ھ میں گجرات کی حکومت میں آئے شاہ عالم بن عالمگیر نے آپ کو شیخ الاسلام خاں کا لقب دیا۔

آپ کی خوبصورت نشانیوں میں سے احمد آباد کا مدرسہ "مدرسہ ھدایت بخش" ہے آپ نے اس کی عمارت پر ایک لاکھ چوبیس ہزار درہم خرچ کئے۔ اس مدرسہ کی تعمیر ۱۱۰۲ھ میں شروع ہوئی اور ۱۱۰۹ھ میں مکمل ہوئی۔

پھر جب طلبہ محتاج ہو گئے تو صوبہ پٹن کے دو گاؤں اور صوبہ چاپانیر کے ایک گاؤں کی آمدنی کو مدرسہ کے لئے وقف کر دیا۔ [2]

مدرسہ شیخ الاسلام: یہ مدرسہ قاضی اکرم الدین خاں المعروف بہ شیخ الاسلام نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے میں تعمیر کرایا تھا۔

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۳ ص ۲۳ [2] مرآۃ احمدی، نزھۃ الخواطر عربی ج ۶ ص ۳۸۔

اوراس کی عمارت نو سال (۱۱۰۲ - ۱۱۱۱ھ) میں مکمل ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ مولانا نورالدین کے لئے تعمیر ہوا تھا۔ جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں صرف کردی تھی۔ اور علامہ وجیہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس وتدریس وکثرتِ تصانیف کے ان سے بڑھ کوئی اور عالم نہیں ہوا۔ انہوں نے ۱۱۵۵ھ بمطابق ۱۷۴۲ء میں وفات پائی اور اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔ [1]

قاضی عبدالحمید

ابن قاضی عبداللہ

قاضی عبدالحمید بن قاضی عبداللہ بن محمد شریف حنفی۔ فضل و صلاح میں مشہور تھے۔ ولادت اور نشو ونما احمد آباد میں ہوئی۔ شاہزادہ محمد اعظم ابن عالمگیر نے آپ کے والد قاضی عبداللہ کی جگہ ۱۰۹۵ھ میں اردوئے معلی میں آپ کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ ایک مدت تک اس خدمت کو انجام دے کر حج و زیارت کے لئے چلے گئے تقریباً ۱۱۰۸ھ میں واپس آکر صوبہ گجرات کے دیوان مقرر ہوئے ۱۱۲۱ھ میں شاہ عالم ابن عالمگیر نے ہند کے قاضی القضاۃ کا عہدہ آپ کے حوالہ کیا۔ تین سال اس عہدے کی خدمات انجام دیتے رہے پھر آپ نے استعفا پیش کرنا چاہا لیکن شاہ عالم نے اس کو منظور نہ کیا چنانچہ آپ نے اپنے خیمہ میں آگ لگادی اور فقیرانہ لباس پہن لیا اور مسجد میں گوشہ نشین ہو گئے۔ شاہ عالم کو مجبوراً آپ کا استعفا منظور کرنا پڑا اور شریعت خاں کو آپ کی جگہ مقرر کیا۔

اس کے بعد آپ گجرات میں خلوت گزیں ہو گئے۔ پھر آپ سورت کے منصدی مقرر

---

[1] اسلامی کتب خانے صفحہ ۲۸۳۔

ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر مستعفی ہوگئے۔ اور شیخ احمد مغربی المعروف شیخ کھٹو کے مزار پر احمد آباد میں تولیت حاصل کی انکی تاریخ وفات کا علم نہ ہو سکا۔ [1]

قاضی ابوالفرح

قاضی عبداللہ کے بعد انکی جگہ قاضی احمد آباد

شیخ عالم فقیہ ابوالفرح آپ اہل علم میں سے تھے۔ قاضی عبداللہ بن محمد شریف کی جگہ آپ عالمگیر بن شاہ جہاں کے دور میں احمد آباد کے قاضی مقرر ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک مسند افتار پر فائز رہے۔ ۱۱۲۱ھ میں آپ کی جگہ قاضی ابوالخیر کو احمد آباد کے مسند افتاء پر فائز کیا گیا۔ [2]

شیخ محمد علی گجراتی

شیخ محمد علی واعظ جو اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں میں سے تھے۔ آپ کے وعظ میں بڑی مخلوق اکٹھی ہوتی۔ آپ کے دور میں ہندؤوں کے ساتھ ۱۱۲۵ھ میں بڑے فسادات ہوئے جس کی وجہ سے آپ نے دہلی کا سفر کیا تاکہ وہاں جاکر بادشاہ سے فریاد کریں۔ اور وہاں دہلی کی جامع مسجد کی محراب میں آپ تذکیر و وعظ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ لوگ آپ پر فدا ہو گئے۔ آپ کی خبر فضائل خاں نے فرخ سیر سلطان الہند کو پہنچائی۔ انہوں نے اپنے سامنے آپ کو بلوایا اور آپ کا وعظ سنا جو ان کو بہت اچھا لگا۔ اپنے پاس قیام کا حکم دیا آپ دہلی میں ایک مدت تک مقیم رہے پھر دہلی ہی میں وفات پائی۔ [3] (مرآۃ احمدی)

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ۲۵۹ ج ۴ ص ۱۳۴ الثقافۃ الاسلامیہ [2] مرآۃ احمدی، نزھۃ الخواطر عربی ج ۶ ص ۲۹ [3] ایضاً ج ۶ ص ۱۶، ۲۳۱

حضرت شیخ عبدالواحد

مسلک حنفی کے کبار شیوخ میں سے تھے۔ مقبولین بارگاہ الٰہیہ میں ممتاز تھے علم و طریقت کے جامع اور عمل کے میدان کے شہسوار تھے۔ جب فتن و محن کی سختیاں انتہا کو پہونچ گئیں تو ۱۱۲۵ھ میں اپنی فریاد لے کر دہلی کی طرف چل پڑے۔ مگر راہ ہی میں راجہ رتن چند جو قطب الملک کا دیوان تھا۔ اس نے آپ کو قید کردیا۔ طویل عرصہ کے بعد جب رہائی پائی تو واپس احمدآباد لوٹ آئے۔[1]

مولانا عبدالعزیز

بارہویں صدی ہجری

شیخ عبدالعزیز حنفی احمدآباد کے ان علماء میں سے تھے جو اس وقت کے امام سمجھے جاتے تھے۔ نور معرفت کا ایمان آپ کی جبیں پر روشن تھا۔

خافی خاں ، منتخب اللباب ، میں لکھتے ہیں کہ جب احمدآباد میں ۱۱۲۵ھ میں ہندو مسلم فساد ہوا اور داؤد خاں شہر کا امیر تھا۔ اس نے مسلمانوں پر ظلم ڈھایا تو مسلمانوں کی فریاد لے کر شیخ عبدالعزیز، شیخ عبدالواحد اور شیخ محمد علی واعظ دہلی روانہ ہوئے تاکہ بادشاہ سے اس کی فریاد کریں۔ مگر راجہ رتن چند جو عبداللہ خاں حسینی کا مدارالمہام تھا۔ اس نے ان مشائخ کو جیل میں ڈال دیا اور طرح طرح سے آپ کو ایذائیں دی گئیں بالآخر شیخ جعفر بن قاسم دہلوی کو اس کا علم ہوا تو بمشکل

---

[1] مرآۃ احمدی، نزھۃ الخواطر عربی ۶/۱۷۵ ص ۲۳۳۔

انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ مگر شیخ محمد علی واعظ دہلی ہی میں فوت ہوئے اور شیخ عبدالعزیز احمد آباد پہنچ کر فوت ہوئے۔ [1]

فن علم حدیث میں آپکی ایک تصنیف ہے، ذریعۃ القبول الی حضرۃ الرسول۔ آصفیہ، ۴/۲۴۴۲

شیخ محمد بن عبدالرحمٰن

علامہ محدث ابوبکر محمد بن عبدالرحمن حنفی۔ اپنے زمانے کے علماء عاملین میں سے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ مقبول بندوں میں سے تھے۔ ۱۱۴۲ھ کے حدود میں آپ زندہ تھے۔

صاحب نزہۃ الخواطر حضرت مولانا عبدالحی حسنی فرماتے ہیں کہ: الجمع بین رجال الصحیحین، کتاب پر میں نے آپکی تحریر دیکھی ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو حدیث اور علم رجال حدیث سے شغف تھا۔ [2]

مولانا محمد حسین شافعی

شیخ محمد حسین بن محمد علی بن ناخدا حمزہ بلّوکان شافعی گجراتی جو فقہ کے ماہر علماء میں سے تھے۔ آپ کی ولادت اور وفات کی تاریخیں نہیں مل سکیں البتہ اتنا پتا چلا کہ نووی کی فقہ میں جو، کتاب المنہاج، ہے وہ آپ کے خط سے لکھی ہوئی پائی جاتی ہے جس کی کتابت سے آپ ۱۱۵۰ھ ۲۰ رجمادی الاخریٰ کو فارغ ہوئے۔ نواب محمد غیاث خاں کے مدرسے میں جو، خجستہ بنیاد، شہر میں (یعنی احمد آباد) ہے۔ اور یہ محمد شاہ

---

[1] مرآۃ احمدی، نزہۃ الخواطر صفحہ ۱۵۵/۶ ۲۸۳ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ صفحہ ۲۸۶ [2] نزہۃ الخواطر ۴۸ صفحہ ۲۶۲/۶

غازی کے جلوس کا اٹھائیسواں سال تھا۔ [1]

سید محمد اشرف، اشرف

آپ کا نام سید محمد اشرف اور تخلص اشرف ہے آپ کا ذکر متعدد تذکروں "نکات الشعراء (میر)، "گلشنِ گفتار" (خواجہ خاں حمید)، "عیار الشعراء" (ذکا)، "گلزار ابراہیم" (علی ابراہیم خاں خلیل)، "چمنستان شعراء" (شفیق) میں ملتا ہے۔

میر نے نام کے ساتھ صرف ایک شعر درج کیا ہے۔ ذکا اور علی ابراہیم نے بالترتیب آپ کو ولی اور آبرو کا ہمعصر بتایا ہے۔ شفیق نے آپ کو معاصر ولی بتا کر ولی کا یہ شعر لکھا ہے جس میں مصرع ثانی اشرف کا ہے۔

الفت ہے دل و جاں کو مرے ہیم نگر سوں
اشرف کا یو مصراع ولی مجھ کوں لگے دلچسپ

گلشن گفتار میں قدرے تفصیل سے آپکا ذکر ملتا ہے۔

شعرش در نواحِ گجرات شہرت دارد
دیوان لطیف تصنیف نمودہ

دیوان اشرف کے انتخاب کا ایک مخطوطہ انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) کے کتب خانہ میں ہے۔ اس دیوان سے آپ کے حالات پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت موسیٰ رح کی اولاد میں سے تھے اور آپ کے آباء و اجداد کا وطن مدینہ منورہ تھا۔ یہ خاندان کب اور کن حالات میں ہندوستان آیا اور پہلے پہل اس خاندان کے کن افراد نے گجرات میں بود و باش اختیار کی اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ "صاحب گلشن گفتار" کے بیان اور خود آپ کے متعدد اشعار سے آپ کے گجراتی الاصل ہونے کی تائید ہوتی ہے جن میں سے ایک یہ ہے۔

---

[1] نزھۃ الخواطر ص ۵۶۲/۶۲

ملک گجرات میں حبیب اللہ ۔۔۔ تیری فرقت میں ہم کو مارے ہیں

حبیب اللہ سے مراد مشہور شاعر اور صوفی شاہ حبیب اللہ خروشی ہیں جن سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے آپ نے خروشی کی زمینوں میں متعدد غزلیں بھی کہی ہیں ۔

"بیاض ایڈنبرا" میں آپ کے جو مراثی ہیں ، ان سے ڈاکٹر زور کے بیان کے مطابق پتا چلتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے بہت ہی مقبول شاعر تھے ۔ اور آپ کو استادِ فن تسلیم کیا جاتا تھا ۔

آپ کی مثنوی "جنگ نامہ حیدر" ۱۷۱۲ء/ ۱۱۲۵ھ کی تصنیف ہے ۔ اس میں بعض ایسے اشارے پائے جاتے ہیں جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے بہادر شاہ (۱۷۰۷ء - ۱۷۱۲ء/ ۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۴ھ)، فرخ سیر (۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۹ء / ۱۱۲۴ھ - ۱۱۲۲ھ) اور محمد شاہ (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء/ ۱۱۳۲ھ - ۱۱۶۲ھ) کا زمانہ دیکھا تھا ۔ آپ کے انتخاب کلام کے مذکورہ ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کی تحریر کے وقت یعنی ۱۷۴۶ء/ ۱۱۵۹ھ میں بقید حیات تھے ان تمام شواہد کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے طویل زندگی پائی ۔

آپ ایک پرگو شاعر تھے ۔ آپ کا جو کلام محفوظ ہے اس میں مراثی، مثنوی اور غزل کے نمونے ملتے ہیں ۔ اگرچہ آپ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن دوسری اصنافِ سخن میں بھی آپ کی انفرادیت پوری طرح اُجاگر ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر زور کا بیان ہے کہ آپ کے تیرہ مراثی اڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہیں جو ایک سو چالیس اشعار پر مشتمل ہیں ۔

آتشِ غم میں نت رقیباں کو ۔۔۔ تیرے ملنے سنی جلاؤں گی
روٹھ مت گر ہوا ہے مجھ سوں خطا ۔۔۔ پاؤں پڑ پڑ تجھے مناؤں گی
تیرے آنے کی باٹ میں اے سجن ۔۔۔ فرش آنکھاں کا میں بچھاؤں گی

آپ کی چند غزلیں کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اردو کی بعض بیاضوں میں بھی ہیں ایک مخمس بھی ملتا ہے جو حسن شوقی کی غزل پر لکھا گیا ہے۔ اس کا آخری بند یہ ہے

عجب رسنے ہیں یوں شاعر تخلف پر تکلف ہے ہوتے دو ہوش حیر سوں مگر وحشیاں کی یو صفت ہے
سمجھنا غور سوں شوقی کی یہ تفسیر مصحف ہے جہاں کے شاعراں بہتر عجب عاجز ہوا شرف ہے
اسی ملک دکن میانے مگر شوقی حسن نکلے سلہ

غلامی

آپ کا نام غلام حیدر یا غلام مرتضیٰ تھا۔ آپ کا وطن گجرات تھا۔ آپ چونکہ ہاشم علی کے ہمعصر تھے اس لئے آپ کا زمانہ ۱۷۱۳ء/۱۱۲۵ھ اور ۱۷۵۶ء/۱۱۷۰ھ کا درمیانی زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے یہ زمانہ فرخ سیر اور محمد شاہ کا تھا اور مغلیہ سلطنت کی طرف سے گجرات پر ان کا نامزد گورنر حکمراں تھا۔ سلہ

رحلت کے دن پدر یو وصیت کیا مجھے
تجھ پر نثار ہونے نصیحت کیا مجھے
تاکید کر کے کام کی رخصت کیا مجھے
یہ سن انجھو سیں شدنے کیا پرنین مجھے

(اُردو شہ پارے، ج ۱ صفحہ ۲۹۶ تا صفحہ ۳۰۰)

سلہ ادبیات ج ۲ صفحہ ۵ تا صفحہ ۱۱۵۔ سلہ تاریخ ادبیات ج ۲ صفحہ ۵۱۹ تا صفحہ ۵۲۰۔

رضاؔ

آپ کے بارے میں بھی واحد ذریعہ معلومات وہ بیاض مراثی ہے جو اڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اور جس کا تفصیلی تعارف ڈاکٹر زور نے "اردو شہ پارے، جلد اوّل) میں کرایا ہے۔ اس بیاض میں آپ کے پندرہ مرثیے ہیں جن کے ابیات کی مجموعی تعداد تین سو ساٹھ ہے۔ ڈاکٹر زور کی تحقیق کے مطابق "آپ گجرات کے ابتدائی مرثیہ نویسوں میں سے ہیں، آپ کا نام اور حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں البتہ آپ کے زمانے کا تعین اس واقعے سے ہوتا ہے کہ سورت کے مشہور شاعر عبدالولی عزلت (پیدائش ۱۶۹۲ء/۱۱۰۴ھ وفات ۱۷۷۵ء/۱۱۸۹ھ) نے اپنے ایک مرثیے کے آخر میں گجرات کے مرثیہ گو شعراء پر یہ اعتراض کیا تھا۔

خام مضمون مرثیہ کہنے سوں چپ رہنا بھلا!!
پختہ دردآمیز عزلت نت توان حالات بول

رضا نے اس کا جواب یہ دیا۔

اے عزیزاں گرچہ عزلت مرثیہ میں یوں کہیا
خام مضمون مرثیے کہنے سوں چپ رہنا بھلا

لیکن اس مظلوم بے سر کا بیاں کرنا روا
تاکہ سن کر یو بیان ہو ویں محبان اشکبار [1]

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۶ ص ۵۲۰۔

احمد

بارہویں صدی ہجری

آپ کے گجراتی الاصل ہونے کے بارے میں تقریباً تمام تذکرے متفق ہیں۔ لیکن اصل نام کسی نے نہیں لکھا۔ ڈاکٹر زور نے "احمد" تخلص کے ایک شاعر جس کا نام یتیم احمد تھا اور (وطن برہانپور) اور احمد گجراتی کو ایک ہی شاعر سمجھا ہے۔ لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔

آپ کا دیوان دستیاب نہیں ہوا، لیکن مختلف تذکروں اور بیاضوں کے ذریعے آپ کا جو کلام ہم تک پہنچا ہے اس سے آپ کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عربی، فارسی اور قرآن وحدیث سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ آپ کا جو کلام دستیاب ہوا ہے اس کا بھی بڑا حصہ غیر مطبوعہ ہے صرف وہی چند غزلیں ابھی تک چھپی ہیں جو دو نایاب زمانہ بیاضیں (مرتبہ عبدالباری آسی) میں شامل ہیں میر نے آپ کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ زبان وبیان کی صفائی کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہیں۔ ؎

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گزر نکلے
نہ پائی راہ دانش ہیں خروشاں بے خبر نکلے

نشانِ بے نشان ہم ملک یک رنگی میں پاتے ہیں
خبر چھوڑی، درئی کا ہم نے جب سے سٹ نگر نکلے

بھرے دونین کے چھگلاں، صبوری ساتھ لے توشہ
کمر ہمت سے باندھے ہو رپرت کی بات پر نکلے

ذیل میں کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن کی ایک بیاض سے آپ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

تجھ لب شکر کے دہاک تھے ورنہ شکر رہنے شکر
تیرے شکر لب دیکھ کر دوکان جاچھپتی شکر

جب تجھ شکر سے ہونٹھ کوں شکر نے دیکھی اک تل
اشکوں سے جیو دینے کے تیئں پانی میں جاڈبی شکر

چنچل نظر کے لطف کی، احمد خریدی واسطے
اب منکھ طبق میں راکھ کر سوغات میں لائی شکر

آپ کی ایک تصنیف ' وفات نامہ حضرت فاطمہ رضؓ ' بھی دستیاب ہوئی ہے اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتبخانۂ خاص میں ہے۔ آپ نے اس مثنوی کا زمانۂ تصنیف خود بتایا ہے۔ ؎

مرتب ہوا یو قصے کا تمام	انحفاخوشی یہ ماہ محرم تمام
کیا ہوں سال میں یو وفات	سنہ یک ہزار ایک سوتیس سات

گویا یہ ۲۴-۱۷۲۳ء/۱۱۳۷ھ کی تصنیف ہے مخطوطے کا سال کتابت ۶۸-۱۷۶۹ء/۱۱۸۲ھ ہے۔

آپ کے ذاتی حالات پر اس مثنوی سے صرف اتنی روشنی پڑتی ہے کہ مثنوی کی تصنیف کے وقت آپ کے والدین اور استاد وفات پاچکے تھے۔ آپ نے ان کیلئے بخشش کی دعا کی ہے۔ اس مثنوی کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ زبان غزلوں کی طرح صاف نہیں ہے۔ واقعات کو منظوم کرنے کی کوشش میں سادگی کو برقرار نہیں رکھا جاسکا۔ یہ مثنوی کسی ادبی اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ [۱]

---

[۱] تاریخ ادبیات ج ۶ ص ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳۔

حضرت حبیب اللہ شاہ

شیخ حبیب اللہ بن سعد اللہ خاں بن فیض اللہ خاں۔ آپ جہانگیر شاہ کے بھتیجے، داماد اور خلیفہ تھے۔ دس سال کی عمر میں اپنے والد والدہ اور پھوپھی کی شفقتوں سے محروم ہوگئے تو شفیق چچا نے آپ کی سرپرستی فرمائی اور آپ کو احمد آباد سے لے آئے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کو شرف بیعت حاصل ہوا۔ ۲۱ رسال کی عمر سے ۳۴ رسال کی عمر تک شاہجہاں پور رہی میں دریا کے کنارے ایک مسجد میں قیام فرمایا مرشد حضرت شیخ جہانگیر کی رحلت کے بعد اجمیر شریف میں رہائش اختیار فرمائی۔ آپ کے مریدین کی ایک خاصی تعداد حیدر آباد، دکن شاہجہاں پور میں تھی۔

خواجہ کمال الدّین والد شیخ سراج

خلیفہ حضرت چراغ دہلوی احمد آباد

حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء میں سے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی ہیں۔ آپ نے دہلی، اَودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی روحانی اثرات پیدا کئے۔ آپ کے خلفاء میں سے خواجہ کمال الدین ہیں۔

آپ کو حضرت چراغ دہلی نے گجرات (احمد آباد) بھیجا۔ یہاں آپ نے اطراف وجوانب کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا۔ [۱]

حضرت سیّد نصیر الدین چراغ دھلی

خواجہ کمال الدّین، دختر زادہ حضرت سیّد نصیر الدین چراغ دھلی

حضرت نصیر الدّین چراغ دہلی، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے

---

[۱] بزم صوفیہ ص۲۲۷ ت ۳۹

خلیفہ اور جانشین ہوئے ہیں۔ نصیر الدین محمود نام اور چراغ دہلی لقب ہے سنت کے بڑے متبع، پرہیز گار اور صاحب اثر ولی تھے۔ اپنے پیر کے مسلک کے خلاف سماع کو ناجائز اور خلاف سنت سمجھتے تھے۔ اپنے خلفاء کو بھی یہی تلقین کرتے تھے کہ علوم دین کی اشاعت اور شریعت اسلامی کی ترویج میں مصروف رہو۔ اپنے بھانجے اور خلیفۂ اعظم خواجہ کمال الدین رح کو احمد آباد میں ہدایت کے لئے بھیجا۔ جہاں ان کی اولاد و احفاد نے سلسلۂ تبلیغ جاری رکھا۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین کے صاحبزادے شیخ سراج الدین کا مزار گجرات کے پرانے پایہ تخت پٹن میں موجود ہے۔ [۱]

شیخ الہداد

آپ کا تعلق سہروردیہ سلسلہ سے ہے۔ اپنے وقت کے پرہیز گار اور خدا پرست، عبادت گذ علماء میں سے تھے۔ علوم نقلیہ وعقلیہ میں کمال حاصل تھا۔ آپ کھانے میں قدر قلیل پر کفایت فرماتے۔ اور صرف ایک پیالہ دودھ آپ کی غذا تھی۔ آپ درس دیتے وقت عمدہ مضامین اور ان کے نئے حل سننے والوں کو بیان فرماتے۔ آپ شریعت کی رعایت کرتے ہوئے سرود سماع کی مجالس سے پرہیز کرتے تھے۔ [۲]

شریف شیخ

آپ کو ذاتی اور اکتسابی دونوں طرح کی شرافت حاصل تھی۔ دسویں صدی کے اختتام تک حیات رہے۔ احمد آباد کے ایک محلہ جوہری واڑہ میں آپ کی آخری آرام گاہ تھی۔ [۳]

---

[۱] مسلم ثقافت ہندوستان میں ص ۲۴۵۔ [۲] گلزار ابرار ص ۶۳ [۳] ایضاً ص ۵۰۴۔

شیخ محمد عیسیٰ

آپ کا وطن ہمدان ہے۔ وہاں سے ہرمز ہوتے ہوئے گجرات تشریف لائے۔ اور احمد آباد میں رہائش اختیار فرمائی۔ یہیں آپ کے فرزند متولد ہوئے جو تمام دانشمند اور خداشناس تھے ان میں سے بڑے شیخ شہاب الدین تھے جو دینداری طلب علم اور تعلیم میں پوری دسترس رکھتے تھے۔ بعد میں یہی اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ شیخ شہاب الدین کے بھی کئی بیٹے تھے ان میں سے شیخ خان نے خاندان کی رونق بڑھائی اور آپ کے بیٹے شیخ حسن سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ احمد آباد میں ہے۔

شیخ کلیم الدین موسیٰ بن ابو موسیٰ

شیخ موسیٰ بن ابو موسیٰ۔ ملقب بہ کلیم الدین۔ اپنے دور کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ شیریں سخن، کلام میں فصاحت، عبادت میں انہماک اوقات کے پابند تھے۔ احمد آباد میں رحلت فرمائی۔ [1]

گلزار ابرار میں ہے کہ: آپ اپنے زمانہ کے نامور علماء میں سے تھے۔ تقریر اور تحریر میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ شمس عالم اور قمر عالم آپ کے فرزندان رشید تھے۔ آپ کے یہ دونوں صاحبزادے بارگاہِ الٰہی کے مقربین میں سے تھے ان تینوں حضرات کی خوابگاہ احمد آباد ہے۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۴ صفحہ ۳۹ تا ۵۳۔ [2] گلزار ابرار۔

شیخ حسن خطیب

شیخ حسن خطیب ۔ جو صاحب ولایت کے لقب سے مشہور رہیں ۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ہیں ۔ ان کے ساتھ کچھ بزرگ گجرات کے علاقہ میں تشریف لائے ۔ اور یہاں سے دھولقہ گئے اور وہاں مقیم ہوئے ۔

ایک مرتبہ شیخ محمد عیسیٰ جونپوری سے ملاقات کے لئے دھولقہ سے جونپور تشریف لے گئے ۔ وہاں شیخ بہاؤ الدین کو دیکھا اور ان پر فدا ہو گئے ۔ اس وقت شیخ بہاؤ الدین طالب علم تھے ۔ بڑے قابل آدمی تھے اور شیخ محمد عیسیٰ جونپوری کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے اور وہ نوجوان حاجتمند فقیر آدمی تھے ۔ امداد کے مستحق تھے ۔ شیخ کیمیا جانتے تھے ان سے کہنے لگے ہم تمہیں اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں گے اور کیمیا سکھائیں گے ۔ چنانچہ جنگل میں لے گئے کیمیا سکھایا اور فرمایا کہ شیخ بہاؤ الدین اس کو اپنی ضرورت کے موقع پر استعمال میں لاؤ پھر بھی اگر ضرورت ہو تو ہمیں کہنا کہ ہم پھر تمہیں کیمیا بنا دینگے ۔ وہ کہنے لگے کہ مجھے آپ سے دوسرے کیمیا کی ضرورت ہے یہ کیمیا مجھے کام نہیں آئے گا ۔ شیخ ان سے خوش ہو گئے اور انکی باطنی تربیت میں مشغول ہو گئے ۔ اور جب شیخ عیسیٰ جونپوری سے رخصت ہونے لگے (اور شیخ عیسیٰ جونپوری سے واپسی کے وقت شیخ حسن نے خلافت پائی ۔ اور خرقہ تبرک حاصل کیا) دھولقہ کی جانب واپسی کے وقت شیخ عیسیٰ سے اجازت مانگی تو شیخ بہاؤ الدین نے شیخ حسن کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی ارادت مندی میں قبول فرما لیجئے ۔ مگر شیخ حسن فرمانے لگے کہ آپ کے پیر (شیخ عیسیٰ) اسی شہر میں ہیں ہماری طرف سے اتنی ہی مقدار

فیض پہنچنا تھا سو وہ پہنچ گیا۔ کچھ مدت کے بعد شیخ بہاؤالدین شیخ محمد عیسیٰ کے مرید ہوئے اور ان سے فیض پایا۔ شیخ حسن کی قبر دھولقہ میں ایک کشادہ میدان میں روح افزا مقام پر واقع ہے۔[1]

قاضی غضنفر سمرقندی

سید دانشمند اور مختلف فضائل سے آراستہ تھے۔ چند سال تک ولایت گجرات میں قاضی القضاۃ رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ چلے گئے۔[2]

جہانگیر توزک جہانگیری میں لکھتے ہیں کہ۔

انہوں نے حکیم حمید کو جن کی مرتضیٰ خاں نے بہت تعریف کی تھی۔ طلب کیا تھا وہ بھی پہنچ کر حاضر خدمت ہوئے۔ طبیب سے بڑھ کر اسے ایک نیک اور سیدھا سادھا آدمی

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۴۲ [2] طبقات اکبری صفحہ ۴۹۱/۲

پایا۔ کچھ عرصہ خدمت میں رہے لیکن یہ معلوم ہونے پر کہ گجرات میں ان کے سوا کوئی اور حکیم نہیں ہے اور وہ خود بھی رخصت ہونے کے خواہشمند ہیں چند شالیں اور ہزار روپے انہیں اور ان کے بیٹوں کو عنایت کیئے اور معاشی مدد کے لیئے ایک گاؤں کی آمدنی ان کے لیئے مقرر کرکے انہیں خوش کرکے ان کے وطن کی طرف رخصت کیا۔ [1]

شیخ وہبان سندھی

آپ شیخ ابراہیم کلہورا کے مرید ہیں۔ حقیقی وحدت اور ایزدی غیرت کا بہت بڑا جلوہ اور بہت بڑا ظہور آپ کی ذات میں تھا۔ ایک روز چلتے چلتے سرراہ ایک حورسرشت کے چہرہ پر نظر جا پڑی۔ فوراً گوش دل میں ندا آئی۔ ابھی آنکھ غیر کے حسن پر نظر ڈالنے کی طرف مائل ہے۔ اسی دم آنکھوں سے قوت بینائی زائل ہوگئی۔ اس طرح آپ دل کو محنت وسوز سے اور جان کو غیرت وشوق سے بالامال کیئے ہوئے گاتے پھرا کرتے تھے یہ عادت ہے کہ چلنے میں ہاتھوں کو آمدورفت وحرکت رہتی ہے آپکا ہاتھ زیادہ ہلتا تھا۔ فرمایا "اے ہاتھ! تو ہم سے پیشتر پہنچنے کا خیال بھی نہیں کرسکتا ہے" یہ کہنا تھا کہ اسی وقت ہاتھ خشک ہوگیا اور جنبش بھی جاتی رہی۔ آپ برہان پور میں مدفون ہیں۔

خانجی بن پیرخاں

خانجی پیرخاں اسماعیلیوں کے مشائخ میں سے ہیں۔ ان کا مولد ومنشا گجرات ہے اپنے بھائی نجم خاں سے علم حاصل کیا۔ اسماعیلیوں کے داعی بدرالدین نے انکو احمد آباد بھیجا۔ وہاں انہوں نے ایک زمانے تک قیام کیا اور کلیم الدین اور

---

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۲۰۹۔

صفی الدین اسماعیلی وغیرہ نے ان سے پڑھا۔ پھر اودھے پور چلے گئے اور وہیں مر گئے۔[1]

شیخ حسین بن باقر اصفہانی

امیر حسین بن باقر بن بو علی اصفہانی۔ عالمگیر کے دور میں ہندوستان پہنچے۔ سلطان نے آپ کو دیوان الخراج کا متولی بنایا۔ اور آپ کو امتیاز خاں کا لقب دیا ایک زمانے تک آپ ہندوستان رہے پھر آپ کو گجرات پر والی مقرر کیا گیا۔ عالم شاہ کے دور میں وہاں سے آپ نے اپنے ملک کی طرف سفر کیا لیکن چونکہ آپ کے ساتھ مال و منال بہت زیادہ تھا۔ اسلئے سندھ پہنچ کر خدا یار خاں نے اس مال کے لالچ کیوجہ سے آپ کو قتل کیا۔

آپ بڑے اونچے شعراء میں سے تھے آپ نے حج و زیارت سے بھی شرف پایا آپ کا فارسی کا دیوان مشہور رہے جس کا ایک مصرعہ بہت مشہور رہے۔ ؎

ع این ہمہ از پی آنست کہ زر می خواہد

پورا شعر یہ ہے۔

شہ کہ این کوکبہ داین کروفر میخواہد	تاج و تیغ و علم و زین و کمر میخواہد
لشکر و کشور و اقبال و ظفر می خواہد	این ہمہ از پی آنست کہ زر میخواہد[2]

شیخ یحییٰ

شیخ یحییٰ، جو شیخ لطیف (مرید حضرت نظام الدین اولیاء) کے فرزند تھے۔

---

[1] سلک الجواہر، نزہۃ الخواطر ۱۴۹ صفحہ ۶۔ [2] نزہۃ الخواطر صفحہ ۶۔

گجرات میں بقول شیخ باجن شیخ یحییٰ کی نسبت یہ ضرب المثل مشہور تھی : وقت شیخ یحییٰ جیسا بڑے نیسا سیہے ۔ اپنی پیڈن کیسے نکلے ۔ [1]

شیخ شرف الدین مشہور بہ جھجو خان

شیخ شرف الدین اساولی مشہور بہ جھجو خاں سلسلۂ رفاعیہ کے مشائخ کبار سے تھے انہوں نے شیخ نظام الدین عمر بن اکرم رفاعی ، انہوں نے شیخ علی سے انہوں نے شیخ رکن الدین سے انہوں نے شیخ شمس الدین سے انہوں نے شیخ قطب الدین ابوالحسن علی بن عبدالرحیم سے انہوں نے برادرِ ممدوح شیخ شمس الدین محمد سے انہوں نے اپنے چچا شیخ محی الدین ابراہیم بن علی اعذب سے انہوں نے اپنے چچا مہذب الدین عبدالرحیم سے انہوں نے اپنے بھائی سیف الدین علی بن عثمان بطائحی سے انہوں نے قطب الکبیر سید احمد رفاعی ذکرہ ان کے ماموں تھے) سے اکتسابِ فیض کیا ۔ اور ان سے شیخ نصیر الدین جمال توساری اور دیگر بے شمار حضرات مستفیض ہوئے ۔ [2]

رضی

نصیر الدین ہاشمی نے آپ کا نام حافظ رضی الدین لکھا ہے ۔ حمید اورنگ آبادی آپکے متعلق لکھتے ہیں ؛ متوطن احمد آباد از شاگردان رشید ولی محمد ؛ ۔

آپ کی غزل کا مطلع ملاحظہ فرمائیے ۔ ؎

خراب نرگسِ مستانہ ہوں نین کی قسم ۔۔۔ بزنگ بلبل دیوانہ ہو چمن کی قسم [3]

---

[1] مقالات شیرانی صد ۱۵ ۔ تاریخ ادبیات ص ۹۱/ج ۲ [2] نزہۃ الخواطر ص ۱۴/ج ۳ ۔
[3] تاریخ ادبیات ص ۵۲۲/ج ۲ ۔

حضرت اشرف جہانگیر

آپ زھد، تقوی، عبادت اور ریاضت کیوجہ سے اپنے وقت کے جنید و شبلی سمجھے جاتے تھے۔ آپ معقولات ومنقولات کے متبحر عالم تھے آپ کچھوچھ کے قریب ایک گاؤں میں رہائش اختیار کر کے عوام الناس کی دینی اصلاح اور روحانی تربیت کیا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام کو اپنے علم کیوجہ سے بڑی شہرت تھی شروع میں ان کو ہئیت نجوم، حکمت اور دوسرے فنون پر بڑا عزور تھا۔ حضرت اشرف جہانگیر رح کا جب ورود مسعود احمد آباد ہوا تو شیخ الاسلام نے آپ سے بڑی بے باکی سے علمی مباحثے کئے۔ اور ادب کا لحاظ نہ رکھا لیکن پھر بڑی ندامت محسوس کی۔ تائب ہوکر حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی مدارج طے کر کے حقائق ومعارف کے سرچشمہ بنے۔ بعد میں آپ کے خلیفہ بنے۔ گجرات کے مریدوں کی تربیت ان ہی کے ذمہ تھی۔ انہوں نے ایک رسالہ بھی اشرف الفوائد و فوائد الاشرف کے نام سے لکھا ہے۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر رح نے ایک سو نوے ۱۹۰ اولیائے کرام سے فیوض حاصل کئے۔ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مقدس سے خاص فیوض حاصل کئے۔ بعد میں حضرت غوث الثقلین شیخ معروف کرخی رح اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی۔

قونیہ میں مولوی جلال الدین رومی کی خانقاہ میں اقامت کی۔ اور پھر جہاں پہنچے وہاں کے بزرگوں کے مزاروں پر مراقبہ کیا۔

آپکے خلفاء میں شیخ مبارک نام کے ایک ممتاز عالم بھی تھے۔ دوسرے خلفاء میں سے شیخ راجہ کو زہد و تقویٰ اور شریعت کی پابندی میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ وہ تارک الصلوٰۃ سے ملنا جلنا، بولنا، چالنا اس کے ساتھ کھانا پینا کسی حالت میں بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

خلفاء میں سے حضرت سید عبدالوہاب کو اپنے مرشد سے بڑا والہانہ لگاؤ تھا۔ ایک بار حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کو کسی کام سے دہلی بھیجا۔ وہاں سے واپس آئے تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کو اپنا جوتا عنایت کیا۔ حضرت سید عبدالوہاب نے غایت احترام میں جوتے کو اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور اس کو اپنا تاج بنا کر چالیس روز تک گھومتے رہے۔ [۱]

ابن اخرش

ابن اخرش نے الشفاء قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ) کی سیرت نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام) میں مشہور و مستند کتاب کا محمود اعظم کے عہد میں فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ [۲]

مولانا یار محمد المشہور مولانا یاری

آپ مولانا ہرات سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نہایت خوش طبع تھے اور بلاغت میں مرتبہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ منجملہ آپ کے اشعار کے یہ بھی ہے۔

---

[۱] بزم صوفیہ ص۵۲۲ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۳۳۔

گجرات خوش دیارے اما بشرط یارے
بی یار چوں تواں بود دریں چنیں دیارے

سلطان محمود خاں نے آپ کو اپنا ایلچی بنا کر درگاہِ معلی میں بھیجا تھا۔ جب کام انجام نہ پاسکا تو وہاں واپس لوٹ کر سیتپور میں مقیم ہو گئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔[1]

قاضی محمد شریف

محمد شریف بن محمد فرید صدیقی، فقہ و اصول کے ماہر علماء میں آپ کا شمار تھا۔ گجرات میں ایک عرصہ تک درس و افادہ میں مصروف رہے۔ شیخ احمد بن سلیمان نے آپ سے علم حاصل کیا اور درسی کتب آپ سے پڑھیں۔[2]

سیّد امام الدین

آپ کے والد سید کبیر الدین ہیں۔ عراق سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ صاحبِ کشف و کمالات و کرامات تھے۔ اور ان سے خرق عادات بہت زیادہ ظاہر ہوئے۔ اور بہت سے ہندوؤں کو اور کفار کو آپ نے مشرف باسلام فرمایا۔ سید کبیر الدین لاہور میں آسودۂ لحد ہیں۔ سید امام الدین کی اولاد اپنا نسب سید اسمٰعیل بن حضرت جعفر صادق تک بیان کرتی ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سید امام الدین ابن سید کبیر الدین حسن بن سید صدر الدین محمود بن سید

---

[1] تاریخ معصومی ص ۲۳۹، تاریخ سندھ ص ۱۴۲ ج ۲ ۔ ص ۲ مرآۃ احمدی۔
[2] نزھۃ الخواطر ص ۲۸۵ ج ۵، ص ۴۲۵۔

شہاب الدین بن سید نصیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین صالح بن سید اسلام الدین بن سید عبدالمؤمن بن سید خالد بن سید محب الدین بن سید محمود بن سید محمد بن سید ہاشم بن سید احمد ہادی بن سید جمال مستنصر باللہ بن سید عبدالمجید بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل ثانی بن سید نورالدین بن سید اسماعیل بن ابی عبداللہ جعفر صادق ۔

کہتے ہیں کہ ایک بڑی جماعت نے سید امام الدین کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور ان کے بعد بھی ان کے اولاد میں یہ صفت رہی کہ غیر مسلم ان کے ہاتھوں بکثرت مسلمان ہوئے اور ان کو جو انکے ہاتھوں پر اسلام قبول کرتے تھے ۔ اس علاقے کی اصطلاح میں مومنہ کہتے تھے ۔ اور ان نومسلموں کو اس خاندان سے بہت والہانہ تعلق تھا کہ انکی ہر طرح سے معیشت کے لحاظ سے خبر گیری کرتے اور اولاد میں سے کسی ایک کو انکی خدمت میں چھوڑ دیتے اور انکے اشاروں پر جان دینے کے لئے تیار ہوتے ۔ آپ کے فرزندان گجرات اور ملک دکن کے اکثر علاقوں میں منتشر ہوئے ۔ چونکہ یہ حضرات برائے تالیفِ قلب بعض رسوماتِ کفریہ کو بھی گوارہ کرلیتے تھے اس لئے اس علاقے کے مشائخ ان کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے ۔ سید امام الدین کی قبر کرمتہ نامی ایک گاؤں میں احمد آباد سے پانچ کوس پر واقع ہے ۔[1]

سید قطب الدین علیہ رحمۃ اللہ

سید قطب الدین گجرات میں تشریف لائے تھے اور انکی اولاد میں سید عبدالخالق ہیں جن کا مزار انکی خانقاہ جاپور میں شہر کے اندر واقع ہے ۔ ان کا نسب

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۱۲۳ ۔

بھی پیران پیر سید عبد القادر جیلانی رح کے صاحبزادے سید عبد الوہاب تک پہنچتا ہے۔[1]

مولانا شاہ محمد چشتی

علامہ شاہ محمد معروف علماء میں سے ہیں۔ اپنے زمانہ کے علماء عرب اور علماء عجم سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ اور اپنے مشایخ کی زندگی میں آپکا شمار اکابر علماء میں ہونے لگا۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر ہندوستان پہنچے اور گجرات میں طویل زمانے تک درس و افادہ میں مشغول رہے۔ پھر ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیر کی۔ مندو پہنچے اور وہاں قاضی جمال الدین ترکستانی کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ سات سال تک وہاں بھی درس دیا۔

وہاں آپکے تلامذہ میں محمد بن حسن مندوی مشہور ہیں جنہوں نے آپ سے وہاں کشف، منار تلویح، اصول فقہ میں پڑھیں۔ انکے علاوہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے علم حاصل کیا۔[2]

شجاع الدین نوری

آپ سادات گجرات سے تھے۔ یہ حیدر آباد میں سید مظفر وزیر تانا شاہ کے لڑکے کے اتالیق تھے انکی کوئی نظم تو نہیں ملتی۔ البتہ تذکرہ میر حسن وغیرہ میں ایک آدھ شعر اور بعض بیاضوں میں مرثیے دستیاب ہوئے ہیں۔ اس وقت حیدر آباد میں کئی اور شاعر مثلاً قادر، مرزا، روحی وغیرہ بھی موجود تھے۔[3]

عبد اللہ فتحی

آپکی تصنیف "مثنوی قیامت نامہ" کا مخطوطہ جامعہ سندھ پاکستان میں ہے۔ اشعار

ہنسے ایک سر دو جا روی لیمین
الیسا زلزلہ ہوئے گا بالیقین!

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صہ ۹۲ [2] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۶۶ [3] دکنی ادب کی تاریخ صہ ۹۹۔

جینے کے بیضے کاٹے بچھڑا ایسا
کر صورت میں ہوگا وہ باگ سا
صورت آدمی کی مبدل ہوئے
گناہان کبیرا جیسے آدمی کری

اس مثنوی میں تقریباً چار سو اشعار ہیں، قیامت نامہ، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے قیامت سے تعلق رکھتا ہے۔

ان دو اشعار سے سنہ تصنیف اور مصنف کے نام کا پتہ چلتا ہے۔

لکھا ہے ذکر سب کتابوں میں
عبداللہ بس کر سخن کو ہویں!
اگیارہ سے اوپر اڑتالیس برس
فتحی نے ہندی میں کہیا ہے یوں [1]

شیخ حمید

محدث اہلِ صلاح و تقویٰ میں سے تھے احمدآباد میں مقیم تھے۔

ملا موسیٰ سندھی

احمدآباد میں تھے۔ تقویٰ اور ریاضت سے آراستہ تھے۔

ملا عبدالرحمٰن بوہرہ

احمدآباد میں تھے۔ [2]

---

[1] سندھ میں اردو مخطوطات صفحہ ۱۱۱ [2] طبقات اکبری ج ۲ صفحہ ۴۹۳

وَالسَّلام

بچپن میں الف ، ب کی تختی پڑھتے ہوئے شروع میں بسم اللہ اور اخیر میں والسلام بھی پڑھا تھا ۔

مشائخ احمدآباد کے نام سے چند بزرگوں کے حالات جمع کرنے کی حق تعالیٰ شانہٗ نے توفیق عطا فرمائی اس پر جتنا مالک کا شکریہ ادا کروں کم ہے ۔ نیز جن دوستوں نے مختلف کتبخانوں سے مطلوبہ کتب کی فراہمی میں مدد فرمائی جیسا کہ یہاں برطانیہ میں مولوی اشرف، مولوی اسمٰعیل گنگات اور ہندوستان سے ڈاکٹر محمد عمر سورتی کتابیں بھیجتے رہے ۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے ، نیز دورانِ تالیف میں مولوی احمد علی ، مولوی عامر عزیز، عزیزی مولوی عبیدالرحمٰن ، عزیزی حبیب الرحمٰن کی معاونت ٹیپ اور کتابوں سے نقل کرنے میں شاملِ حال نہ ہوتی تو شاید کتاب مہینوں مؤخر ہو جاتی ۔ اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے ان مشائخ کی توجہات اور ان کے فیوض سے وافر حصہ نصیب فرمائے ۔

جن کتب سے ان حالات کے جمع کرنے میں مدد لی گئی ہے انکی تعداد کی کثرت کی بناء پر مستقل فہرست نہیں دی جارہی ہے البتہ اکثر جگہ حاشیہ میں حوالہ دے دیا گیا ہے ۔ اور کہیں کہیں متن میں تصریح کردی گئی ہے ۔ البتہ چند امہات الکتب جو گجرات سے متعلق ہیں اس خاتمہ کے بعد ان کے نام ذکر کردئے جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ اس تالیف میں جو فروگذاشت ہوئی ہو اس کو معاف فرمائے اور اس کو شرف قبولیت سے نوازیں ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و نبینا و حبیبنا و شفیعنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اشاریہ

☆ اسماء

☆ اماکن

☆ سنین (عیسوی)

☆ سنین (ہجری)

☆ کتب

☆ مساجد

فہرست نمبر ا

اشاریہ

اسماء

اشاریہ اسماء

ا

ب

پ

ت

ث

ج

چ

ح

خ

د

ڈ

ذ

ر

ز

س

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

و

ہ

ی

فہرست نمبر ۲

اشاریہ اماکن

اماکن

ا

ب

پ

ت

چ

ح

ر

ز

س

ش

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

ی

فہرست نمبر ۳

اشاریہ

سنین (عیسوی)

سنین عیسویہ

فہرست نمبر ۴

اشاریہ

سنین (ہجری)

سنین ہجریہ

فہرست نمبر ۵

اشاریہ کتب

اشاریہ کتب

ا

ب

ث

ج

س

ش

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

ی

فہرست نمبر ۶

اشاریہ

مساجد

اشاریہ مساجد